

مالیہ و خزانہ کے بچہ امیر اور اسی سے نکلنے والی عیادت و عیادت

عظا اللہ ایشاء و عیادت

سوانح و افکار



محمد امین عیادت
بچہ امیر



ناشر

ادارہ تالیفات ختم نبوة

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 042-37232926

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے بانی اُمیدِ اولیٰ سوانحِ حیات و خطبات کا مجموعہ



عظمت اللہ شاہِ مجتہد

سوانح و افکار

ترتیب و تہذیب

مولانا محمد امجد علی شاہ

ناشر

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

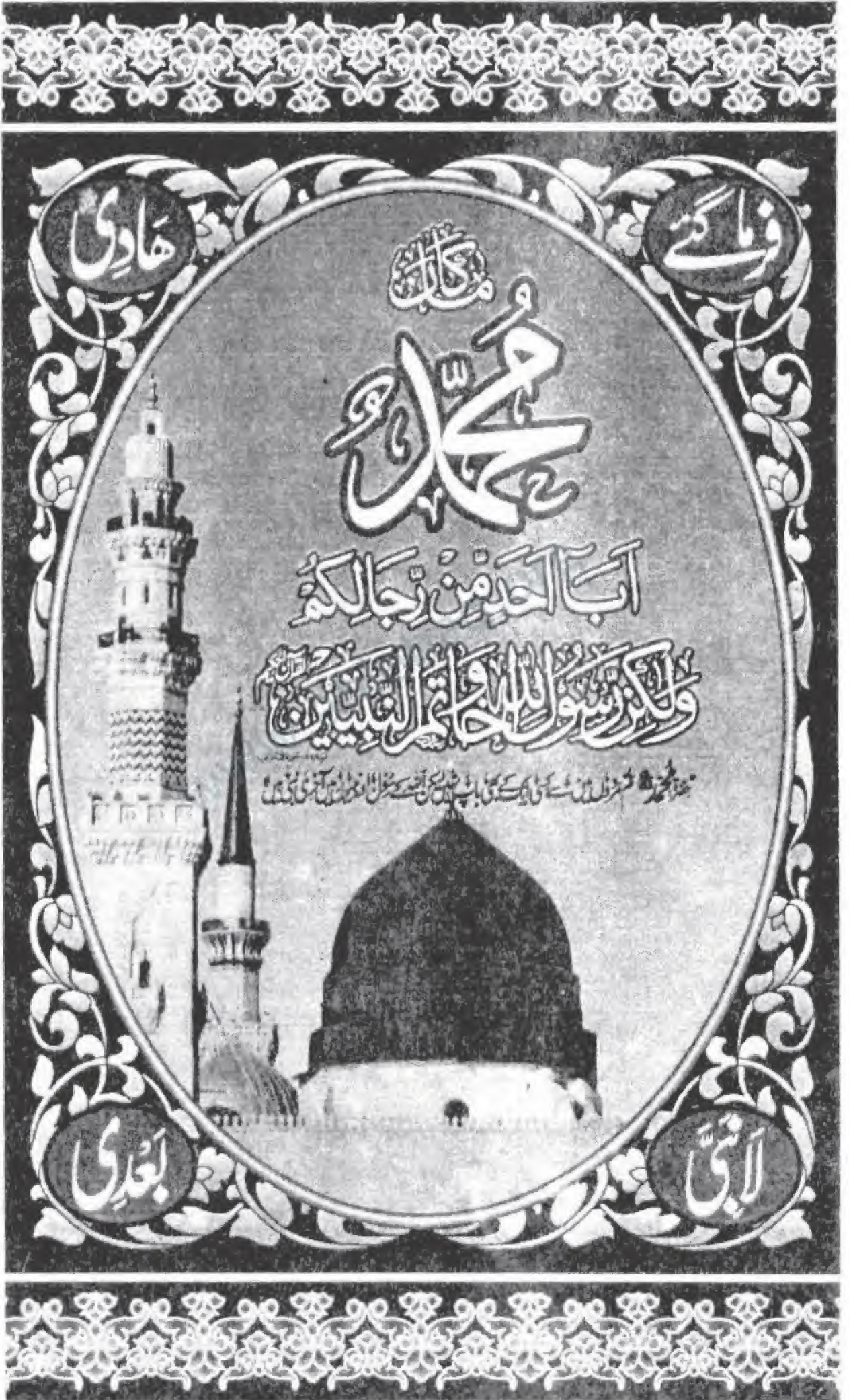
حضرتی باغ روڈ، ملتان

www.ahlehaq.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انتساب

امیر شریعت کے رفقاء گرامی
تحریک ختم نبوت 1953ء کے شہداء
شاہ جی کے خاندان
اولاد کی روایات کی امین
عالمی مجالس تحفظ حق نبوت
کے قائمین مبلغین
اور کارکنوں کے نام



فہرست مضامین

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ..... سوانح و افکار

صفحہ نمبر	مضامین	13	میرا عقیدہ شاہ جی کے اپنے قلم سے
57	مجلس احرار اسلام کا قیام	19	کلمۃ الامیر: حضرت خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ
58	تصوف سے دلچسپی	23	نقاب کشائی: مولانا شیر علی شاہ مدظلہ
61	قومی زندگی کا آغاز	29	بینات کراچی کا تبصرہ: مولانا سعید احمد جلاپوری
62	مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت جہاد	33	ندائے خلافت لاہور کا تبصرہ
64	ہجرت کی تحریک	37	نوائے وقت لاہور کا تبصرہ
66	تحریک عدم تعاون اور قومی تعلیم	39	عرض مرتب: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
69	میانوالی ڈسٹرکٹ جیل	41	انتخابی ایڈیشن سوم
70	خانقاہ ڈوگراں		باب اول: سوانح و میرت
72	کتاب رنگیلار رسول (العیاذ باللہ)	47	شاہ جی ایک نظر میں
74	کراچی کا مگر لیس	55	حضرت شاہ صاحب کا خاندان
77	شاہ جی کا سیاسی پس منظر	55	شاہ جی کی پیدائش
78	پہلی جنگ عظیم	56	تعلیم و تعلم
79	انقلاب روس خفیہ معاہدے اور ان کے نتائج	56	سیاسی دور کا آغاز

104	81	سیاسی تحریکوں میں شاہ جی کی شرکت
105	83	روٹ ایکٹ
106	85	امیر شریعت کی عوامی زندگی
107	86	تبلیغی دورے
107	86	حضرت شاہ صاحب کا علم اور فہم قرآن
107	87	مجلس احرار اور مسئلہ کشمیر
111	88	دوسری خدمات
114	89	مجلس احرار کی خصوصیات
114	89	کانگریس مسلم لیگ اور شاہ صاحب
115	90	مسلم مجاہدین آزادی
116	93	عادات و خصائل
116	93	عجیب و غریب تصویری مرقع
118	94	ان کا سب کچھ ماضی کا مرہون منت
119	94	نماز ان کی فطرت ثانیہ
121	95	فقر و استغناء کی تصویر
121	96	جماعت سے ایک دمڑی ندی
122	97	اصل چیز عقیدہ
123	97	اپنے دائرہ سے باہر دعوتوں میں عدم شرکت
126	98	کون سا لجن داؤ دی تھا؟
128	99	جامع الصفات انسان
129	101	احباب و رفقاء سے بے تکلفی
129	103	حضرت غوث ہزارہ کے حکیم حاذق
130	104	”خوش طبعی و حاضر جوابی“
131		حق کی تلوار

159	133	بے باکی اور جہد مسلسل
160	134	عظیم شخصیت
161	135	شاہ جی کا امتیاز
162	136	بے نیازی اور استغناء کی سلطنت کے بادشاہ
163	137	سکندر مرزا سے ملاقات سے انکار
164	138	اخباری بیانات سے احتراز
165	139	جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے نفرت
166		شاہ جی اور قید و بند کی آزمائش
166	144	آخری قید اور منیر انکوائری کمیشن
169	145	لاہور سنٹرل جیل میں آمد
169	145	حکام سکھر جیل کا افسوسناک سلوک
170	147	منیر انکوائری کمیشن میں موقف
173	149	مارشل لا قیدیوں سے ملاقات
173	150	جیل میں مشاغل
174	151	جسمانی ورزش
175	153	تاثرات
176	154	کمالات قافلہ کا پیکر
176	155	دفا کی دلداری کے لئے اپنی رائے ترک کر دیتے
177	155	شاہ جی نے دومرتبہ اپنی رائے کو قربان کیا
178	156	عام مجلس گفتگو میں بھی اپنا جادو جگائے
179	157	اسلام کی کھلی دو تین صدیوں میں ایسا خطیب پیدا نہیں ہوا
180	158	آپ کی خطابت کا تعلق قدیم و عظیم روایت سے
181	158	حضرت تھانوی کا سبب و اعتد اور آپ غیر معمولی خطیب
		مقرر نہیں ساحر
		حقیقی معنوں میں درویش
		وفاداری بشرط استواری
		برطانیہ کا دوست میرا دوست نہیں ہو سکتا
		مکافات عمل
		سال میں تین سو چھیانوے 366 تقریریں
		زندگی کے دو مقصد
		شرف و اولیت
		بے نفسی اور بلند ہمتی
		فتوحات بخاری
		پہلی فتح
		دوسری فتح
		جیل میں بھی ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش
		فرمایا میں خوش ہوں کہ مجھے آرام مل گیا
		لدھارا رام کا خود کشی کا ارادہ
		توہین ”خاتم النبیین“ کفر
		مسئلہ ختم نبوت سمجھئے
		حضرت کشمیریؒ کی شاہباز
		حضرت کندیاں والوں کی دُعا
		انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں خطاب
		اس پیکر علم و عمل کو جانتے ہو؟
		ڈم ڈم جیل کا واقعہ
		ایام اسیری میں کس سے متاثر

183	علماء کی پکڑیاں سنبھالتے ہوئے زندگی گزار دی	209	تقریر کی لذت
185	علماء سے مال لے کر صد اگاتا ہوں	209	غیبت سے کنارہ کش
185	مدارس دینیہ دین اسلام کی حفاظت کے قلعہ	210	آسمان خطابت کے نیر تاباں
187	کھی لے کر پہنچو جوتے تیار ہیں	211	انگریز سے نفرت جزو ایمان
188	جگر پر چوٹ لگائی کہ آنکھیں کھل گئیں	211	اڈل و آخر، ظاہر و باطن مسلمان
188	حکما کوئی چیز منگوا کر پیسے نہ دینا کمینگی	212	رشتہ ناز کی استواری
189	باسی روٹی اور ساگ	212	نادر شخصیت
189	احسان دانش کی غزل پر سر دھنتے رہے	213	جہاد اسلامیت و آزادی
190	حضرت شرق پوری کی خدمت میں	214	اسلامی معیار عظمت
191	زندوں اور مردوں کے درمیان سفارتکار	216	دولت فقر اور سعادت اطمینان
192	سکھوں کے گوردوارے میں قرآن سنایا	217	ان جیسا بیدار مغر صاحب ایمان اسلام کا شہدائی پیر نہیں ہو سکتا
194	لاتا بزدل بالاللقاب کی تشریح	218	ہیری مریدی میں شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے
194	ایک عہد، ایک ادارہ، ایک انجمن	221	صاف ستھرا علمی و ادبی ذوق
195	پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست، فرنگی کی ایجاد	221	مجسمہ اخلاق
195	شہادت حسینؑ پر کبھی تقریر نہیں کی	222	مجموعہ کمالات
197	علیؑ و عمرؓ میں فرق	222	لدھیانہ میں شاہ جی کا پہلا جلسہ
199	سیرت کا موضوع نازک	223	شاہ جی کی صحبت نے زندگی کا رخ بدل ڈالا
201	حضور کی بشریت کا انکار کیا جائے تو سادات کس کی اولاد	223	شاہ جی کی خطیبانہ خصوصیات
202	سماع موتی کے متعلق عجیب و غریب جواب	224	پاکیزہ نورانی صورت، نورانی سیرت کی ترجمان
203	چندہ کھاتے ہیں سور نہیں کھاتے	225	بے نظیر خطابت، اسلامی مقاصد کی ترجمان
204	مجموعہ محاسن	226	حسن صورت، حسن صوت، حسن طبیعت
205	حجازی لے میں قرآن پڑھنا	228	جواہر خطابت
207	دل و دماغ مسخر کر لیتے	229	لیلیٰ کے ہاں کا اخیر

250	اور حج لا جواب ہو گیا	230	قتل کے لئے آنے والا کرکڑ پنے لگا
253	”الہلال“ کی زبان کا عوامی ترجمان	231	ان کی خطابت میں تمام مسائل زیر بحث آتے
254	چالیس برس تک آزادی کی شمع جلانے رکھی	233	مرد مومن و مجاہد کی زندہ تصویر
254	عہد نبویؐ کے مسلمانوں کی صدائے بازگشت		خدا ساز مقرر و خطیب
256	حلم، عجز اور تواضع کا پیکر	234	عشق رسول کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا
258	ایک روشن ضمیر اور صاحب دل انسان	234	قائد تحریک آزادی و خلافت
258	مسور کن شخصیت	237	اقبالؒ اور بخاریؒ
260	شاہ جیؒ سے پہلی ملاقات	239	شاہ جیؒ کی معرکہ آرائیاں
261	امروہہ میں پہلی تقریر نے کایا پلٹ دی	240	امیر شریعتؒ کی اہل لاہور کو یقین دہانی
264	آپؐ نے ہزاروں لوگوں کے عقائد صحیح کئے	240	سول نافرمانی کی تحریک
265	خطابت میں بے ساختہ پن	240	چوہدری افضل حقؒ کی رائے
265	مقتناطیسی کشش	241	امیر شریعتؒ کا فیصلہ اور بحث کا خاتمہ
266	ڈنڈے کی صدارت میں جلسہ	241	جلسہ عام کا اعلان اور دفعہ نمبر 144 کا نفاذ
267	چند یادیں	242	چوہدری افضل حقؒ اور مجسٹریٹ کے درمیان گفتگو
269	کرامات	243	سول نافرمانی کا فیصلہ اور شاہ جیؒ کی تقریر
269	بھنگی کا قبول اسلام	243	عزم امیر شریعتؒ
270	بارش رک گئی	244	شاہ جیؒ کا پولیس سے خطاب
270	پان میں زہر	245	شاہ جیؒ کی گرفتاری
271	ملاوت کے دوران سانپوں کا جھومنا	246	خانقاہ سراچیہ کا وظیفہ
272	ملاوت سے دشمن چوڑی بھول گئے	246	حضرت رائے پوریؒ اور شاہ جیؒ
272	لدھارام انگریزوں کے گھر کا گواہ	248	آپؐ کی تقریر ملی مہابت کی ضرورت پوری کر دیتی ہے
274	صحابہ کرامؓ حضورؐ کی صداقت کے گواہ	248	شاہ جیؒ اور ٹوپی
275	حضورؐ کی صداقت کے دو بہترین گواہ	250	عشق رسول ﷺ

293	275	بے ثباتی و ناپائیداری حیات	حدیث رسول نبوت کی مثل
295	277	جو چیز یار سے جدا کرے اُسے آگ لگا دو	شاہ جہاں نے تپا ہوا انگارہ ہاتھ پر رکھ دیا
297	279	جو میاں بھٹکا کانہیں وہ منہ لگانے کے قابل نہیں	حضرت پیر مہر علی شاہ کی خدمت میں
297	281	ثاقم بم	خطابت کے جواہر پارے
297	281	بخاری اور ان کے ساتھیوں کے متعلق	واہ، اور آہ، میں شاہ جہاں ہوئے تباہ
298	282	مرزا قادیانی جہنمی ہے شیخوپورہ میں مناظرہ	پھاڑوں سے قاطب ہوتا تو یحییٰ کے دل بھرت جاتے
299	282	اگر دعاؤں سے کام چل سکتا تو؟	بت کدے میں اللہ اکبر کی صدا
299	283	شاہ جہاں کی نکتہ آفرینی	وفاداری کے طالب پہلے اپنی وفاداری کا ثبوت دیں
300	283	میں اکیلا ذمہ دار ہوں	ختم نبوت کا سپاہی
301	283	بخاری پاکستان سے آ رہا ہے	پاکستان کے ذرے ذرے کی حفاظت
302	284	خود کا شتہ پودہ کی آبیاری	عمرؓ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق
302	284	محاسن نبوت	عائشہ و خدیجہ میں فرق
302	285	شاہ جہاں سے جیل میں ملاقات	حضرت فاطمہؓ اور ان کی بہنیں
303	286	انسان یا چٹان	نوری اور خاکی
304	286	در ہا پر رسالت سے حکم	مخبوط الحواس
305	287	اقلیم خطابت کا فرمان روا	تیرے لوگ دیا بیاں نکلاتے ہاں میں مل ڈک لے
305	287	ایک سنجیدہ خطیب	میری ٹھکریوں کو متکلم دلو اب تو میری ٹورہ بکھری
306	289	مرزا محمود کو بھگا کر اسٹیج پر قبضہ کر لیا	کچھ مہر علی کچھ تیری خاموشی کچھ بیاں کچھ جانا بیاں
307	290	سانحہ جلیا نوالہ باغ	کسے کہ کشتہ نہ شدا از قبیلہ مانہست
309	290	تقسیم کے فسادات نے افسردہ خاطر کر دیا	بیماری میں بھی الحمد للہ کہتے
310	292	دور دور تک آگ لگی ہوئی دیکھ رہا ہوں	میرا ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ ہے
311	292	سیاست کا معنی مکر	دنیا میں محبت کے قابل چیزیں
	293	باب دوم: پاکستان اور شاہ جہاں	کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا

317	باب چہارم: تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء	قیام پاکستان سے پہلے کے نظریات
325	1952ء قادیانی دھمکیوں کا سال	قیام پاکستان کے بعد شاہ جی کا موقف
325	1953ء امیر شریعت کا سال	پاکستان کی آزادی، سالمیت اور استحکام جزو ایمان
328	تحریک ختم نبوت 1953ء میں قائدانہ کردار	ایک غدار سو سوروں سے بدتر
329	تحریک کا اجمالی جائزہ	پاکستان کی حیثیت مسجد کی سی ہے
330	تحریک سے پاکستان ایک خطرے سے بچ گیا	مسلم لیگ سے دیانندارا نا اختلاف
333	تحریک کا پس منظر	پاکستان امیر شریعت کی نظر میں
334	ظفر اللہ خاں کی شراٹگیری	مجلس احرار کا سیاسیات سے علیحدگی کا اعلان
336	ملتان میں چھ 6 آدمیوں کی شہادت نے جلتی پر تیل کا کام کیا	منیر انکوائری رپورٹ ایک شرمناک داستان
337	کراچی کنونشن کے فیصلے	لیگ سے اختلاف و اتفاق
341	الٹی میٹم	باب سوم: مجلس تحفظ ختم نبوت
343	پنجاب میں ہڑتال	مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد
344	منیر انکوائری کمیشن	جماعت دو حصوں میں تقسیم
344	باب پنجم: علالت اور وفات	اراکین شوریٰ
344	مرض کا پہلا حملہ	مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیم جدید
345	مرض کا دوسرا حملہ	مسلمانوں کی معاش و اقتصاد پر قادیانی ڈاکہ
346	مرض کا تیسرا حملہ	مجلس کا تبلیغی نظام
348	مرض کا چوتھا حملہ	تبلیغ کا نتیجہ
348	عالمگیر اضطراب	علامہ سید سلیمان ندوی اور دیگر علماء کرام کی سرپرستی
348	جانشینی	جیل سے رہائی کے بعد
349	نماز جنازہ	مجلس کا نصب العین
350	قبر	مجلس کا انتخاب
351	آخری منظر	مجلس احرار اور مجلس ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام

383	بخاری تقریر کر رہا ہے	(شریف ظفر)	430	بزم ورزم کے ساتھی
384	آہ! بخاری	(فانی مراد آبادی)	432	تقریبی جلسہ
386	نقیب عظمت رسالت	(حفیظ تاب)	433	ہدیہ عقیدت
389	سوزنہاں	(علامہ انور صابری)	434	آغا شورش کاشمیری کا مرثیہ
389	اتنے دلکش تو تیرے حسن کی دنیا نہیں (احسان دانش)	436	ایک تاریخ، ایک عہد، اک انجمن	
390	سوئے ریاض خلد بخاری چلا گیا (انور صابری)	437	ان کا دل عشق رسول کا جلوہ	
390	مرگ عظیم	(ساغر صدیقی)	438	اپنے عہد کے ابوذر غفاری
391	سوچ کی گھڑیاں	(سید عبدالحمید عدم)	440	دل و دماغ پر حکمران
392	ٹوٹ گئی زنجیر	(حبیب جالب)	442	علماء حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں
395	بخاری کے فراق میں	(حافظ محمد یوسف)	444	تاریخ ہائے وفات 1961ء
397	گو نچتے ہیں بخاری کے زمزمے (خلیق قریشی)	447	مرد ہم، خطیب اعظم	
399	آئینہ دار عظمت اولاد ابوتراب (حنان شاہد)	449	مشاہیر پاک و ہند کا خراج تحسین	
403	قدرت کے شاہکار چل بے (سالک ربانی)	451	نسب نامہ حریت	
404	باب ہشتم: مکتوبات		404	پانچ مقدمہ ہائے سازش
405	مکتوبات امیر شریعت "تعارف"		455	دیوبند
405	قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام		456	مجاہدہ حریت کی شاخیں
405	قاضی احسان احمد کے نام دوسرا خط		458	مجلس احرار اسلام
409	مولانا احمد علی لاہوری کے نام		459	باب ششم: امیر شریعت پر ہونے والا تحریری کام
461	مولانا سید حسین احمد مدنی کے نام		461	باب ہشتم: مظلوم خراج تحسین
427	عبداللہ ملک کے نام		462	سید عطاء اللہ شاہ بخاری
429	عبدالکریم شاہ پوری کے نام		463	سید عطاء اللہ شاہ بخاری (عبدالکریم شہر)
464	نذر محمد، ملک اللہ ڈوہ چینیوٹی کے نام		464	
466	مکتوب بنام		466	

478	469 ایک شفا رشی خط	جناب سہروردی کے نام
483	471 نوکریاں چھڑوانے والا پیر	ماسٹر تاج الدین انصاری
	باب نم: شاہ جی کی شاعری 474	مولانا تاج محمود کے نام
	475 شاہ جی ایک سخن فہم و سخن گو شاعر	مولوی نذیر حسین مرحوم کے نام
	477	جناب غلام قادر بازدار کے نام



1934ء میں قادیان کانفرنس سے خطاب

☆..... امیر شریعتؒ نے فرمایا

فرعونی تخت الناجار ہا ہے۔ انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

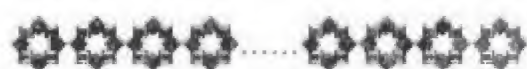
وہ نبی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسہ ہوں وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ وہ مجھ سے اردو، فارسی، پنجابی میں ہر معاملے پر بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔

وہ پردے سے باہر آئے نقاب اٹھائے، کشتی لڑے، آل علی کے جوہر دیکھے، وہ ہر رنگ میں آئے وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں ننگے پاؤں آؤں۔
وہ ریشم پہن کر آئے میں کھدر کا کرتہ۔

وہ زعفران، کباب، یا قوتیاں، اور پلو مرکی ٹانک وائن (شراب) اپنے ابا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے۔ میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ برطانیہ کے دم بریدہ کہتے ہیں۔

وہ خوشامد میں برطانیہ کے بوٹ کی نوک صاف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو اور بشیر کے اور میرے ہاتھ دیکھو۔

میں کہتا ہوں اب بھی ہوش میں آؤ تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔ اور مسیح کی بھیڑ و تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ جس سے اب مقابلہ پڑا ہے وہ مجلس احرار ہے۔



میرا عقیدہ

قرآن کی محبت اور انگریزوں سے نفرت

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اپنے قلم سے

میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذباتوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو۔ پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ۔ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رُکنا پڑتا ہے۔ کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے۔ اور کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جیل خانے کی ”آبرو“ پر بواہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے اور ۴

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

لیکن ۱۹۳۲ء کی تحریک خلافت کے زمانہ قید طلب پر غور کرتا ہوں۔ تو نگاہوں میں ایک تصویری کھینچ جاتی ہے۔ میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں احباب کی ایک یادگار بزم سب اہل ذوق، اہل نظر، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ ۱۔
مولوی ضیاء اللہ کی نئی تلی باتیں گفتگو میں رِس پیدا کرتیں۔ صوفی اقبال پانی پتی کے اُٹملے خدا کی پناہ؟ عبد اللہ چوڑی والے کی نکسالی گالیاں تیرک کی طرح تقسیم ہوتیں۔ اور آصف علی کھلتے تو پھولوں کے تختے سمجھ جاتے۔ جی خوش کرنے کے لئے مشاعروں کا بھی اہتمام ہوتا۔ شاعر طرچی وغیرہ طرچی کلام سناتے۔ کبھی سالک صدر ہوتا اور کبھی آصف اور کبھی ۴

۱۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ اور آزاد ہند کی تحریک کے صفحہ اول۔ ۲۔ قائدین میں شمار تھے۔ کشف الرحمن کے نام سے قرآن پاک کی دو جلدوں میں ضخیم کتاب لکھی۔ چوٹی بے خطباء میں شمار تھا۔

فرعہ فال بنام من دیوانہ زدند
 اختر علی خاں نے ایک دفعہ معرکہ کی غزل سنائی سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ میرا ماتھا
 ٹھنکا، کچھ یاد سا آ گیا۔ میں نے اختر سے کہا۔¹ تمہیں مقطع کہو۔ وہ کسی قدر جھینپا۔ میں نے کہا
 ۔ تو لو پھر مجھ سے سنو۔ مقطع تھا ۔

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
 امیر مسجد جامع میں آج امام نہیں
 سب ششدر رہ گئے۔ ارے امیر مینائی کی غزل اڑائی۔ سوالات کی ایک بوچھاڑ
 ہونے لگی۔ اختر علی خاں مقطع کے ساتھ ہی بزم سے غائب ہو گئے دو دن روٹھے رہے۔
 تیسرے دن بمشکل راضی کیا گیا..... امیر مینائی کا دیوان ان کے تکتے کے نیچے پڑا تھا۔ میں نے
 اٹھایا تو غزل کا صفحہ ہی پھٹا ہوا تھا۔ جب طبیعت ذرا اور شکستہ ہوتی۔ تو مولانا ڈھولک بجاتے۔
 صوفی مرحوم تالی پیتا داؤد غزنوی حال کھیلتے۔ جی کبھی اختر گاتا، کبھی سالک، کبھی تینوں وہ رنگ
 بندھتا کہ درود یوار جھومتے۔ اور کائنات بھی جھک کر گوش براواز ہو جاتی۔

اب کہاں لیکن وہ رنگا رنگ بزم آرائیاں
 یعنی سب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں
 ہم میں سے کوئی رہا ہوتا۔ تو سب بچوں کی طرح روتے بلکتے۔ اور بادل ناخواستہ
 الوداع کہتے۔ مولانا احمد سعید رہا ہونے لگے تو ان کی گھگھی بندھ گئی۔ آنسوؤں کے تاروں سے
 نعمتِ جدائی پھوٹ رہا تھا۔

۱۔ اختر علی خاں روزنامہ ”زمیندار“ اور مولانا ظفر علی خاں کے فرزند ارجمند تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت
 پر مرہ انداز حصہ لیا۔ اور مرکزی مجلس عمل کے اراکین میں سے تھے۔
 ۲۔ مولانا داؤد غزنوی الحمد للہ کتب فکر کے معتدل علماء میں سے تھے۔ مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے
 تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے۔ اپنے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ شاہ جی کے جیل اور ریل کے
 ساتھی تھے۔ بلکہ شاہ جی کے لیے ان کے لیے جیل میں ملا۔ نہوا۔ لے مرحوم ہی تھے۔

اس قیہ کے علاوہ اور بھی کئی دفعہ قید ہوئے لیکن وہ رنگ کبھی پیدا نہ ہوا۔ پنجاب کی تو تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں۔ لیکن ۱۹۳۰ء میں ڈم ڈم جیل ڈھا کہ کی زیارت بھی ہو گئی۔ وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی کہ رہائی تک اکھاڑہ جمارہا۔ دوست زندانی مصائب سناتے لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب، یہ اپنا اپنا زاویہ نظر ہے۔ میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے۔ اپنے گرد و پیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قیدیوں گزر جاتی ہے۔ جیسے صحراؤں سے بادل۔

ایک شب جیل خانہ میں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ قرأت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے۔ ایک گھنٹہ اسی تلاوت میں گزر گیا۔ اتنے میں پنڈت رام جی لال سپرنٹنڈنٹ جیل نے پکارا دیکھا تو وہ کھڑا ہے۔ اور زخماں اس کے آنسوؤں سے تر ہیں کہنے لگا۔ شاہ جی! خدا کے لئے بس کرو۔ میرا دل اب قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب مجھ میں رونے کی سکت نہیں۔ اللہ اللہ یہ قرآن کی محبت کا اعجاز تھا۔

ایک دن گورنمنٹ انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم ممبر معائنہ کے لئے آپہنچا۔ میں بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”کہئے شاہ جی آپ اچھے ہیں۔“ میں نے کہا ”خدا کا شکر ہے۔“ دوبارہ پوچھا۔ ”کوئی سوال؟“ ”میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔“ یہ میرا جواب تھا۔ وہ فوراً بولا ”نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟“ ”جی ہاں! آپ میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جائیے!“ فوراً ”پلٹ گیا۔ اس واقعہ کو ۲۵ برس گزر گئے ہیں اور ربع صدی کے بعد انگریز خود کہہ رہا ہے کہ وہ جارہا ہے۔ وہ جب یہاں رہنے پر مصر تھا۔ تو ہندوستان جیل خانہ تھا۔ اب وہ جانے کا اعلان کر رہا ہے۔ تو ہندوستان آتش کدہ ہے۔“

”کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں۔“

میرے عقیدے میں اب دو چیزیں ہیں۔

﴿ قرآن کی محبت اور انگریز سے نفرت ﴾

(لولائے ۲۱ اگست ۱۹۶۳ء)



امرِ تسر میں شاہ جی کا خطاب

بعض ناعاقبت اندیش لوگ کہتے ہیں کہ مرزائیت کے ساتھ ہمارے شیعہ سنی اور وہابی کی طرح کے فروعی اختلافات ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ ان (انگریزوں) کے لئے اپنے خود کاشتہ پودے کی مخالفت ناقابلِ برداشت ہے۔ ہم انشاء اللہ اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر رہیں گے۔

مرزائیت کے وجود میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے عیسائیت کے جگر میں ایک کانٹا تھا۔ کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحدت ملی یا مرکزیت عطاء ہوئی تھی یہ دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ تھی۔ عیسائیت چاہتی تھی کہ اسلام کی وحدت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس (وحدت) کی بربادی کے لئے پنجاب سے مرزا قادیانی کو کھڑا کیا گیا۔ اس نے ایڑی چوٹی کا زور وحدتِ ملی کو تباہ کرنے میں لگایا۔ یہ اختلافات فروعی ہیں؟ کہ نبی کے مقابلہ میں نبی کھڑا کر دیا گیا ہے۔

اور مدینہ النبی کے مقابلہ میں مدینۃ المسیح
اور جنت البقیع کے مقابلہ میں بہشتی مقبرہ بنایا گیا ہے۔

میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔

اس جرم میں یہ سزا (۲ سال) بالکل کم ہے۔ میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر ایسی ہزار جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ اور پھر کہا جائے کہ تمہیں بجرمِ عشقِ محمد یہ سزا دی جا رہی ہے۔ تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا۔ میرا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے ہزاروں بچے خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر نچھاور کر دوں گا۔

(۱۲۴ اپریل ۱۹۳۵ء حیاتِ امیر شریعت ص ۱۸۲، ۱۸۳)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلمۃ الامیر

نظام قدرت کے تحت خاک کی انسان طفولیت سے کہولت تک زندگی کے مختلف ادوار سے گذرتا اور نشیب و فراز کے سفر طے کرتا ہوا بالآخر پیوند خاک ہو جاتا ہے۔ اسے قبر میں اتارنے کے بعد اس کے اعزہ و اقارب دل ہی دل میں اس کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے بعض ایسے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان ماحوذ نتائج کو زبان پر لانا ممکن نہیں ہوتا۔ یوں سمجھئے کہ بعض انسان نوے سو برس کی زندگی گزار جاتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا پہیہ چونکہ انہی کی ذات کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ لہذا ان کے بارے میں کہنے کے لئے کسی کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ وہ عمر کے اعتبار سے کافی بڑے مگر شخصیت و کردار کے اعتبار سے کافی چھوٹے ہوتے ہیں۔ جمہوریت، یعنی عددی اکثریت انہی کو حاصل رہی ہے۔

ادھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عمر تو ان کی بھی سو پچاس سال ہی ہوتی ہے لیکن ان کے فکر و نظر، علم و فن اور افکار و کردار کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ چلتے زمین پر ہیں لیکن ان کے قدم آسمان پر پڑتے ہیں۔

ان کا خورد و نوش عام انسانوں جیسا ہوتا ہے لیکن ان کے چرچے ملائکہ کی صفوں میں ہوتے ہیں، ظاہری جسامت اور قد و قامت میں وہ عام انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا قد اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ ان کی دستار کے بل گننے کے لئے بڑے بڑوں کو ایڑیاں اٹھا کر اوپر دیکھنا پڑتا ہے۔ دنیا کے محلات میں ان کی رسائی نہ بھی ہو تب بھی محلات میں بسنے والی مخلوق ان کے نام سے خائف رہتی ہے اور عوام کا ایک جہوم ان کے نام سے خون میں

حدت محسوس کرتا اور ان کے نشیمن کے طواف سے دل میں ٹھنڈک سی محسوس کرتا ہے۔ اور اپنی باقی مخلوقات کے دل میں اپنے ان بندوں کی محبت یوں ڈالتا ہے کہ نکالنے سے نکلتی نہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجَبْرِئِيلَ أَنِّي أَحَبُّ فُلَانًا فَاحْبِبْهُ فَيَحِبُّهُ جَبْرِئِيلُ وَيُنَادِي جَبْرِئِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَاحْبِبُوهُ فَيَحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يَضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ ۝ (رواه الترمذی)

”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریل سے ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک مجھے فلاں بندے سے محبت ہوگئی ہے اے جبریل تم بھی ان سے محبت کرو، پس جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل آسمانی مخلوقات میں منادی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ کو اپنے فلاں بندے سے محبت ہوگئی ہے اے آسمان والو تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ تمام آسمانی مخلوقات اس بندے سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ پھر اس بندے کی محبت، زمین کی مخلوقات کے قلوب میں ڈال دی جاتی ہے۔“

اس حدیث مبارکہ کو قانون بنا کر ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبت اپنے آخری رسول سر تاج انبیاء امام الانبیاء ﷺ کو عطا فرمائی۔ آپ کے بعد درجہ بدرجہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ حدیث و فقہ اور صوفیاء کرام سے لوگ حد درجہ محبت کرتے رہے۔ انہیں شخصیات میں سے ایک اہم ترین شخصیت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ہے جن سے دنیا محبت کرتی ہے۔ جنہوں نے تاجدار ختم نبوت کے پرچم ختم نبوت کو بلند کیا اور اپنی حیات ناپائیدار کے ۵۰ سال حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعداء و حاسدین، فرنگیوں اور فرنگ کے خودکاشتہ پودے مرزا غلام قادیانی کے جھوٹے مذہب کی مخالفت میں گزار دیئے اور اس کو جزو بن اکھاڑ نے میں صرف کر دیئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا نے اس شخص سے ٹوٹ کر محبت کی، انہیں امیر شریعت جیسے معزز و محترم لقب سے نوازا اور آج انہیں دنیا سے رخصت ہوئے نصف صدی بیتنے والی ہے۔

ان کی یادیں آج بھی تازہ ہیں، اور زمانہ مزید طلب محسوس کرتا ہے کہ ان یادوں کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا جائے۔

چنانچہ زیر نظر کتاب اسی فکر کا ثمر ہے۔ شاہ جی پر بہت کچھ لکھا گیا۔ اور بہت کچھ لکھا جائے گا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ و ناظم تبلیغ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی مبارک کے مختلف گوشوں پر قلم اٹھایا ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر نئی نسل کو شاہ جیؒ کی خدمات سے روشناس کرانے کی کوشش ہے۔

زیر نظر کتاب میں بہت سے متفرق گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ جو آنے والی نسل کے لئے یقیناً راہنمائی کا باعث ہوں گے۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک عزیز محترم مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبولیت عامہ نصیب فرما کر خدام ختم نبوت کے لئے مشعل راہ بنائے۔

فقیر خان محمد عفی عنہ

(مرکزی امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

خانقاہ مراچیہ کنڈیاں شریف



www.ahlehaq.org

نقاب کشائی

حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

خطیب العصر سالار احرار امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے چہرہ انور کے دیدار کی پہلی مرتبہ سعادت عمدۃ العارفین الحاج سید مہربان شاہ بخاریؒ کے سالانہ اجتماع میں نصیب ہوئی، جو سالانہ عرس کے نام سے خانقاہ قادریہ مہربانیہ اکوڑہ خٹک میں منعقد کرتے تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے تین گھنٹے مسلسل ختم نبوت کے موضوع پر آیات و احادیث کی روشنی میں نادرہ روزگار خطاب سے عظیم الشان اجتماع کو مسحور کر دیا تھا، جس میں حضورِ سرحد کے جید، ممتاز اکابر، مشائخ، علماء اور دانشور حضرات موجود تھے۔

حضرت شاہ جیؒ نے مقررہ تاریخ پر اپنے قدمِ مہمنت لزوم سے اہالیانِ سرحد کو نوازا۔ اشتہارات اور اخبارات کے ذریعے حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کی خوشخبریاں پہلے سے شائع ہو گئی تھیں۔ مقررہ اجتماع میں لاکھوں فرزندانِ توحید نے شرکت فرمائی۔ بندہ بھی اکوڑہ خٹک ریلوے سٹیشن پر اپنے بڑوں کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا تھا۔ ریلوے سٹیشن میں بے پناہ ہجوم تھا۔ مجلس احرار اسلام کے کافی رضا کار اپنے مخصوص لباس میں پورے نظم و ضبط کے ساتھ محو انتظار تھے۔ میرے والد بزرگوار حضرت مولانا سید قدرت شاہ صاحبؒ بھی مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن تھے۔ ایک عجیب منظر تھا، دور سے ٹرین نے وصل دیا۔ کچھ علماء کرام اور معتقدین حضرت شاہ جیؒ کے استقبال کے

لئے راولپنڈی چلے گئے تھے۔ وہ دور سے دروازہ میں اپنے رومال ہمارے تھے۔ پتہ چلا کہ شاہ صاحب اسی بوگی میں ہیں۔ پھر سٹیشن سے لے کر جلسہ گاہ تک حضرت شاہ صاحب کو ایک فقید المثال جلوس میں لایا گیا۔ تمام راستے میں نعرے بکسیر، مجلس احرار اسلام زندہ باد، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد، تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد، اور قادیانیت، مرزائیت مردہ باد کے فلک شگاف نعروں سے اکوڑہ خٹک کے راستے اور درودیوار گونج رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی تقریر رات 12 بجے شروع ہوئی اور ٹھیک 3 بجے سحری کے وقت پایہ تکمیل تک پہنچی۔ اللہ اکبر، سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔

حضرت شاہ صاحب جب قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی عرش معلیٰ سے یہ آیتیں نازل ہو رہی ہیں۔

دوسرے سال جب دوبارہ حضرت شاہ جی کی تشریف آوری کی بشارتیں نشر ہوئیں تو سرحد کے دور دراز علاقوں سے شیدائیان اسلام پروانوں کی طرح اجتماع کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ جی جب سٹیج پر رونق افروز ہوئے، تو اس وقت سرحد کے ایک نادردہ روزگار خطیب پروفیسر مولانا اور لیس صاحب تصوف اور سلوک کے موضوع پر پشتو زبان میں پوری فصاحت، باغت اور سلاست کے ساتھ تقریر فرما رہے تھے، جو اپنے دور کے عظیم محقق اور مسلم الثبوت کالم تھے۔ حضرت شاہ صاحب ان کی تقریر کو پورے غور و خوض سے سن رہے تھے، ان کی تقریر کے بعد حضرت شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان کیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ حد درجہ بشارت و انشراح کے ساتھ خطبہ شروع فرمایا۔ خطبہ میں پورے دس منٹ صرف ہوئے۔ سب لوگ رو رہے تھے۔ میرے کانوں نے آج تک کسی بڑے سے بڑے خطیب کا ایسا دلکش، جاذب قلب و جگر خطبہ نہیں سنا۔

دشمن کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم

دوسرے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ دریائے کابل کے کنارے تشریف لے گئے، جو اکوڑہ خٹک کے شمال میں واقع ہے۔ کافی علماء اور مجلس احرار کے رضا کاروں کا ہجوم تھا۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ پر پستول کی کائی دیکھ کر ایک عالم نے

حضرت شاہ جی سے استفسار کیا کہ حضرت آپ اس دفعہ پستول لے آئے ہیں۔ فرمایا:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ
عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۝

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان دشمنان اسلام کے دھمکانے اور ڈرانے کے لئے ہر قسم کا اسلحہ اور قوت مہیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے قوت کی تفسیر میں فرمایا ”الْأَنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ“ الرمی کا اتنا جامع و مانع ہے کہ اس میں اسلحہ کی تمام اقسام داخل ہیں۔ تیر اندازی سے لے کر پستول، بندوق، ٹینک، جنگی جہازوں کی بمباری اور جدید سے جدید جنگی آلات اس میں شامل ہیں۔ ترہبون، ارہاب سے ہے۔ ارہاب کا معنی ڈرانا، پدکانا، چرکانا، یہ کانٹا ہے پھر شاہ صاحب نے اس میں کافی تفصیل فرمائی۔ ارہاب کے معنی اردو اور پنجابی میں بیان کئے پھر ہم سے پوچھنے لگے کہ ارہاب کے معنی پشتو زبان میں کیسے کریں گے؟ شاہ صاحب کی عادت تھی کہ ایک کلمہ کی تحقیق میں مختلف زبانوں کے ترجمے فرمایا کرتے تھے۔

”لَا لِنَفْسِ الْجِنْسِ“ کا مسئلہ

ایک دفعہ ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ کی تشریح میں فرمانے لگے، ”لَا لِنَفْسِ الْجِنْسِ“ ہے۔ یہ جب کسی کلمے پر داخل ہو جاتا ہے، تو اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے۔ ”لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ“ کا معنی ہے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔ ”گھر وچ کوئی جڑائی ہیگا، درخانہ ہیچ مرد نیست“ پوچھا پشتو میں کیا معنی کریں گے۔ ایک عالم نے جواب دیا ”کو رکن جو کہ سرے نشہ“ پھر فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ایک بھکاری نے ایک گھر کے دروازے میں کھڑے ہو کر آواز دی کہ اللہ تمہارا بھلا کرے، میں مسافر بھوکا ہوں، مجھے کچھ دال بھاجی دے دو تو گھر کے اندر سے ایک آدمی نے جواب دیا کہ سائیں جی، گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے، تو فقیر نے کہا کہ بھائی آپ دو منٹ کے لئے آدمی بن کر مجھے روٹی لادیں۔ کیا آپ خسرے اور بیخوڑے ہیں؟ فرمایا کہ اے علماء کرام! لا کا کلمہ مجھ سے سیکھو۔ دیگر مسائل میں آپ حضرات سے سیکھوں گا، میں نے لای میں تخصّص کیا ہے۔ میں نے مسئلہ ختم نبوت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ ختم نبوت کے منکر قادیانیوں کو برٹش سامراج کی پشت پناہی حاصل ہے۔ یہ فتنہ پوری قوت کے

ماتھ پھیل رہا ہے۔ اگر علماء و مشائخ نے ذرا بھر بھی تکاسل و تغافل سے کام لیا تو لاکھوں فرزندِ انِ توحید کو یہ قادیانی فتنہ اپنے ارتدادی سیلاب میں بہا لے جائے گا۔¹

امیر شریعت کا عربی خطبہ تقریر

دارالعلوم حقانیہ، جو پاکستان کے بڑے اہم اسلامی مراکز میں ایک امتیازی، دینی اور علمی ادارہ ہے۔ اس کے بانی و مہتمم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر حضرت امیر شریعت مکنی باردارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ ہائے دستار بندی میں تشریف لائے تھے۔ ایک بار حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری تقریر فرما رہے تھے۔ اچانک بجلی فیل ہو گئی۔ سٹیج پر بڑے بڑے علماء اور مشائخ جلوہ افروز تھے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی، ضیغم اسلام، شیر سرحد حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی اور دیگر بے شمار علماء موجود تھے۔ حضرت مولانا لاہوری کرسی سے اترے اور حضرت شاہ جی کو کرسی پر بٹھایا۔ شاہ جی نے اپنے خصوصی انداز میں خطبہ شروع کیا۔ شاہ جی کو رب العالمین جل جلالہ نے آواز داؤدی سے نوازا تھا۔ وہ ایک عجیب، دلکش روح پرور اور نرالے انداز میں خطبہ پڑھتے تھے۔ قرآن مجید کی آیت بھی قرأت و تجوید اور خوش آوازی سے تلاوت فرمایا کرتے تھے:

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے

پھر التفاتِ دلِ دوستان رہے نہ رہے

حضرات! آج ہماری جماعت، مجلس احرار اسلام مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ میں لگی

ہوئی ہے۔ فتنہ مرزائیت اور قادیانیت کے دجل و فریب اور دیسہ کاریوں کی دھجیاں اڑانے کے درپے ہو گئی ہے۔ بہت دنوں سے مسئلہ ترجیح میں پھنسا ہوا ہوں۔ ترجیح کے معنی کسی ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت اور فوقیت دینے کے ہیں۔ اس پر آشوب دور میں ترجیح کے قابل وہ مسئلہ ہے، جس پر ہماری جماعت احرار اسلام مصروفِ عمل ہے۔ میں دینی مدارس و معابد

دارالعلوموں اور مذہبی تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کا منکر نہیں۔ مگر ان تمام شعبوں کا بنیادی مسئلہ، تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ تبلیغ کا پہلا اور سب سے اہم شعبہ ہے۔ جس کا انکار قرآن و حدیث کے انکار اور بیخ کنی کے مترادف ہے۔

علماء صوفیاء اور مشائخ کو اغتباہ

ختم نبوت کے اسی اساسی عقیدہ میں اگر ذرہ بھر بھی فرق آجائے تو ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ میں دارالعلوم حقانیہ کے اس عظیم الشان، فقیہ المثل اجتماع میں علماء و مشائخ کے سامنے اپنے رنج و غم اور دکھ و درد کا بھرا ہوا پیغام سنانے آیا ہوں۔ فیضی کا شعر جو بچپن سے یاد ہے، بے دریغ زبان پر آیا:

یا با خبری از خود و از ہر دو جہان

یا بے خبری از خود و از ہر دو جہاں

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة

وان كنت تدري فإل مصيبة اعظم

محترم علماء کرام، معزز مشائخ عظام، گدی نشین حضرات! آپ کو کیا خبر؟ قادیانیت و مرزائیت کا خطرناک فتنہ کتنی تیزی اور قوت و اشتعال کے ساتھ ہمارے پاکستان میں پھیل رہا ہے۔ برطانیہ کے اس خود کاشتہ پودے کے سر پر اب بھی برطانیہ کا ہاتھ ہے۔ آپ اس فتنہ کو معمولی سمجھتے ہوئے اپنے درس و تدریس میں مصروف، صوفیائے کرام اور گوشہ نشین حضرات اپنے خلوت خانوں میں بیٹھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دنیا سے قطع تعلق اور کنارہ کشی کو اپنا منہ تھائے مقصود اور ذریعہ فلاح سمجھ بیٹھے ہیں۔

اے! ہم نے تو تبلیغ کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ میں اکیلا تو دعوت و ارشاد پر مامور نہیں بلکہ میں بھی ”رجل منکم“ ہوں۔

قادیانیت کے ایمان سوز جرائم

میرے محترم علماء کرام! آپ حضرات کو معلوم نہیں۔ قادیانی مبلغین پوری جسارت

اور دیدہ دلیری سے سادہ لوح، ان پڑھ مسلمانوں کو قادیانی بنا رہے ہیں۔ اگر بزرگان ملت اور علماء کرام، اس فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو قادیانیت کے ایمان سوز جراثیم تمام عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لے لیں گے۔

امیر شریعت نادرہ روزگار خطیب

ردّ قادیانیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے علماء حق کا ایک جم غفیر پیدا فرمادیا تھا۔ مگر شاہ جیؒ کو رب العالمین جل جلالہ نے قادیانیت کے شجرہ خبیثہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے جس نادرہ روزگار خطابت سے نوازا تھا۔ وہ انہی کا حق اور انہی کا طرہ امتیاز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و بیانات کو جس جاذبیت اور مقناطیسی کشش و اثر سے نوازا تھا، وہ کسی اور خطیب کی تقاریر میں نہیں تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے شیخ الاسلام مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، قطب العالم حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، زینت العارفین شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، یادگار اسلاف حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواسیؒ اور دیگر سینکڑوں اولیاء عباد الرحمنؒ، دن رات دعائیں کرتے تھے۔ وہ ہر باطل کے لئے ایک سیف مسلول تھے۔ ان کی ایک ہی تقریر دیگر علماء کرام کے کئی تقاریر پر کئی درجہ وزنی ہوتی تھی۔

یہ مژدہ جانفراء سن کر بہت خوشی ہوئی کہ شاہ جی کی جماعت کے مبلغ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے آپ کے سوانح و خطبات پر کتاب مرتب کی ہے۔ اور بندہ سے فرمائش کی کہ آپ کی حیات، خطابت اور عظیم الشان خدمات پر چند سطور تحریر کر دوں۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر یہ چند سطور تحریر کر دی ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع خلاق بنا کر ختم نبوت کے عظیم محاذ سمیت تمام محاذوں پر کام کرنے والے علماء کرام، مشائخ عظام، خطباء قوم اور دینی کارکنوں کے لئے مشعل راہ بنائے۔
(آمین ثم آمین)

شیر علی شاہ



www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

ماہنامہ ”بینات“ کراچی کا تبصرہ

مولانا سعید احمد جالپوری مدظلہ

برادر مکرم جناب مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی زید لطفہ کو اللہ تعالیٰ نے اکابر علماء دیوبند اور خصوصاً عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زعماء کے جہد و مجاہدہ، ایثار و قربانی، قومی، ملی خدمات اور مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کی لازوال خدمات پر مشتمل تاریخ، ان کے علوم و معارف، سوانحی خاکے اور خطبات مرتب کرنے کا خصوصی ذوق اور بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے، اس سے قبل جب ان کی تصنیف ”خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی“ ”سوانح و افکار“ سامنے آئی تو راقم الحروف نے ان سے عرض کیا کہ ترتیب الٹ گئی، اس کام کی ابتدا حضرت امیر شریعت کی سوانح سے ہونا چاہئے تھی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے انہوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کیا اور اس پر محنت شروع کر دی، جس کے نتیجہ میں آج پیش نظر کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت امیر شریعت قدس سرہ کی شخصیت اس قابل ہے کہ ان پر ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں مستقل ایک چیئر اور شعبہ ہونا چاہئے اور ان کی حیات و کردار، علمی، عملی کارناموں، قید و بند کی صعوبتوں، حق گوئی و بے باکی، انگریز دشمنی، منکرین ختم نبوت سے بغض و عداوت، صدیقی جذبہ اور فاروقی دبدبہ کے علاوہ ان کی نجی زندگی، ان کا زاہدانہ اور درویشانہ ذوق و مزاج، ملکی و ملی حالات پر دور اندیشی اور مسلمانوں کے دلوں پر حکمرانی کے راز اور دنیا بھر کے اہل علم کی نظروں میں محبوبیت کے اسباب کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھنا چاہئے، مگر

اے کاش! کہ ہم ٹکے ٹکے کے آدمیوں پر قومی و ملکی خزانہ برباد کرتے ہیں، لیکن مسلم امہ کے درخندہ تارے اور آفتاب و ماہتاب ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔

بہر حال مولانا شجاع آبادی اس واقع کارنامہ پر ہماری طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ پر اس سے پہلے بھی کام ہوا ہے مگر پیش نظر کتاب ماشاء اللہ کئی اعتبار سے اپنے سابقہ مجموعوں سے فائق ہے۔

اس کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، مضامین کی ترتیب یہ ہے۔

● **باب اول:** سیرت و سوانح

● **باب دوم:** منظوم خراج عقیدت

● **باب سوم:** مکتوبات

● **باب چہارم:** حضرت شاہ صاحبؒ کی شاعری اور شعر گوئی۔ کتاب ظاہری حسن

و رعنائی کے علاوہ باطنی خوبیوں سے مرصع ہے، بلاشبہ مصنف نے نہایت وارفتگی سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ چنانچہ پڑھنے بیٹھنے تو پڑھتے چلے جائے کے مصداق چھوڑنے کو جی نہیں کرتا۔ امید ہے اہل ذوق اس کی پذیرائی میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

ماہنامہ ”بینات“ کراچی

ذوالحجہ 1425 / فروری 2005ء



ہفت روزہ ”ندائے خلافت“ لاہور کا تبصرہ

(تبصرہ نگار: سید قاسم محمود)

یہ مارچ 1930ء کی بات ہے۔ لاہور میں انجمن خدام الدین کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اسٹیج پر مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا ظفر علی خان جیسے اکابرین تشریف فرما تھے۔ اُس وقت ایک 38 سالہ گھبرو جوان تقریر کر رہا تھا۔ تقریر بڑی جذباتی اور زوردار تھی۔ تقریر کے اثر سے ہر شخص ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ اس جذباتی فضا سے متاثر ہو کر مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ آج تم ایک عجیب تقریر سن رہے ہو اور رو رہے ہو۔ تمہارے رونے کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کل تم قہقہے لگا رہے ہو گے۔ اگر تمہارے آنسوؤں میں سچائی ہے تو آج ہی کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اُس کو اپنا امام بناؤ اور ابھی بناؤ، تاکہ سب اُس کی رہنمائی میں چلیں اور دین کے لئے کام کریں۔ اچانک مولانا ظفر علی خان آگے بڑھے اور کہا کہ میں اس مقصد کے لئے آج کے مقرر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ مولانا بخاری نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ یہاں مولانا محمد انور شاہ کشمیری تشریف فرما ہیں۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے۔ مولانا کشمیری نے فرمایا: میں ایک بوڑھا اور ضعیف آدمی ہوں۔ اس مقصد کے لئے عطاء اللہ شاہ بخاری ہی موزوں ہیں، اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، اور اپنی تقریر میں فرمایا کہ آج سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے، اس فتنے کے خلاف کام کرو۔ جلسے میں موجود تمام اکابر علما، اور حاضرین

نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھادیے۔ مولانا ظفر علی خان نے اپنی تقریر میں بار بار صاحب بیعت کو ”امیر شریعت“ کہہ کر پکارا۔ اُس دن سے لے کر اپنی رحلت تک لوگ انہیں ”امیر شریعت“ سمجھتے اور کہتے رہے۔ (اور آج بھی امیر شریعتؒ آپ کے نام کا حصہ شمار ہوتا ہے)

زیر نظر کتاب امیر شریعت کے سوانح و افکار پر ایک جامع تحقیق ہے اور آغا شورش کاشمیری کی تالیف سے آگے بڑھ گئی ہے۔ آغا جی کی تالیف میں اُن کے اپنے تاثرات اور ذاتی یادوں کا بیان تھا۔ مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی اس تالیف میں حقائق و معلومات زیادہ ہیں۔ کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے۔

● پہلا باب امیر شریعتؒ کے سوانح کے لئے وقف ہے (از 23 ستمبر 1892ء تا 22 اگست 1961ء) اُن کے خانگی حالات کے ساتھ ساتھ ملی و قومی تحریکات میں اُن کی فعال شرکت کا حال پوری جزئیات کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ تحریک کشمیر، تحریک ہجرت، تحریک عدم تعاون، تحریک مدح صحابہ، تحریک خلافت، مجلس احرار اسلام کے قیام اور خصوصاً تحریک ختم نبوت میں اُن کی جاندار سرگرمیوں کا احوال لطف اندوزی سے پیش کیا گیا ہے۔

● دوسرے باب میں اُن کے انتقال پر شاعروں نے جو منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا تھا، اُس کا انتخاب ہے اور اس ضمن میں شورش کاشمیری، عبدالحمید عدم، احسان دانش، حبیب جالب، حفیظ تائب اور عبدالکریم شمر اور ساغر صدیقی جیسے بڑے شاعروں کی مرثیہ نما نظمیں شامل کی گئی ہیں۔

● 7 جولائی 1927ء کو لاہور میں مہاشہ راجپال کی کتاب (خاکم بدھن) ”رنگیلار رسول“ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک بڑا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ جس سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعتؒ نے فرمایا:

”آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ اور اُم المؤمنین خدیجہ الکبریٰ آئیں اور فرمایا، ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں (پھر ایک زبردست کروٹ کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ جلسہ ہل گیا)..... ارے دیکھو!

تو!..... اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں (جلے میں کہرام مچ گیا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) دیکھو..... دیکھو! سبز گنبد میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ عائشہؓ پریشان ہیں۔ اُم المؤمنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں..... عائشہؓ پکارتی ہیں..... وہی عائشہؓ..... جنہاں رسول اللہ ﷺ پیار سے حمیرا کہا کرتے تھے..... جنہوں نے رسول کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی..... اُس کے ناموس پر قربان ہو جاؤ..... سچے بیٹے ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں۔“

اس باب میں مختلف موضوعات پر شاہ صاحبؒ کے سینکڑوں تاریخی خطبات کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک بڑا عبرت آمیز ہے۔

● تیسرے باب میں بعض مشاہیر قوم کے نام شاہ صاحبؒ کے مکتوبات کا متن دیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر شریعتؒ شاعر بھی تھے۔

☆ چوتھے باب میں اُن کے بڑے فرزند مولانا ابو ذر بخاری کی کتاب سوا طع الہام میں علامہ طالبؒ نے اُن کی سخن فہمی اور سخن شناسی کا تجزیہ پیش کیا ہے شامل ہے۔ کتاب کے مؤلف مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی جو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم تبلیغ ہیں۔

کتاب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت (حضورِ باغ روڈ، ملتان) اور مکتبہ ختم نبوت کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

”ندائے خلافت“ لاہور

☆ 22 دسمبر 9 ذی قعدہ ☆



ماہنامہ ”لولاک“ ملتان کا تبصرہ

زیر تبصرہ کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سوانح و افکار جو تقریباً پانچ سو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے۔ جس میں کچھ اضافہ جات اور کچھ ترمیمیں کی گئی ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں خطبات بھی شامل تھے۔ جنہیں اس ایڈیشن سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

کتاب کی کتابت، طباعت، جلد عمدہ ہیں۔

مکتبہ ختم نبوت ۳۸ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ادارہ تالیفات ختم نبوت اردو بازار لاہور اور مکتبہ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان نے مل کر شائع کی ہے۔

کتاب پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور قاری اپنے آپ کو شاہ جیؒ کی مجلس میں حاضر محسوس کرتا ہے۔ شاہ جیؒ جیسی شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ اور صدیوں اپنے انقلابی افکار کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ شاہ جیؒ پر چھوٹی بڑی اٹھارہ کتب لکھی گئیں۔ اور پندرہ رسائل و جرائد نے مختلف اوقات میں خصوصی نمبر شائع کئے۔

اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی زید مجدہؒ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا کتب اور رسائل میں غوطہ زنی کر کے ایک شاندار مجموعہ ترتیب دے کر قوم کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ پاک ان کی سعی و کوشش کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے خدام ختم نبوت کے لئے اس مجموعہ کو مشعل راہ بنائے۔

(آمین ثم آمین بحرمة سید العالمین)

ماہنامہ ”لولاک“ ملتان جنوری ۲۰۰۸ء



تبصرہ روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور

(تبصرہ نگار: شیخ حفیظ الرحمن قریشی)

● مجاہد ختم نبوت اور تحریک کے زعماء کے سوانح نگار مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کی نئی تالیف، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ چھپ گئی ہے۔ جسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضورؐ باغ روڈ ملتان نے شائع کیا ہے۔ کتاب کو مکتبہ ختم نبوت 38- غزنی سریٹ اردو بازار لاہور اور مکتبہ ختم نبوت لاہور کی دوسری شاخ مکتبہ ختم نبوت حضورؐ باغ روڈ ملتان سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔
امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پٹنہ میں 23 ستمبر 1892ء کو پیدا ہوئے اور 21 اگست 1961ء کو ملتان میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔

آپ بیسویں صدی کے برصغیر کے نامور عالم دین، بے مثال خطیب قادر الکلام شاعر اور ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو بیسویں صدی کے دجال کے دجل و فریب کے جال سے بچانے اور فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے ایک عظیم الشان تحریک برپا کی۔ آپ کے مجاہدانہ کارناموں نے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لئے داستان عزیمت کی یاد تازہ کر دی۔ زیر نظر کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی حیات و سوانح افکار پر ایک انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا گیا۔ یہ تالیف پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔

● **پہلا باب:** سوانح و سیرت پر مبنی ہے۔ یوں تو تمام ابواب قدر و قیمت میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں مگر اس باب میں سینکڑوں نادر جواہر ریزے جمع کر دیئے گئے ہیں۔

- دوسرا باب : منظوم خراج تحسین۔
- تیسرا باب : مکتوبات سے متعلق ہے۔
- چوتھا باب : اور آخری باب میں نامور ادیب، شاعر اور صاحب قلم علامہ طالوت نے حضرت امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شعر گوئی اور سخن منہی پر مبسوط اور فاضلانہ تبصرہ کیا ہے۔ یہ باب بھی حضرت شاہ جیؒ کے بارے میں ایک انکشاف ہے۔ کیونکہ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ امیر شریعتؒ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے..... بالمشہد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر یہ کتاب اس دلانہ ویز ذخیرے میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس کتاب کو مکمل کرنے کے بعد قاری آپ کو سچ مچ اپنے سامنے زندہ جاوید پاتا ہے۔

”سندے میگزین نوائے وقت“

☆ 9 جنوری 2005ء ☆



عرض مرتب

خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی سوانح حیات پر مختلف دینی رسائل نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس مبارک سلسلہ کا آغاز اگر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کیا جاتا۔ تو بہت ہی اچھا ہوتا بندہ نے نہ تو شاہ جیؒ کی زیارت کی اور نہ ہی سنا۔ اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ شاہ جیؒ پر قلم اٹھاؤں۔ ویسے بھی شاہ جیؒ پر ان کے رفقاء معاصرین اور صاحبزادگان نے لکھا اور خوب لکھا۔ اور شاہ جیؒ کی سیرت و سوانح پر کئی ایک کتب مارکیٹ میں موجود بھی ہیں۔ میرے ایک بہت ہی پیارے دوست مولانا عبدالرحمن جامی جلال پور پیر والا سے جب بھی ملاقات ہوتی تو انہوں نے تقاضا کیا۔ کہ شاہ جیؒ پر ایسی کتاب مرتب کی جائے۔ جس میں حالات زندگی کے علاوہ خطبات بھی شامل ہوں نیز انہوں نے اپنی لائبریری میں موجود تمام کتب بھی بھجوا دیں۔

2004ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تیسرے امیر مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے خطبات کی ترتیب اور اشاعت کی اللہ پاک نے توفیق دی۔ جس میں خطبات کے علاوہ ایک باب سوانحی خاکہ پر بھی مشتمل تھا۔ تو احباب کا تقاضا بڑھا کہ ترتیب کے خلاف نہ چلیں۔ مجلس کے امراء کی ترتیب کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ جیؒ کے خطبات اور سوانح پر بھی ضرور کام کریں۔ احباب کے تقاضا کے جواب میں بندہ وہی عذر دھراتا رہا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پانچویں امیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے خطبات، مقالات پر کام شروع کیا الحمد للہ ایک ضیفم مجموعہ تیار ہو گیا۔ تو اس کی طباعت سے پہلے

داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت بنوری پر کتاب شائع کرنے سے پہلے شاہ جی پر کتاب آنی چاہئے۔ اس پر محنت شروع کی تو الحمد للہ ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا۔ تو اب کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہوگی۔

باب اول: سیرت و سوانح اور اس کے ذیل میں کئی عنوانات ہوں گے۔

باب دوم: منظوم خراج تحسین

باب سوم: مکتوبات اس ضمن میں آج تک دستیاب ہونے والے تمام خطوط شامل ہیں۔

باب چہارم: شاعری اس باب میں آپ کی شعر گوئی اور سخن فہمی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

جو ملک کے نامور ادیب، شاعر اور صاحب قلم جناب علامہ طالوت کے قلم سے ہے۔

اظہار تشکر و امتنان

میں شکر گزار ہوں منظر ختم نبوت مولانا خدا بخش صاحب، مولانا عبدالرحمن جامی صاحب جلال پور پیر والہ مجلس کے بزرگ مبلغ مولانا بشیر احمد صاحب، ماسٹر عزیز الرحمن رحمانی عزیزم مولانا ثناء اللہ سعد صاحب، عزیزم قاری ابو بکر صدیق، عزیزم عمر فاروق عزیزم عثمان غنی، عزیزم حافظ سیف اللہ، عزیزم قاری علی حیدر، عزیزم قاری محمد بلال مکی، اور تمام رفقاء کا جن کے مشوروں اور تعاون سے یہ مجموعہ اشاعت پذیر ہوا۔ اللہ پاک ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

محمد اسماعیل شجاع آبادی

ناظم تبلیغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضور باغ روڈ ملتان

22-8-2004

موبائل نمبر: 0300-6347103



مقدمہ ایڈیشن سوم

آج سے دو سال پہلے ”سید عطاء اللہ شاہ بخاری“ سوانح و افکار“ شائع ہوئی۔ جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات زندگی میں سے چیدہ چیدہ حالات کو ذکر کیا گیا۔ نیز شاہ صاحبؒ کے دستیاب خطبات بھی یکجا کر دیئے گئے۔ جس سے کتاب کی ضخامت بڑھ گئی۔

تو ضرورت محسوس کی گئی کہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پہلا حصہ سوانح و افکار پر مشتمل ہو۔ دوسرا حصہ خطبات پر۔ چنانچہ کتاب کو نئے سرے سے پڑھا گیا۔ اور تصحیح کی گئی۔ کچھ امور کا اضافہ اور کچھ سطور کم کی گئیں۔ چنانچہ معمولی حذف و اضافہ کے ساتھ تیسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔ جسے نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

❖ **باب اول:** سوانح و سیرت

❖ **باب دوم:** پاکستان اور شاہجہاںی

❖ **باب سوم:** مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام میں بنیادی کردار

❖ **باب چہارم:** تحریک پاکستان 1953ء میں قائدانہ کردار

❖ **باب پنجم:** علالت اور وفات

❖ **باب ششم:** امیر شریعت پر ہونے والا تحریری کام

❖ **باب ہفتم:** منظوم خراج تحسین

❖ **باب ہشتم:** مکتوبات

❖ **باب نہم:** شاہجہاںی کی شاعری

1۔ جو مواد جہاں سے لیا گیا۔ حوالہ اور مضمون نگار کا نام بھی دیا گیا۔ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

- ملن ہے بعض مقامات پر حوالہ صحیح نہ آ سکا ہو۔ البتہ کوشش بھرپور کی گئی۔
- 2- حوالہ درج کرنے میں تحریف یا تدلیس سے کام نہیں لیا گیا۔
- 3- مجلس تحفظ ختم نبوت کی ابتدائی تشکیل 1949ء میں ہوئی اور باضابطہ انتخاب 1954ء میں ابتدائی تشکیل جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاریؒ کے جاری کردہ ”الاحرار“ اور شاعر انقلاب مرزا غلام نبی جانباڑ کی مصنفہ ”حیات امیر شریعت“ کے حوالہ سے دی گئی۔ اور ایسے ہی منیر انکوائری رپورٹ میں 1953ء میں تحریک میں شامل تنظیموں کے نام میں مجلس عمل (جاری کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت) کا نام موجود ہے۔ نیز مشہور احراری سرکار مولانا مجاہد الحسنی زید مجدہ نے اپنی تاریخ علماء دیوبند میں 1953ء کی تحریک میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا بار بار نام لیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مجلس کا قیام 1953ء سے پہلے معرض وجود میں آچکا تھا۔
- 4- تبصرہ نگاروں کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے حذف و اضافہ کا عمل کیا گیا ہے۔ امیدیکہ قارئین کرام اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے۔
- 5- ناسیاسی ہوگی کہ رفقاء محترم مبلغین عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا مدظلہ، مولانا بشیر احمد، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد، مولانا قاضی احسان احمد لڑاچی، مولانا عبدالعظیم نعمانی چیچہ وطنی، مولانا محمد قاسم رحمانی بہاولنگر، مولانا محمد اسحاق ساقی، مولانا عبدالستار حیدری لیہ، حاجی محمد طفیل جاوید، قاری حفیظ اللہ منیر ماہنامہ ”لولاک“ ملتان کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے تعاون، مشاورت، سے تیسرا ایڈیشن پیش کرنے کے قابل ہوا۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اور بندہ کی مغفرت اور صاحب سوانح و افکار کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔



شاہ جیؒ نے ایک واقعہ سنایا

مولانا تاج محمودؒ فرماتے ہیں:

شاہ جیؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی کا ایک واقعہ سنا رہے تھے۔ کہ ایک دفعہ انہوں نے آریوں سے کلکتہ میں مناظرہ کیا تھا۔ مرزائی کہتے ہیں۔ کہ اس مناظرے میں شرط یہ تھی۔ کہ اگر آریہ پنڈت ہار جائے تو کل آریوں کو مسلمان ہونا ہوگا۔ اور اگر مرزا صاحب ہار جائیں تو کل ہندوستان کے مسلمانوں کو آریہ ہونا پڑے گا۔

مرزا غلام احمد اس مناظرے میں جیت گئے اور اس طرح ہندوستان کے کروڑوں مسلمان آریہ ہونے سے بچ گئے۔ شاہ جیؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں اس مفروضے کو تسلیم ہی نہیں کرتا کہ آریہ پنڈت کے ہار جانے سے کسی آریہ نے مسلمان ہو جانا تھا۔ یا مرزا غلام احمد کے ہار جانے سے کسی مسلمان نے آریہ ہو جانا تھا۔ کوئی مسلمان مرزا صاحب کی ہار جیت کے ساتھ اپنا ایمان باندھے ہوئے نہ تھا۔ لیکن اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ مرزا صاحب کے ہارنے سے چند مسلمان آریہ ہو جاتے۔ اور مرزا صاحب کا احسان ہوا کہ وہ مناظرہ جیت کر ان کا ایمان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو آخر یہی ہونا کہ آریہ سے چند مسلمانوں کو بچایا اور خود سینکڑوں مسلمانوں کو بے ایمان بنا کر مرتد کر دیا۔

سعدی کی دلچسپ کہانی

شاہ جیؒ نے گلستان سعدی کی ایک حکایت سنائی کہ سعدی ایک دفعہ سیر و سیاحت میں تھے کہ فرنگیوں نے انہیں قیدی بنالیا۔ اور ان سے بیگار لینا شروع کر دی۔ اس علاقہ کے ایک مسلمان نواب جو انگریزوں کے ٹوڈی تھے۔ اور سعدی کے علم و فضل سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہاں کے گورنر سے ملے اور ان سے عرض کیا کہ سعدی دنیائے اسلام کا عظیم ادیب اور شاعر ہے۔ آپ کی قید میں ہے اور مٹی گارے کے کام میں مزدوروں کے ہمراہ ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ گورنر نے دس روپے جرمانہ کر دیا۔ جو نواب نے ادا کر دیا اور سعدی کو اپنے ساتھ لے آئے۔ نہ پایا، دھلایا، نہ کپڑے دیئے، گھر میں رہنے کو جگہ دی۔

کچھ دنوں بعد اپنی ایک لڑکی کی شادی ایک سو روپیہ حق مہر کے بدلے شیخ سعدی سے کر دی۔ لڑکی نوابزادی تھی اور سعدی ایک درویش اور شاعر تھا۔ ان کا آپس میں جوڑ نہ بیٹھا لڑائی بھڑائی ہونے لگی۔ ایک روز وہ عورت سعدی کو طعنہ دیتے ہوئے کہنے لگی۔ چل بے چل تو وہی تو ہے جسے میرا باپ دس روپے کے بدلے خرید کر لایا تھا۔ اس پر سعدی نے فرمایا ہاں بیگم وہی ہوں جسے تیرا باپ دس روپے میں خرید کر لایا تھا۔ لیکن سو روپے کے بدلے آگے تیرے ہاتھ میں فروخت کر ڈالا۔

پھر شاہ جیؒ نے ترنم سے سعدی کی یہ رباعی پڑھی۔

شنیدم گو سفندے را بزرگے
رہانیداز دہاں دوست گرگے
شبانگہ کار دہاں حلقش بنا لید
روزے گو سفند از وے بنالید
کہ از چنگال در بودی
چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

شعروں کا ترجمہ اور مرزا غلام احمد

ان شعروں کو شاہ جیؒ نے مرزا غلام احمد پر فٹ کیا۔ اور ان کا ترجمہ کیا کہ ایک بزرگ رات کو اٹھے کہیں بھیڑ کے بچے کو بھیڑیا لئے جا رہا تھا۔ انہوں نے پتھر پھینکا اور اسے چھڑا لیا۔ گھر لے آئے بہت پیار کیا۔ گھاس دانہ ڈالا۔ بھیڑ کے بچے نے سمجھا کہ یہ بزرگ مجھے کوئی فرشتہ مل گیا۔ لیکن اگلی رات کو بوڑھے نے بھیڑ کے بچے کو گرا کر تیز چھری سے اُسے ذبح کر ڈالا۔ بھیڑ کے بچے کی روح نے فریاد کی کہ اے بابا تو نے مجھے بھیڑیے کے بچے سے تو چھڑا لیا تھا۔ لیکن جب میں نے انجام کار دیکھا۔ تو خود میرے لئے بھیڑیا بن گیا۔

فرمایا ٹھیک ہے مرزا صاحب نے چند مسلمانوں کے ایمان آریوں سے بچائے ہوں گے۔ لیکن انجام کار خود ہزاروں مسلمانوں کو مرتد کر کے بے ایمان کر دیا ہے۔

باب اول

سوانح وافکار



www.ahlehaq.org

شاہ جی! ایک نظر میں

- ☆ 1892ء 23 ستمبر سید ضیاء الدین احمد کے ہاں پٹنہ میں پیدائش۔
- ☆ 1896ء والدہ محترمہ کی وفات۔
- ☆ 1906ء پنجاب پہلی دفعہ آمد۔ 1911ء دوسری دفعہ آمد
- ☆ 1914ء امرتسر میں قیام کی ابتداء
- ☆ 1914ء امرتسر کے ناگزریاں واپسی اور شادی
- ☆ 1916ء خطابتی زندگی کا آغاز
- ☆ 1916ء جلیانوالہ باغ کے حادثہ سے متاثر ہو کر سیاست میں ورود
- ☆ 1919ء کوچہ جیل خانہ امرتسر کے عوام مولانا غلام مصطفیٰ سے شاہ صاحب کو اپنی مسجد کے لئے لے گئے۔
- ☆ 1919ء گول باغ امرتسر میں مولانا شوکت علی کی زیر صدارت خلافت کانفرنس میں پہلی تقریر۔
- ☆ فروری 1921ء کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں پہلی مرتبہ شرکت اور خطاب
- ☆ 14 مارچ 1921ء رہائی۔
- ☆ 1923ء شدھی و سنگھٹن تحریک کے خلاف مہم کا آغاز
- ☆ 26 ستمبر 1924ء اتحاد کانفرنس دہلی میں شرکت
- ☆ 1925ء مرزا ایت کے خلاف امرتسر کے مولانا داؤد ابن نور محمد کے فتویٰ پر دستخط
- ☆ 1927ء تحریک انسداد فتنہ راجپال

- ☆ 4 جولائی 1927ء شاہ محمد غوث کے احاطہ (لاہور) میں شاتم رسول پر حرکت
الآراء خطاب
- ☆ 6 جولائی 1927ء تحریک انسداد فتنہ راجپال کے سلسلہ میں گرفتاری۔
- ☆ 1928ء امرتسر کے نام نہاد پر کرم شاہ کے خلاف مہم کا آغاز اور ایک ہی تقریر سے
اس کا فرار۔
- ☆ 6 اپریل 1929ء شاہ صاحب کی تقریر سے متاثر ہو کر غازی علم الدین شہید نے
مہاشہ راجپال کو قتل کر دیا۔
- ☆ 1929ء ڈیرہ غازی خان میں سردار احمد خاں پٹائی کی درخواست پر جاہلانہ رسوم
کے خلاف مہم کا آغاز جو تازیت جاری رہا۔
- ☆ 29 ستمبر 1929ء چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمن، مولانا ظفر علی خاں،
خواجہ عبدالرحمن غازی کی سرکردگی میں شاہ جی کی زیر صدارت آل انڈیا مجلس احرار
اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔
- ☆ مارچ 1930ء انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں علامہ انور شاہ کاشمیری
کی تحریک پر ہندوستان کے پانچ 500 صد علماء نے متفقہ طور پر امیر شریعت منتخب کیا۔
- ☆ 3 مئی 1930ء امر وہہ (مراد آباد، یوپی) میں جمعیت علماء ہند کے سالانہ اجلاس
میں سولہ گھنٹے کا مسلسل خطاب۔
- ☆ 30 اگست 1930ء دیناج پور (مشرقی پنجاب) سے تحریک حقوق خود اختیاری
کے سلسلے میں گرفتاری۔
- ☆ 1931ء مرزاہیت کے تعاقب کا آغاز۔
- ☆ 21 اپریل 1931ء دیناج پور جیل سے رہائی۔
- ☆ جولائی 1931ء حبیبیہ ہال لاہور میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی زیر
صدارت مجلس احرار کی پہلی کانفرنس میں شرکت اور خطاب۔
- ☆ 10 اگست 1931ء مولانا حبیب الرحمن کے ہمراہ گاندھی سے ملاقات۔

- ☆ اکتوبر 1931 تحریک کشمیر کا آغاز۔
- ☆ 1931 تحریک کشمیر کے سلسلہ میں دہلی سے گرفتاری۔
- ☆ 1933، کپورتھلہ ایجنسی میں۔
- ☆ مئی 1931، مدرسہ عربیہ شجاع آباد میں دورانِ تقریر پان میں زہر ملا کر ہلاک کرنے کی ناکام کوشش۔
- ☆ مارچ 1934، قادیان میں مجلس احرار کا قیام۔
- ☆ 1934، 24، 25، 26 اکتوبر قادیان میں امیر شریعت احرار تبلیغ کانفرنس کا انعقاد اور خطاب۔
- ☆ نومبر 1934، ڈیرہ دون ضلع سہارن پور سے گرفتاری۔
- ☆ 3 مئی 1935، کوئٹہ کا قیامت خیز زلزلہ جس میں احرار رضا کاروں نے ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دیں۔
- ☆ 6 جون 1935، گورداس پور کے سیشن جج نے اختتامِ عدالت قید کی سزا سنائی۔
- ☆ 1935، قتل کی چوتھی سازش ناکام
- ☆ 1935، گورداس پور سے رہائی۔
- ☆ 6 دسمبر 1935، قادیان میں نماز جمعہ پڑھنے کی بنا پر گرفتاری۔
- ☆ 1936، تحریک مدح صحابہؓ۔
- ☆ 23 اکتوبر 1936، اچھوت کانفرنس لاہور کی صدارت اور خطاب۔
- ☆ 10 جولائی 1937، لکھنؤ کی کانگریس حکومت کے خلاف سول نافرمانی کا اعلان۔
- ☆ 1936، تحریک فلسطین۔
- ☆ 1938، 22، 23 اکتوبر ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس قصور میں شرکت اور خطاب۔
- ☆ 1939، احرار کانفرنس بمبئی۔
- ☆ اگست 1939، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے ہمراہ دورہ میانوالی کے لئے روانگی
- ☆ ستمبر 1939، دورانِ سفر قصبہ شہر سلطان سے واپسی

- ☆ 13 ستمبر 1939، فوجی بھرتی کے علم پر غور کرنے کے لئے امرتسر میں احرار کی ہائی کمان کے اجلاس میں شرکت۔
- ☆ 28 جون 1939، تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کے سلسلہ میں لالہ موسیٰ سے گرفتاری۔
- ☆ 12.11 جولائی 1941، احرار صوبائی کانفرنس سیالکوٹ۔
- ☆ 23 جولائی 1934، یوم تحفظ قرآن منایا گیا۔
- ☆ 24 ستمبر 1943، حج پر پابندی کے خلاف احتجاج۔
- ☆ 1943، قرارداد حکومت الہیہ
- ☆ ستمبر 1943، قحط بنگال کے متاثرین کے لئے احرار ریلیف فنڈ کا قیام
- ☆ 1946، صوبہ بہار میں مسلمانوں کا قتل عام امیر احرار نے تین امدادی قافلے روانہ کئے۔
- ☆ 1946، انتخابات میں احرار کی شکست۔
- ☆ 1946، اہل خانہ کے ہمراہ امیر شریعت قیام کے لئے کشمیر روانہ ہو گئے۔
- ☆ 27 مارچ 1946، مجلس احرار اسلام کے اجلاس شرکت کے لئے دہلی روانگی۔
- ☆ 30 مارچ 1946، جمعیت علماء ہند کے راہنماؤں سے مذاکرات۔
- ☆ 26 اپریل 1946، اردو پارک دہلی میں دہلی کی آخری تقریر۔
- ☆ جون 1946، کانگریس کی طرف سے مجلس احرار کو عبوری حکومت میں شرکت کی دعوت۔
- ☆ 19 مارچ 1946، ”بریدے ہال“ لاہور میں مجلس احرار اور پنجاب سوشلسٹ پارٹی کا مشترکہ اجلاس۔
- ☆ 22 مارچ 1947، مجلس احرار کی جنرل کونسل کالاہور میں اجلاس۔
- ☆ مارچ 1947، لاہور میں آمد و قیام۔
- ☆ 1947، احرار آزاد امدادی فنڈ کا قیام۔
- ☆ 3 جون 1947، وائسرائے کی طرف سے تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان۔
- ☆ 14 اگست 1947، فرنگی سامراج پاک سرزمین پاک سرزمین سے ہمیشہ کے لئے نابود ہو گیا۔

- ☆ اگست 1947ء لاہور سے خانگڑھ روانگی اور نوابزادہ نصر اللہ خاں کے ہاں قیام
- ☆ 24 دسمبر 1947ء ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام پالیسی خط۔
- ☆ اپریل 1947ء خانگڑھ سے ملتان روانگی اور کرانے کے مکان میں قیام (تازلیت)
- ☆ 1949ء ایک قرارداد کے ذریعے احرار کی سیاسی حیثیت ختم کر دی اور مسلم لیگ سے تعاون کا فیصلہ کر لیا گیا۔
- ☆ 9 مئی 1951ء برکت علی محمدن ہال لاہور میں منعقدہ کنونشن میں شرکت۔ جو بعد ازاں تحریک ختم نبوت 1953ء کی بنیاد بنا۔
- ☆ 1951ء ٹاگڑیاں ضلع گجرات میں والد محترم کا انتقال۔
- ☆ 26 مئی 1952ء شہدائے ملتان کو خراج عقیدت۔
- ☆ 2 جون 1952ء آل مسلم پارٹیز کنونشن کراچی۔
- ☆ 13 جولائی 1952ء برکت علی ہال لاہور میں آل مسلم پارٹیز بینک
- ☆ دسمبر 1952ء مجلس احرار اسلام کو غیر قانونی جماعت قرار دیا گیا۔
- ☆ فروری 1953ء تحریک راست اقدام۔
- ☆ 22 فروری 1953ء آرام باغ کراچی میں پہلا خطاب و رہاۃ تم نبوت ا۔
- ☆ 28 فروری 1953ء کراچی سے گرفتاری۔
- ☆ 27 اپریل 1953ء کراچی جیل سے بمبہ احباب سکھر جیل منتقلی۔
- ☆ 19 جون 1953ء گورنر پنجاب نے واقعات کی تحقیقات کے لیے آرڈی نینس نمبر 3 جاری کیا گیا جس کے تحت تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی۔
- ☆ یکم جولائی 1953ء تحقیقاتی عدالت نے اپنے کام کا آغاز کیا۔
- ☆ 25 جولائی 1953ء سکھر جیل سے لاہور سنٹر جیل منتقلی۔
- ☆ فروری 1954ء لاہور سنٹرل جیل سے رہائی۔
- ☆ 13 ستمبر 1954ء مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی۔ آپ سید امیر منتخب ہوئے۔
- ☆ 16 نومبر 1954ء دوران وضو انگلی پر فاج کا حملہ جو ”لانی بعدہ“ کے دم سے

ٹھیک ہو گیا۔

☆ دسمبر 1954ء حاجی دین محمد لاہور کی طرف سے حج بیت اللہ کی دعوت۔

☆ 1955ء اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ ”سوا طع الالہام“ شائع ہوا۔

☆ 14 جون 1955ء مجلس تحفظ ختم نبوت کے سالانہ اجلاس (فیصل آباد) میں

شرکت اور خطاب

☆ 14 ستمبر 1955ء ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان کے سامنے حاضری۔

☆ 19 مارچ 1956ء درمیانی شب کو جلالپور پیر والہ ضلع ملتان سے ایک تقریر کی بنا پر

گرفتاری۔

☆ 14 اپریل 1956ء خانیوال کی ایک تقریر کی بنا پر ملتان سے گرفتاری۔

☆ جولائی 1956ء ملتان کی میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔

☆ 3 جولائی 1956ء ”نوائے پاکستان“ لاہور (اخبار) کے لیے پیغام۔

☆ 11 جولائی 1956ء ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت نے امیر شریعت پر سے تمام

پابندیاں اٹھالیں۔

☆ اگست 1956ء بغرض علانج لاہور آمد اور حاجی دین محمد کے باپ قیام

☆ 13 نومبر 1956ء لاہور سے ملتان واپسی۔

☆ 27 اگست 1957ء کنڈاسر گانہ (ملتان) میں شیعہ سنی فسادات کے موضوع پر

خطاب پر ملال۔

☆ (مئی 1959ء صدر سکندر مرزا کی طرف سے ملاقات کی خواہش کا اظہار

☆ 1959ء انٹرنیشنل سیلفی مشن (الندن) کی طرف سے دور دندانہ دعوت۔

☆ 1 جنوری 1961ء فوج کا دوسرا شدید حملہ

☆ رجب 1961ء فوج کا تیسرا شدید حملہ اور نشتر میڈیکل کالج ملتان کے ہسپتال میں

بے دخلی۔

☆ جون 1961ء دوبارہ لاہور بغرض علانج آمد۔

21 اگست 1961ء شام چھ بج کر پچاس منٹ پر ورچ قفس منبری سے پرواز کر گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

22 اگست 1961ء بڑے صاحبزادہ سید ابو معاویہ ابو ذر حافظ عطاء اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ملتان ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔



www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

حضرت شاہ صاحب کا خاندان

آپ حضرت سیدنا حسن رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں۔ چھتیسویں (36) پشت میں ان سے ملتے ہیں۔ آپ کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی آپ کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے اجداد بخارا سے کشمیر آئے کشمیر سے پنجاب میں وارد ہوئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا زمانہ تھا۔ ضلع گجرات کے ایک گاؤں سرہالی میں مقیم تھے۔ کاروباری سلسلہ میں دہلی اور پٹنہ آیا جایا کرتے۔ جب پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کے دادا حضرت سید نور الدین احمد بخاریؒ اس گاؤں سے چلے آئے اور ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں میں مقیم ہو گئے۔ ان کے فرزند اور حضرت شاہ صاحب کے والد ضیاء الدین احمد بخاری پشینہ کا کاروبار کرتے تھے اس سلسلہ میں پٹنہ جاتے اور ایک حکیم صاحب کے ہاں ٹھہرتے جن کا نام حکیم سید احمد اندرابی تھا نے آپ کے والد محترم کی شرافت اور اخلاق سے متاثر ہو کر اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا۔ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ اندرابی حضرت خولجہ باقی باللہ کی نواسی تھیں۔ حضرت خولجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی کے پیرومرشد تھے۔ اب حضرت شاہ صاحب کے والد وہیں رہنے لگ گئے۔

شاہ جی کی پیدائش

1 ربیع الاول 1380ھ 1891 عیسوی جمعہ کے دن نور کے تڑکے حضرت شاہ صاحب پٹنہ میں پیدا ہوئے دھبیال کی طرف سے آپ کا نام عطا، اللہ شاہ بخاریؒ اور ننھیال کی طرف سے آپ کا نام شرف الدین احمد رکھا گیا۔ مگر ابھی عمر چار برس کی تھی کہ والدہ کا سایہ سر

سے اٹھ گیا۔ اور آپ کو نانائانی نے اپنی لڑکی کی یادگار کے طور پر پالا پوسا اور گھر ہی میں پڑھایا۔ یہاں تک کہ نانائی کا بھی انتقال ہو گیا۔

تعلیم و تعلم

اب شاہ صاحب کا آغاز شباب تھا آپ نے پنجاب کا رخ کیا اور آخر کار امرتسر آ کر ٹھہر گئے۔ یہاں کے علماء سے درسی کتابیں پڑھیں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے فقہ، جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی و مہتمم مفتی محمد حسن امرتسری سے حدیث اور مولانا نور احمد سے تفسیر پڑھی اور مولانا حبیب الرحمن مکی سے بخاری شریف کا درس لیا۔¹

سلطان عبدالحمید ترک کی بیٹی کے بچوں کے اتالیق قاری سید عمر عاصم عرب کسی وجہ سے پٹنہ آئے اور مسجد خواجہ غنیمت میں قرآن پاک کا درس دینے لگے۔ قدرت نے انہیں لحن داؤدی سے نوازا تھا۔ شاہ جی کی روایت کے مطابق جب وہ قرآن پاک پڑھتے تو ہندو مرد، عورتیں اور بچے ان کی خوش آوازی سے لطف اندوز ہوتے۔ شاہ جی نے ان سے قرآن پاک کی تصحیح کی۔ اور ایک مسجد کے امام ہو گئے۔ رسوم و بدعات کے خلاف تبلیغ فرماتے رہے۔ عالم و حافظ تھے۔ خوب رو جوان تھے۔ اس پر خوش آوازی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ قرآن پڑھتے تو سننے والے مسحور ہو جاتے۔ اتنے میں ہندوستان میں تحریک خلافت شروع ہو گئی۔ شاہ جی نے اپنی سیاسی و خطابتی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔

سیاسی دور کا آغاز

اس تحریک نے حضرت شاہ صاحب کے دل و دماغ کو اتنا متاثر کیا کہ فرنگی اقتدار کی مخالفت اور اس کے خود کاشتہ پودوں کا استیصال ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ چند دنوں میں آپ علاقہ بھر کے کیا ملک کے مقبول راہنما بن گئے۔ علماء اور سیاسی طبقہ میں بڑا رسوخ حاصل کیا۔ مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے بلند پایہ خطیبوں کو آپ کی خطابت کا لوہا ماننا پڑا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب کی

مومنانہ نگاہوں نے بھی آپ کو تاک لیا۔ یہاں سے آپ کی اعلیٰ قومی زندگی اور سیاسی دور کا آغاز ہوتا ہے۔ والد صاحب اور دیگر اعزہ و اقارب تو ناگڑیاں ہی میں رہے مگر شاہ صاحب کی اب مستقل سکونت امرتسر میں تھی۔ انقلاب سے پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے تھے۔ پھر مستقل سکونت ملتان میں اختیار فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب نے پورا زور لگایا کہ والد صاحب بھی ملتان تشریف لے آئیں۔ مگر انہوں نے فرمایا۔ میں نے جہاں قرآن پاک کے ایک ہزار ختم کئے ہیں۔ وہیں مروں گا۔

مجلس احرار اسلام کا قیام

کانگریس انیسویں صدی کے آخر میں ایک انگریز کے پروگرام کے مطابق قائم ہوئی۔ ابتداء میں اس کا پروگرام بڑا محدود تھا۔ لیکن اب وہی کانگریس ملک پر چھا چکی تھی۔ اور اس کے عزائم اتنے واضح ہو گئے تھے۔ کہ انگریزی حکومت اس سے خوف کھانے لگی کانگریس میں برصغیر کے نامی گرامی علماء کرام قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے۔ لیکن عددی اکثریت بہر حال غیر مسلم اقوام کی تھی۔ پنجاب کی مخلص سنجیدہ، اور بیدار مغز قیادت حالات کی اصلاح کے لئے سوچ وچار میں مصروف تھی۔ حالات اس طرح بنادے گئے تھے۔ کہ یہاں کے اہل دل مسلمانوں کی موثر تنظیم ضروری سمجھی جا رہی تھی۔

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورہ پر شاہ جی کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد کیا جس میں فیصلہ کیا کہ ”ہندوستان کی آزادی کا سہرا دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے سر بھی رہنا چاہئے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ غیر ملکی حکمرانوں سے گلو خلاصی کے لئے مسلمانوں کے اندر حریت پسند تنظیم کا ہونا نہایت اہم ہے۔“¹

نتیجتاً 1929ء میں لاہور میں مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی اجلاس میں حضرت امیر شریعتؒ نے جداگانہ حقوق اور انتخابات اور جداگانہ تنظیم کے عنوان سے عوام کو آہوان کی دعوت دی۔ چنانچہ تشکیل جماعت کے پورے دو سال بعد 11 جولائی 1931ء جبکہ بال لاہور میں اس نئی، فعال، مخلص، انقلابی اسلامی جماعت کا پہلا اہم اجلاس منعقد ہوا۔ جس

میں کانگریس سے بنیادی اختلافات کی نشاندہی اور اغراض و مقاصد کی تشریح کر کے قوم کو نیا انجیل دیا گیا۔

صاحبزادہ طارق محمود لکھتے ہیں:

تحریک خلافت کے خاتمہ کے بعد 29 دسمبر 1929ء معروف راہنماؤں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، چوہدری افضل حقؒ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، غازی عبدالرحمن امرتسریؒ، شیخ حسام الدین مولانا مظہر علی اظہر نے مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی جولائی 1931ء میں حبیب ہال میں اس کا باضابطہ اجلاس چوہدری افضل حقؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔¹

مجلس کی تشکیل کے تین سال بعد ہی احرار کا علم ”ہاتھ میں لے کر انہوں نے ”آزادی کشمیر“ کی جنگ شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس تحریک میں 6005 رضا کار گرفتار ہوئے۔

مجلس احرار اسلام کے مقاصد

- (1) ہندوستان کے لئے پُر امن ذرائع سے کامل آزادی حاصل کرنا۔
- (2) سیاسیات ہند میں مسلمانوں کی صحت کا بھرپور کردار۔
- (3) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لئے کوشش کرنا۔²

تصوف سے دلچسپی

شاہ جی کو تصوف سے مناسبت ضرور تھی۔ لیکن نہ تو وہ روایتی صوفی تھے نہ روایتی بابی۔ ان دونوں کے مین بین تھے۔ ان کا قادری۔ چشتی، نقشبندی سلسلوں سے باطنی رابطہ سا تھا۔ مگر وہ تصوف کو اسلام سے کوئی مختلف چیز نہیں سمجھتے تھے۔

وہ اصلاً انسان سے تعبیر کرتے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک احسان ایک ایسی عبادت ہے گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے

1۔ روزنامہ آزاد، دور 30 مارچ 1962ء۔

2۔ سوانح احرار جلد اول ص 148

کہ نثر یہ کام یہ فیضان کتابوں سے نہیں بلکہ بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

شاہ جی ان معنوں میں ضرور صوفی تھے کہ وہ جن چیزوں کو معروفات کے تحت مانتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ علم الیقین اور عین الیقین ہی نہیں بلکہ حق الیقین کا درجہ رکھتی تھیں ان کا عقیدہ تھا کہ تصوف وجدان کی تنقیح کرتا ہے۔ اور علم سے وسعت فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس بارے میں ان کا نقطہ نگاہ امام مالک کا تھا۔ جو شخص صوفی ہوا اور فقیہ نہ ہوا وہ گمراہ ہوا اور جو فقیہ ہوا اور صوفی نہ ہوا وہ فاسق رہا۔ جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہو گیا۔

الغرض ان کے نزدیک باطنی شعور کے تصفیہ و اتقا کا نام تصوف تھا (جس کے حصول کے لئے آپ نے پہلے حضرت پیر مہر علی شاہ گلوڑویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ آپ کی وفات کے بعد قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ حضرت رائے پوریؒ سے اس حد تک تعلق آگے بڑھا۔ کہ حضرت آپ کو مرشد فرمایا کرتے حضرت رائے پوریؒ سے سننے والے حضرات اب بھی زندہ ہیں حضرت نے شاہ جیؒ کی تعریف و توصیف میں فرمایا کہ انہوں نے عرصہ بہت ذکر اذکار کئے) جس تصوف سے مسکنیت پیدا ہو یا خلق خدا سے کنارہ کشی پر منتج ہو۔ وہ اس سے سخت بیزار تھے انہوں نے غفوانِ شباب میں سلوک و طریقت کی کچھ منزلیں طے کیں۔ تزکیہ نفس کے لئے دو دو سال تک متواتر روزے رکھے چھ چھ کھنٹے میں قرآن مجید ختم کیا۔ ستاروں سے بازی لگائی تو انہیں ہرا دیا۔ کئی کئی روز پانی میں نمک ملا کر جو کے ستوؤں پر بسر کی۔ تنور کی روٹی کے خستہ ٹکڑوں پر گزارہ کیا۔ غرض اس ریاضت کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام ازل نے خطابت کا جو بحر آپ میں ودیعت کیا تھا تلواروں کی طرح صیقل ہو گیا۔¹

نوٹ :- بعض لوگ یہ کہتے سنے گئے کہ شاہ جیؒ نے حضرت پیر مہر علی شاہ گلوڑویؒ سے بیعت توڑ لی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بندہ نے جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو ذرا ابو معاویہ بخاریؒ سے استفسار کیا تو مرحوم نے فرمایا کہ شاہ جیؒ حضرت پیر صاحب گلوڑویؒ کی وفات تک ان سے منسلک رہے ان کی وفات کے بعد 1931ء قطب الارشاد حضرت رائے پوریؒ سے متعلق ہو گئے۔



www.ahlehaq.org

قومی زندگی کا آغاز

”شاہ جی“ نے قومی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا۔ یہ وہ دور تھا۔ جب برطانوی سامراج نے ترک کی خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے شروع کر دیئے۔ اور کمال اتاترک سے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کرایا۔ جس سے برے غیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں اشتعال لازمی امر تھا۔“

چنانچہ منشی احمد دین لکھتے ہیں:

1919ء کے فوراً بعد جب امرنسر کے لوگ مارشل لاء اور جلیانوالہ باغ کے حادثہ بانگاہ پر بری طرح ٹدھال تھے۔ یکا یک لفظ خلافت سننے میں آیا۔ اس وقت مولانا محمد داؤد غزنوی پہلے بزرگ تھے جو میدان میں نکلے اور انہوں نے مسلمانوں کو مسئلہ خلافت سمجھانا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ دولت عثمانیہ ترکی کے خاتمہ کا ماتم بھی کیا۔ یہ زمانہ عالم اسلام پر پاروں طرف سے مصیبتوں اور آفتوں کا زمانہ تھا۔ جزیرۃ العرب اور دیگر مقامات مقدسہ غیروں کے قبضہ میں تھے۔ جب اس اجمال کی تفصیل مسلمانوں کو سنائی جانے لگی تو مسلمان عوام کے اندر صدمہ اور ہوش کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔

حضرت شاہ صاحب اس وقت صرف مذہبی وعظ فرماتے تھے وہ مولانا داؤد غزنوی کے ساتھ شریک نہ ہوئے البتہ کبھی کبھی مولانا غزنوی کے نظریہ پر شاہ صاحب مخالفانہ انداز بھی اختیار کر لیتے۔ مجھے شاہ صاحب نے بتایا کہ ایک بار مولانا داؤد صاحب نے خود کوشش کر

کے مجھ سے ملاقات کی اور کئی گھنٹوں کی ملاقات میں موجودہ مسئلہ کو کھول کر بیان کیا۔ تب شاہ صاحب قائل ہو گئے پھر کیا تھا پھر تو امرتسر کے مسلمانوں کی کایا ہی پلٹ گئی۔ شاہ صاحب کا مہم جوئی اور ساتھ ساتھ جوشِ ایمان اور قوتِ بیان..... ایک آگ لگ گئی۔

میر۔، لئے سیاسی جلسوں میں شمولیت کا پہلا موقع تھا مسئلہ خلافت اور انگریز حکومت کی چیرہ دستیایں مسلمانوں کے دلوں کے زخموں پر نمک کا کام دیتی تھیں۔ امرتسر ابھی ابھی زخم کھا کر نکلا تھا مگر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور مذہبی و معنویوں نے ہندو مسلمان سب کے اندر بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ اتنے میں 1919ء کا دسمبر آگیا اور کانگریس کا سالانہ جلسہ زیر صدارت پنڈت موتی لال نہرو امرتسر میں منعقد ہوا، ساتھ ساتھ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی حکیم اجمل خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔

یہ دسمبر امرتسر کے لئے تو بارانِ رحمت ثابت ہوا کہ ہندوستان کے تمام لیڈر امرتسر پہنچ گئے جو جیلوں میں تھے وہ رہا کر دیئے گئے۔ علی برادران (مولانا محمد علی، مولانا شاکت علی) بھی جیل سے رہا ہو کر سیدھے امرتسر وارد ہوئے یہ زمانہ علی برادران کے عروج کا زمانہ تھا۔ مولانا شاکت علی کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد علی نے حالاتِ حاضرہ اور عالمِ اسلام کی تباہی و بربادی پر تقریر کی۔ اس جلسہ میں جناب شاہ صاحب نے تقریر فرمائی اور دس لاکھ روپیہ چندہ کے لئے اپیل کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور روپیہ کی فراہمی شروع ہو گئی۔ مولانا ظفر علی خان اس جلسہ میں موجود تھے مگر حکومت کی طرف سے ان کو تقریر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ زمانہ زمیندار اور مولانا ظفر علی خان پر انگریزوں کے انتہائی عتاب کا تھا۔ مگر اسی اجتماع میں ان کو تار ملا کہ مولانا کی زبان بندی ختم کر دی گئی ہے۔ تب امرتسر کا یہ قومی ہفتہ پوری شان سے منایا گیا۔ یہیں شاہ صاحب کا گہرا تعلق علی برادران سے ہو گیا۔

مولانا آزاد کے ہاتھ بیعتِ جہاد

کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا دورہ پنجاب ہوا یہ دورہ زیادہ تر مذہبی تھا اور مولانا مسلمانوں سے بیعتِ جہاد لے رہے تھے۔ لاہور کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد رانا فیروز الدین نے (جو اس وقت خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری جنرل تھے) امان کیا کہ جو

مسلمان مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرنا یہ ہے وہ کر سکتا ہے اس مجمع کے آخر میں شاہ صاحب خوش کے قریب ہی کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مولانا عبدالقادر صاحب قصوری بھی تھے۔ شاہ صاحب نے سنا تو سخت بے چین ہوئے۔ مولانا عبدالقادر صاحب سے کہا کہ دیکھو سب کام خراب ہو رہا ہے یہ کہہ کر شاہ صاحب نے ایک پھلانگ لگائی اور اوگوں کے گویا سروں سے گزر رہے ہوئے ممبر تک پہنچ گئے صدر خاموش تھا ان سے کہا کہ میں اس اعلان کی وضاحت کروں گا۔ مولانا عبداللہ قصوری خاموش رہے۔ شاہ صاحب نے اپنی خدا داد قرأت اور بلند آواز سے مجمع کو اپنی طرف متوجہ کر لیا یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا آزاد ابھی مجو حیرت شاہ صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے شاہ صاحب نے اس عظیم الشان مجمع کو چند منٹوں کے اندر اندر اپنی گرفت میں لے لیا اور اس نقطہ کی وضاحت فرمائی کہ جو لوگ پہلے کسی مرشد سے بیعت ہیں ان کی اس بیعت سے اثر نہیں پڑتا وہ بیعت ارشاد تھی اور یہ بیعت جہاد ہے۔

تاکہ کہہ کر اپنے ہاتھ مولانا آزاد کے ہاتھوں میں دے دیئے اور کلمات بیعت کا ورد شروع کیا۔ شاہ صاحب پہلے پڑھتے پھر تمام مجمع پڑھتا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام درود یوار سے یہی آواز آرہی ہے۔ ایسا منظر پھر زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس واقعہ کے بعد شاہ صاحب کا تعلق براہ راست مولانا آزاد سے ہو گیا۔

علی برادران امرتسر میں رہا ہو کر پہلی بار آئے تو اس وقت ان کا عمرہ مسلمانوں کے لئے ایک ہی تھا ہجرت یا جہاد کیونکہ مسلمانان عالم پر ایسا تاریک دور تھا کہ انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا تھا برطانیہ پہلی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد اتنا مغرور تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ برطانیہ کا وزیر اعظم جنگ عظیم کا فاتح یہودی تھا۔ عرب کے بھی کئی ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔ اس کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کا کوئی خط ایسا نہ تھا جو آزاد ہو ایران، افغانستان، عرب، مراکش، الجزائر، مصر تمام بلاد اسلامیہ برطانیہ یا ان کے اتحادیوں کے زیر تصرف تھے فلسطین پر جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تو فاتح فوجی افسر کے سینے پر تمغہ آویزاں کرتے ہوئے برطانیہ کے یہودی وزیر اعظم نے کہا تھا یہ آدمی صلیبی جنگ کا فاتح ہے اس نے فلسطین کو فتح کیا ہے۔

حالانکہ دوران جنگ میں برطانیہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ فتح

کی صورت میں عرب اور مقامات مقدسہ آزاد رہیں گے اور یہ جنگ مذہبی نہیں ہے سیاسی ہے۔
لیکن وہ وعدہ ہی کیا جس کو انگریزوں نے پورا کیا ہو۔¹

ہجرت

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کے حالات مختصر ہی کیوں نہ بیان ہوں مگر وہ نامکمل اور سراسر ناممکن رہیں گے اگر تحریک ہجرت کا ذکر ان کے ساتھ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس تحریک کے روح رواں شاہ صاحب ہی تھے۔ اگر اس قافلہ کے ہر اول جناب مزین ہندی تھے۔ جنہوں نے پہلے پہل اس کا بیڑا اٹھایا۔

اس بات کی تفصیل آج میں کافی حد تک بیان کرنے کی پوزیشن میں ہوں جو حقیقت حال پر مبنی ہوگی میرے بعد اب کوئی دوسرا آدمی زندہ بھی نہیں جو اس تحریک کے بنیادی پہلو پر روشنی ڈال سکے۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد ہمیشہ سے ہندوستان کے انقلاب کی پناہ گاہ رہی ہے اور افغانستان میں جب غازی امان اللہ خان برسر اقتدار آئے تو آزادی ہند کے حامی تھے۔ مگر ان کی مجبوری تھی کہ ان کے والد کے زمانہ ہی سے شاہ افغانستان انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ عملاً برطانوی سفیر مقیم کابل کی حکومت افغانستان میں تھی۔ بادشاہ برائے نام ہی تھا امان اللہ نے آتے ہی پہلا حملہ جب انگریزی سرحد پر کیا تو اس وقت انگریزی فوج بہت کم تھی اور پنجاب میں شورش ہونے کی وجہ سے مارشل لاء نافذ تھا۔ فوج پنجاب میں تھی۔ حکومت ہند کے لئے وقت براشکل تھا اس افغانی حملہ کی وجہ سے ایک تو عملاً مارشل لاء اٹھ گیا۔ دوسرے پنجاب کی شورش کے باعث انگریزوں کو امان اللہ سے عارضی صلح کرنا پڑی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انگریزوں کا پنجاب کو پریشان کرنے کا فیصلہ ابھی بہت باقی تھا۔ اس کا ایک فائدہ ہندوستان کو یہ بھی ہوا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی ہندوستان کی طرف عارضی طور پر کچھ نرم پڑ گئی۔

ان تمام حالات کے باوجود 1920ء کا ہندوستان سخت آزمائش سے گزر رہا تھا اس کو کوئی راستہ نہ ملتا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟ یہی وہ دور ہے جب ہجرت کی تحریک ایک نیا شروع ہو گئی اور اس کا اثر مسلمانوں پر بے پناہ ہوا۔

حضرت شاہ صاحب نے کافی غور و فکر کے بعد اس میں ہاتھ ڈالا کیونکہ حکومت افغانستان نے اپنی طرف ہجرت کرنے والوں کو بلایا اُس سے امید کی یہ کرن پیدا ہوئی کہ شاید حکومت پر کچھ دباؤ پڑ جائے اور وہ مسلمانانِ ہند کے مطالبات پر توجہ دے۔ اب شاہ صاحب نے ہجرت کی تحریک میں جان ڈالنی شروع کی۔

پنجاب سندھ اور صوبہ سرحد کے اندر تو یہ قابو سے باہر ہو گئی اور حکومت انگریزی سخت گھبراہٹ میں پڑ گئی۔ پینٹل گاڑیاں بھی چلنی شروع ہو گئیں۔ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر سمنٹن کرافٹ نے تو ایک قافلہ کو ہاتھ جوڑ کر روکنے کی کوشش کی مگر مسلمان سر پر بکف جا رہا تھا اور اپنی اکھوں کی جائیداد کو چھوڑ کر بے وطن ہو رہا تھا۔ جب یہ تحریک زوروں پر تھی تب سرکار انگریزی کی مشنری حرکت میں آئی سینکڑوں کی تعداد میں انگریز کے ایجنٹ مسلمان ان قافلوں میں شامل ہو گئے تاکہ انتشار پیدا کر سکیں۔

حکومت افغانستان نے اپنی بساط کے مطابق مہاجروں کا استقبال کیا اور ان کو جاتے ہی زمین وغیرہ دے دی کہ یہ اپنی روزی وغیرہ کا کچھ بندوبست کریں۔ مگر انتشار پسندوں نے پہلے سے ہی مہاجرین کے اندر بد دلی پیدا کرنی شروع کر دی حالانکہ راستہ میں غیر علاقہ کے افغانوں نے اپنی اسلامی جذبہ کا بڑھ چڑھ کر ثبوت دیا۔

اسی دوران میں ہندوستان کی تحریک خلافت کے راہنما مولانا شوکت علیؒ نے شاہ امان اللہ خان کو ایک زبانی پیغام بھیجا۔ جس سے شاہ امان اللہ کو یہ پیغام دے کر اس کا رد عمل معلوم کرنے کی کوشش کی جو خاموشی کی صورت میں ملا۔ مولانا شوکت علیؒ نے شاہ کو یہ پیغام دیا کہ:

”آدمی، روپیہ سب طرح سے ہم انگریز کے خلاف تمہاری مدد کریں گے، مگر

ہندوستان کی زمین کا ایک انچ بھی نہیں دیں گے۔“

یہ پیغام سن کر امان اللہ خان دم بخود رہ گئے۔

دوسری طرف حکومت انگریزی نے افغانستان کی خود مختاری مان لی جس کے لئے کابل کی حکومت جدوجہد کر رہی تھی مگر ساتھ ہی کابل کی حکومت کو اشارہ مل گیا کہ حکومت ہند سے تعلقات بہتر کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ مہاجرین کو ہندوستان واپس بھیج دو۔ ان دونوں نے

حکومت کا بل کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس نے مہاجرین کی پشت پر جو دستِ شفقت رکھا تھا وہ واپس لے لیا۔ تب مہاجرین کے لاکھوں کے اجتماع کے اندر پریشانی اور انتشار شروع ہوا۔ پھر وہ طبقہ بھی مہاجرین کے اندر ہی تھا جو اپنے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ اُس نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اس طرح یہ تحریک ہجرت ناکام ہوئی مگر افغانستان آزاد ہو گیا۔

اس ناکامی کے ساتھ ہی مہاجرین کے قافلے واپس آنے شروع ہوئے اور افغان سرکار کا شکوہ شروع ہو گیا۔ بات بھی یہی تھی کہ افغانستان والوں نے جس طرح دعوت دی تھی پھر ویسا سلوک نہیں کیا۔ وہ بھی مجبور تھے ان کی سیاست اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اس تحریک کا سید موطاء اللہ شاہ صاحب کی طبیعت پر بھی اثر ہوا۔ انہوں نے اپنا قیام امرتسر کی بجائے گجرات پنجاب میں تبدیل کر لیا۔¹

تحریک عدم تعاون اور قومی تعلیم

حضرت شاہ صاحب شروع شروع میں تو عدم تشدد اور عدم تعاون کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کے خلاف اُن کی کئی ایک تقریریں میں نے سنی ہیں۔ لیکن اگست 1920ء میں کانگریس کا سیشنل اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ جہاں گاندھی جی نے اپنا لائحہ عمل کانگریس کے سامنے رکھا۔ اس کام میں گاندھی جی تنہا تھے۔ صرف مولانا آزاد اُن کے ساتھ تھے جن کے ساتھ گاندھی جی کی نئی ملاقات ہوئی تھی۔ ”عوامی ایجنیشن“ کے لئے شوکت علی اُن کے ساتھ تھے باقی سب لیڈر خلاف تھے۔ اس اجلاس کے صدر ”لالہ سنجیت رائے“ بھی اس پروگرام کے خلاف تھے۔ شاہ صاحب اسی اجتماع میں مولانا آزاد کی تقریر سے متاثر ہو کر اس پروگرام کے حق میں ہو گئے۔ جب کلکتہ سے اوٹے تو وہ ایک نئے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب میں انگریز دشمنی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انگریز کی ڈپلومیسی اور اس کی تلوار نے تمام مسلمانانِ عالم کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

شاہ صاحب یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اگر ہندوستان انگریز کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے تو عالمِ اسلامی کی غلامی کی زنجیریں سب کی سب ٹوٹ کر گر جائیں گی لیکن ہندوستان کی آزادی کے

لئے ہندو مسلم کا اتحاد بنیادی بات ہے اگر یہ نہیں ہے تو سب کام بیکار ہیں چنانچہ کانگریس کی راہنمائی میں ترک تعاون کی تحریک کا آغاز ہوا۔

جمعیت علماء ہند نے پولیس اور فوج کی نوکری کے حرام ہونے کا اعلان بھی کر دیا گاندھی جی نے کہا کہ وکیل، کالت کا پیشہ چھوڑ دیں۔ اسکول اور کالج کے طالب علم طالب علمی چھوڑ دیں۔ اس فقرے پر اب سارے ملک میں کام ہونے لگا ہزاروں کی تعداد میں طالب علم اپنی تعلیم ترک کر کے درس گاہوں سے باہر آ گئے..... نیشنل تعلیم کے لئے مختلف کالج اور سکول قائم ہوئے جس میں قومی تعلیم شروع ہوئی جس کا مقصد آزادی کی جنگ کے لئے سپاہی اور لیڈر مہیا کرنا تھا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے گجرات میں ”آزاد ہائی اسکول“ کی بنیاد رکھی۔

جیسی ان کی طبیعت تھی ویسا کام ہوا، ایک طوفان اٹھا اور گجرات کے ضلع سے جو سب سے زیادہ رجعت پرست مانا گیا ہے ایک لاکھ روپیہ سکول کے لئے جمع ہو گیا۔ عمارت تیار ہو گئی، ہزاروں کی تعداد میں طالب علم حصول علم کے لئے اس سکول میں داخل ہوئے۔ مولانا آزاد خاص کر سکول کی وجہ سے گجرات تشریف لے گئے اور اہل گجرات نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

نتیجہ

حضرت شاہ صاحبؒ رونق محفل تھے ہی، خلوت ہو یا جلوت سکھ آپ کا چلتا تھا مگر قدرت نے مجمع عام میں فتح کا سہرا انہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا آزاد ہائی اسکول کا چندہ کرتے کرتے شاہ صاحبؒ کا دورہ وزیر آباد کے شہر میں ہوا جو گجرات کا ہی حصہ ہے مگر وزیر آباد کے شاطروں نے شروع سے ہی طے کر رکھا تھا کہ اس شہر میں کسی کا قدم نہ جمنے دیا جائے وہ کتنا نیک مقصد لے کر ہی کیوں نہ آیا ہو۔ اس سازش میں انگریز پرست شامل تھے۔ جب پہلی بار گاندھی جی بھی اس شہر میں وارد ہوئے حالانکہ وہ صرف پنجاب پر کئے گئے مظالم کی تحقیقات کے لئے تھا تو کسی نے بھی ان کو اپنے گھر پر ٹھہرانے کی جرأت نہ کی تھی۔ وزیر آبادی مسلمانوں کا تو یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی مہمان قومی یا مذہبی کام کے لئے باہر سے آتا اس کی خوب خاطر تواضع کرتے اور جب پبلک جلسہ ہو یا مسجد کے اندر خطبہ ہو تو عین اسی حالت میں آپس میں دست و گریبان ہو جاتے، مگر کوئی گزند نہ پہنچتا لیکن اس طرح جلسہ کے امن کو برباد کر دیتا۔

حضرت شاہ صاحب وزیر آباد تشریف لے آئے اور نماز جمعہ کے لئے شاہ صاحب سے درخواست کی گئی کہ آپ ہی پڑھائیں۔ شاہ صاحب کو اس شہر کے لوگوں کا کردار معلوم تھا مگر انہوں نے قبول کر لیا اور خطبہ کے ابتدائی حصہ میں ہی مسلمانوں کو اتنا گرمایا کہ سوائے شاہ صاحب کی بات سننے کے کسی کا اور کسی طرف خیال نہ گیا شاہ صاحب نے نماز سے قبل ہی چندہ کر لیا اور روپیہ قابو کر کے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ وہ لے کر گجرات چلا جائے تب مجمع میں نماز ادا ہوئی۔ نماز کے بعد جب ان شیطانوں کو پتہ چلا روپیہ بھی باہر جا چکا ہے تو وہ آکر شاہ صاحب کے پاؤں پر گر گئے اور کہا کہ ہم بارے اور آپ جیتے۔ قصہ شاہ صاحب کی زبانی میں نے سنا تھا کہ آزاد بائی اسکول کا کام زوروں پر تھا اور شاہ صاحب دن رات اسی میں مصروف تھے کہ امرتسر تشریف لے گئے ان کی ہمشیرہ کی شادی تھی۔ وہ ان کی تیاری کے لئے آئے تھے۔ امرتسر کے لوگوں نے نماز جمعہ کے بعد حضرت شاہ صاحب کا وعظ مسجد خیر الدین مرحوم میں رکھا یہ وعظ ان کی گرفتاری اور تین سال قید کا باعث ہوا۔ اس تقریر کا موضوع تھا ”حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی ٹکڑ“ جس میں آخری شکست فرعون کی ہوئی شاہ صاحب نے آزادی ہند کی اس تحریک کا انجام انگریز حکومت کی موت اور اہل ہند کی فتح پر ختم کیا۔ شاہ صاحب کا طرز بیان اور پھر مضمون کی دلچسپی نے اہل امرتسر کو مبہوت کر دیا۔ اس کا اثر حکومت نے بھی لیا۔ دفعہ 124 الف کے تحت مقدمہ چلا کر تین سال قید سخت کی سزا دی غالباً یہ پنجاب کا دوسرا مقدمہ تھا۔ اس سے قبل پانی پت کا مقدمہ چل رہا تھا یہ تحریک آزادی کی آزمائش کا زمانہ تھا کہ جو بھی گرفتار ہو وہ مقدمہ میں نہ تو صفائی پیش کرے اور نہ وکیل کرے، صرف ایک بیان دے کر عدالت کا فیصلہ سن لے۔ اس وقت یہ بہت اہم بات تھی اور شاہ صاحب کے لئے بھی یہ روزِ اوّل ہی تھا۔ مگر شاہ صاحب نے پہچان میں چند آیات قرآنی تلاوت فرما کر بیان ختم کر دیا۔ اس کا اثر عدالت کے کمرہ میں ایسا ہوا جیسا کہ ماحول ہی بدل گیا ہو۔ سزا کے بعد شاہ صاحب لاہور سنٹرل جیل میں پہنچا دیئے گئے جہاں کچھ نئے پولیٹیکل قیدی پہلے سے موجود تھے۔ اس زمانے کی جیل کی خوراک خدا کی پناہ۔ آدمی کھا نہیں سکتا تھا۔ لاہور جیل کا داروغہ پنجاب کا مشہور جابر و ظالم جیلر تھا جس کو نواب بیگ کے نام سے یاد کرتے تھے، جب وہ شخص جیل کے اندر داخل ہوتا تو خدا

کو بھول جاتا۔

شاہ جی کا بیان ہے کہ پہلے دن کھانے کی قطار میں بیٹھا تو دو روٹیاں اور دال لوہے کے ایک برتن میں ڈال دی۔ حال یہ تھا کہ اگر دونوں ہاتھ کھول کر وہ روٹی ہاتھوں پر نہ کی جاتی تو زمین پر دو ٹکڑے ہو کر گر جاتی۔ یہ روٹی چنے اور گندم کے آٹے کی ہوتی مگر اس میں آٹے سے زیادہ کچھ اور بھی ہوتا اور پکی رکھی جاتی تاکہ وزن ٹھیک رہے۔ میں نے دال کو دیکھا تو اس میں پانی زیادہ تھا۔ تب میں نے کوشش کی کہ پانی تھوڑا اگر ادیا جائے کچھ دال کے دانے نیچے سے مل جائیں گے تو روٹی کھاسکوں گا۔ میں رفتہ رفتہ پانی گراتا گیا اور اس انتظار میں رہا اب دال نظر آتی ہے مگر سب پانی ختم ہو گیا اور دال نہ ملی۔ ادھر جیل کے بند ہونے کا وقت ہو چکا تھا۔ کوئی دوسری صورت سامنے نہ تھی نمک مرچ یا کسی دوسری چیز کا ملنا تو کارِ مشکل تھا اس شام صبر و شکر کے ساتھ صبح کرنی پڑی اس کے بعد یہ قافلہ کچھ ماہ بعد پنجاب کے سرحدی ضلع میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔

میانوالی ڈسٹرکٹ جیل

میانوالی جیل میں ایک کے بعد دوسرا بزرگ آزادی کی راہ اختیار کرتا ہوا پہنچتا رہا اور یہ قید اہل علم و دانش کی اور سیاسی مفکروں کی مجلس بن گئی۔ گاندھی جی نے سول نافرمانی انفرادی طور پر شروع کی۔ میانوالی جیل میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولانا داؤد غزنوی، عبدالمجید سالک مولانا اختر علی خاں صاحب، صوفی اقبال احمد انصاری پانی پتی، مولانا احمد سعید دہلوی صاحب، عبدالعزیز صاحب انصاری، مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی اور ان کے علاوہ مشہور کانگریسی بزرگ مولانا عبداللہ چوڑی والے، لالہ شکر۔ لالہ بیتش، بندھو گیتا وغیرہ لوگ تھے۔ باقی والٹیر کوئی ڈیڑھ سو کے قریب تھے۔ میں بھی ایک رضا کار کی حیثیت سے سزایاب ہوا اور امرتسر سے میانوالی جیل میں ایک گروہ کے ساتھ پابجوالا بھیج دیا گیا کچھ دن بعد میری پہلی ملاقات جناب شاہ صاحب ہوئی۔

یہ 1923ء کے شروع کی بات ہے۔ مجھ جیسے نوآموز کے لئے یہ ماحول زندگی کا سرمایہ بنا شاہ صاحب نے بکمال مہربانی مجھے قرآن کریم ناظرہ پڑھایا میں بالکل نا بلد اور جاہل

نوجوان تھا ان کی فیض صحبت نے میری جیل کی زندگی میں تربیت فرمائی جس کا میں شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد زندگی بھر کے لئے ایک دلی تعلق قائم ہو گیا۔

جب کبھی امرتسر سے باہر دورے پر جاتے تو واپسی پر اپنے دورے کے خاص خاص واقعات مجھے بٹھا کر سناتے جو آج مجھے حفظ ہیں۔ ہم رہا ہوئے تو زمانہ بدل چکا تھا۔ کانگریس کی تحریک کو بند ہوئے دو سال گزر چکے تھے اور ملک کے اندر فرقہ وارانہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ خلافت اور کانگریس تحریک کے مقابلے پر رجعت پرست مسلمان اور ہندو میدان میں اتر چکے تھے جن کو کم و بیش حکومت کی معاونت حاصل تھی۔

اہل گجرات نے شاہ صاحب کا شاندار استقبال کیا اور کوشش کی کہ وہ گجرات شہر میں ہی قیام کریں مگر وہ اپنے پرانے امرتسر شہر میں ہی آکر مقیم ہوئے۔

شاہ صاحب ہندو مسلم اتحاد کے لئے دل سے قائل تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی سیاسی مقصد نہ بھی ہو تو بھی ایک اچھی شہری زندگی کے لئے نیک ہمسایہ کے طور پر ہمیں گزر بسر کرنی چاہیے۔ وہ 1923ء سے لے کر 1927ء تک پنجاب خلافت کمیٹی ہی کے ممبر رہے اور قومی کاموں کے لئے وہ باہر دورے پر جاتے تھے۔

کیونکہ ان کی مانگ سارے ملک میں ہمیشہ رہتی تھی جس کو وہ بخوبی پوری بھی نہیں کر پاتے تھے۔ شاہ صاحب مسلمانوں کے اندر رسومات فتنے کے سخت خلاف تھے اور اس پر ہمیشہ اپنی تقریروں میں زور دیتے تھے۔ جو شریعت حقہ کے خلاف تھیں۔ بعض مقامات پر دولت پسندوں سے ان کا جھگڑا بھی ہو جاتا۔ مگر وہ اپنی بات پر پہاڑوں کی مانند قائم رہتے۔¹

خانقاہ ڈوگراں

اگر میں غلطی نہیں کرتا تو ایک آدمی بالکل غریب مفلوک الحال لاہور ہی میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور خانقاہ ڈوگراں چلنے کے لئے شاہ صاحب کو مجبور کرنے لگا۔ وہ انکار کرتے رہے مگر بعد میں پتہ چلا کہ وہ شاہ جی کو اپنے ساتھ ہی لے گیا جب شاہ صاحب

تیسرے دن واپس تشریف لائے تو انہوں نے حسب دستور مجھے یہ بتایا کہ:

جب میں اس بستی میں پہنچا تو وہاں کسی کو معلوم نہ تھا کیونکہ مجھے لے جانے والا آدمی ہی وہ بالکل اکیلا تھا اور بستی غالباً ساری کی ساری راجپوت مسلمانوں کی تھی جن کو مذہبی وعظ وغیرہ سے کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ میں ایک مسجد میں ٹھہرا۔ اسی آدمی نے خود ہی ٹین بجا کر اعلان وعظ کیا۔ جلسہ کے لئے جو جگہ تجویز کی وہ ایک تکیہ تھا اور اس کے باہر ایک بڑا درخت تھا۔ اس کے نیچے انتظام کیا گیا۔ جب میں جلسہ گاہ میں پہنچا تو وہاں عجیب منظر تھا کوئی پچاس آدمی زیادہ سے زیادہ ہوں گے اور کوئی سو گز کے فاصلہ پر ایک مداری اپنا کھیل وغیرہ دکھا رہا تھا جہاں ڈیڑھ سو آدمی تھے اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے سخت مایوسی ہوئی اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں؟ یکا یک مجھے خیال آیا کہ تو ہزاروں آدمیوں کی حاضری میں تو خوش ہو کر جذبہ کے ساتھ بولتا ہے مگر یہاں بھی تو خلق خدا ہی ہے۔ اگر اللہ کا پیغام ان چند آدمیوں کو سنائے گا تو کیا تیرا کچھ بگڑ جائے گا اس خیال کا آنا تھا کہ میرے جسم میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی دل میں دعا کی کہ مولا کچھ سامان یہاں بھی کر دے کہ تیرے بندوں میں تیرا پیغام پہنچا سکوں۔ اتنے میں ایک پولیس والا آیا اس نے اس مداری کو جو دور تماشا دکھا رہا تھا مار بھگایا۔ جو لوگ وہاں تھے وہ اب میری تقریر میں شامل ہو گئے۔ اب حاضری دو سو کے قریب ہو گئی تب میں نے اپنے وعظ کا ڈھنگ بھی بدلا۔ آدھ گھنٹہ کے اندر اندر گاؤں کے بڑے بڑے زمیندار راجپوت سب کے سب آ کر اس وعظ میں شریک ہو گئے تب میں نے تقسیم وراثت کا قرآن حکیم کا فیصلہ مسلمانوں کے سامنے رکھا اور یہ بھی کہا کہ پنجاب کے زمیندار مسلمان جس میں سید، پنہان، مغل، راجپوت، جاٹ سب شامل ہیں 1857ء سے لے کر آج تک جتنے سبب ہوئے ہیں ان سب نے قرآن سے انکار کر کے ہندو قانون یعنی رواج کو مانا ہے ایسی حالت میں ہم میں سے کون مسلمان ہے اور کون نہیں اس کا فیصلہ تم کسی مفتی شرع سے جا کر کروالو۔

اس بحث کا شروع ہونا تھا کہ زمیندار طبقہ اٹھا اور آوازیں آنی شروع ہوئیں کہ:-

”ایک مولوی ہماری بے عزتی کر رہا ہے۔“

اس پر شاہ صاحبؒ نے قرآن حکیم کے مکمل قانون کا انگریز کی عدالت میں کھڑے ہو

کراڑکار کرنا وہ بھی اس زمین جائیداد کے لئے جو اسی کی عنایت سے تمہارے پاس ہے اس پر ناراض ہوتے ہو کہ ایک معمولی مولوی ہماری بے عزتی کرتا ہے۔

تھوڑا سوچ لو میں لاہور سے چل کر آیا ہوں اور ریل کا کرایہ میں نے اپنی جیب سے دیا ہے واپسی کا میری جیب میں ہے۔ تمہاری مسجد کی روٹی میں نے کھائی نہیں پھر تمہارا مجھ پر دباؤ کیسا؟ رہا زمانہ جہالت کی یاد ذات کا سوال تم راجپوت یا جاٹ ہو تو میں سید ہوں پھر بھی تم سے اونچا ہوں۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر جب میں اللہ کا کلام سننے کے لئے کھڑا ہوا ہوں تو پھر میری جواب دہی تو اس کے سامنے ہے تمہاری بستی ہی کیا ہے؟ تین گھنٹے کی مسلسل تقریر کے بعد شاہ صاحب کی فتح ہوئی اور یہ طبقہ زمینداران سرنگوں ہوا پھر تو شاہ صاحب کی حق گوئی اور جادو بیانی نے وہ منظر پیش کیا کہ آخر شاہ صاحب بھی خوش ہو کر اس بستی سے شام کو لوٹے۔

شاہ صاحب کی روزانہ زندگی کے واقعات کچھ اسی قسم کے ہیں اور ہر واقعہ ایک سبق لئے ہوئے ہے۔ قدرت نے ان کو خاص کام کے لئے بھیجا تھا جو انہی کا حصہ تھا۔¹

کتاب ”رنگیلار رسول“ (حاکم بدہن)

اہل نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ سید سوطاء اللہ شاہ بخاریؒ محبت نبوی ﷺ میں بالکل دیوانے تھے جب کہیں سیرت نبوی ﷺ پر وعظ کا موقع آتا تو پھر ان کی سنجیدگی متانت کے ساتھ ساتھ جوش اور ادب عقیدت کا جذبہ ہر لفظ سے نپکتا تھا۔ جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں یہ غالباً 1927ء کا زمانہ تھا اور میں بھی نو جوانی میں بطور کارکن خلافت کمیٹی میں کام کرتا تھا۔

کہ یکا یک اخبارات کے اندر ایک طوفان اٹھا کہ کسی صاحب چوپتی۔ ایم۔ اے نے اپنے خُبر باطن کا ثبوت مہیا کیا ہے اور ایک کتاب ”رنگیلار رسول“ کے نام سے شائع کی اس کتاب کے خلاف خود حکومت نے بھی دفعہ 103 الف کے تحت مقدمہ دائر کیا۔ شائع کرنے والے کو دو سال قید سخت کی ماتحت عدالت سے سزا ہوئی۔ لیکن اپیل ہائی کورٹ میں گئی تو جسٹس دیپ سنگھ نے ملزم کو بری کر دیا۔ اس فیصلہ کے خلاف ایک بیجان پیدا ہو گیا جس کا مطلب تھا کہ اسی قسم کا گندہ لٹریچر شائع کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔ اس میدان میں شاہ صاحبؒ، مولانا حبیب

الرحمن صاحب لدھیانوی، خواجہ عبدالرحمن غازی اترے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک قانون بنائے جس سے پیشوایان مذاہب کی عزت کا تحفظ ہو سکے اور جب تک یہ قانون نہیں بنتا ایک ہنگامی قانون نافذ کیا جائے۔ جب لاہور کی حالت خاص طور پر نازک ہو گئی تو حکومت نے پرانا ہتھیار دفعہ 144 نافذ کر دیا۔ ادھر خلافت کمیٹی اپنے جلسہ کا اعلان..... دلی دروازے کے باہر کر چکی تھی تب شام کے وقت جلسہ احاطہ عبدالرحیم خاں میں کیا گیا اور دفعہ 144 کی خلاف ورزی کا فیصلہ مجلس خلافت پہلے کر چکی تھی۔ اسی جلسہ میں شاہ صاحب کی جادو بیانی کام آئی۔ اور آپ نے سول نافرمانی کا حکم دیا۔ (مولانا محمد علی جالندھری فرماتے تھے۔ کہ اس تقریر میں شاہ جی نے فرمایا کہ جو شخص حضور ﷺ کی توہین کرے تو پھر بھونکنے والی زبان نہ رہے۔ یا سننے والے کان نہ رہیں غازی علم دین شہید شاہ جی کا مرید تھا۔ شاہ جی کی تقریر سن کر چلا گیا۔ اور شام رسول راجپال کو قتل کر دیا۔¹

آغا شورش کشمیری فرماتے ہیں کہ جب راجپال نے کتاب لکھی۔ لاہور میں جلسہ ہوا حضرت مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی لاہور آئے۔ شاہ جی نے تقریر کی صدارت مفتی کفایت اللہ فرما رہے تھے۔ مولانا احمد سعید دہلوی بھی سٹیج پر موجود تھے..... شاہ جی کھڑے ہوئے خطبہ مسنونہ پڑھا..... اور بڑی مغموم آواز میں کہا حضرات آج فاطمہ الزہراء آئیں تو مفتی صاحب کا پنے لگے اور احمد سعید بھی۔ کہ شاہ نے کیا کہہ دیا۔ فرمایا ہاں ہاں آئیں تھیں..... انہوں نے سوال کیا۔ فاطمہ نے کہا اے میرے ابا کی مسند کے وارث اور عائشہ نے کہا ایک میرے شوہر کی مسند کے وارث، آج تیرے لاہور میں میرے ابا کی عزت راج پال کی معرفت لٹ گئی ہے۔ اور ایک نے کہا میرے خاوند کی عزت بازاروں میں لٹائی جا رہی ہے۔ اور تم ابھی تک زندہ ہو۔² اور انہوں نے پندرہ منٹ صرف اپیل کی مگر نہایت پر زور و اپیل..... اور اس مجمع سے بیس آدمیوں کا پہلا دستہ سول نافرمانی کے لئے روانہ کر دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، حتیٰ کہ ساٹھ آدمی گرفتار ہو گئے تھے کہ مسٹر اگلووی ڈپٹی کمشنر لاہور نے جلسہ کے باہر کھڑے ہو کر تین بار یہ کہا کہ:

1. منظومات جالندھری ص 185

2. خطبات شورش مندرجہ خطبات ختم نبوت اول 286 ص 285

”کہ میں اس جلسہ کو خلافِ قانون قرار دیتا ہوں“

تب یہ جلسہ برخواست ہوا۔ اور یہ خبر تمام ملک کے اندر آگ کی طرح پھیل گئی۔ حکومت نے اس بات سے متاثر ہو کر ہائی کورٹ میں مقدمہ چلایا اور مسٹر محمد شفیع اس میں سرکاری وکیل تھے ملزموں کو سزا ہو گئی۔ اس کے بعد قانون کی شکل بھی بن گئی مگر شاہ صاحب اور غازی صاحب کو ان کی تقریروں کی بنا پر ایک ایک سال کے لئے جیل جانا پڑا۔

خاکسار کو جیل تو خیر دیکھنی نصیب نہ ہوئی مگر اس تحریک میں اپنی بساط کے مطابق کام ضرور کیا۔ شاہ صاحب کی زندگی کا یہ وہ معرکہ تھا کہ جس کی وجہ سے حکومت میں بھی گہری تشویش پیدا ہو گئی اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ آدمی انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اس ایک سال کی قید کے بعد شاہ صاحب باہر تشریف لائے تو ان کی زندگی اب پہلے سے بھی زیادہ سادہ ہو گئی۔ گھر کے اندر تمام برتن مٹی کے رکھے اور لباس وہی ایک کرتا اور ایک شلووار کھدر کی جو وہ خود ہی دھو کر پہن لیتے تھے۔

کراچی کانگریس

میں 1928ء سے ہی انقلابی تحریک میں شامل ہو چکا تھا پھر بھی شاہ صاحب سے مراسم رہے تھے مگر میل ملاقات کو مواقع حالات نے بہت کم کر دیا تھا۔ میں تین سال کی سزائے قید گزار کر آیا تو آتے ہی بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کی سزائے موت سے رہائی کے لئے ایجنیشن میں لگ گیا پھر کراچی میں آل انڈیا نوجوان کانفرنس کی تیاری میں مصروف تھا کہ کانگریس کا اجلاس سر پر آ گیا اتنے میں یہ تینوں انقلابی نوجوان لیڈر لاہور کے اندر تختہ دار پر کھڑے کر دیئے گئے اور یہ تحریک ختم ہو گئی۔

اب کراچی کانگریس فاتحانہ انداز میں ہو رہی تھی کیونکہ گاندھی جی اور وائسرائے لارڈ آرون میں معاہدہ طے پا گیا تھا اور اس کانگریس میں اس معاہدہ کی تصدیق ہونے والی تھی۔ اور گاندھی فخر سے سرو نیچا کئے ہوئے تھا۔ شاہ صاحب بھی کراچی تشریف لائے جب بطور مبصر کے وہ کھلے اجلاس میں گئے تو جلدی باہر بھاگ آئے اور پھرنے لگے۔ میں ان کی قیام گاہ پر بغرض سلام حاضر ہوا تو انہوں نے آپ دیدہ ہو کر رات کا ماجرا بیان فرمایا کہ:

”میں جب کانگریس کے اجلاس میں گیا تو میرے چاروں طرف مختلف صوبوں

کے نمائندے ڈیلی گیٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہر صوبہ نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں ان کے صوبہ ڈیلی گیٹ بن جاؤں مگر میں نے یہ کہہ کر انکار کیا تھا کہ میں اپنے صوبہ پنجاب اور شہر امرتسر ڈسٹرکٹ کانگریس کو خط بھی لکھا تھا کہ مجھے ڈیلی گیٹ منتخب کیا جائے اور پنجاب کانگریس کو بھی خط لکھا تھا۔“

مگر کسی نے میری بات کی طرف توجہ نہ دی۔ اور رات مجھے شرم آئی کہ مجھے دیکھ کر دوسرے صوبوں کے لوگ کیا کہیں گے۔“

تب میں نے شاہ صاحب کو امرتسر کی تفصیل بتائی کہ:

آپ کا نام ڈاکٹر کچلو کی صدارت میں پیش ہوا مگر کوشش کر کے گرا دیا گیا کیونکہ امرتسر کانگریس میں ہمیشہ فرقہ پرست اور متعصب ہندو طبقہ غالب رہا ہے، کچلو جن کا لیڈر تھا یہ کاروائی ان کی ہے آپ افسوس نہ کریں البتہ پنجاب کانگریس کی غفلت شعاری کا ماتم ضرور کریں۔ جس کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری تھے تب ان کو اور بھی قلق ہوا۔ اس کے بعد بھی ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہیں آئی مگر ان کی عزت اور شان کو دیکھ کر بعض اپنے بھی حاسد ہو گئے تھے لیکن کوئی ان کی گرد کو بھی نہ پہنچتا تھا۔

قومی تحریک 1930ء کا علمبردار صف اول کا سپاہی نہ تھا وہ جنرل تھا جس کے سامنے بڑے بڑے لیڈروں کا رنگ بھی نہ جمتا مگر وہ فقیر انسان آخر ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا تھا تو بھی خدا نے اس کو بہت کچھ دیا وہ مادی اشیاء کی شکل میں نہ ہو لیکن دلوں کا بادشاہ تھا لوگ ان کی راہ دیکھتے تھے۔ بنا ان کے محفل جمتی ہی نہ تھی جہاں وہ آگئے برات کے ڈلہا کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جناب شاہ صاحب کی زندگی وقت کا تقاضا تھی۔ جو قدرت نے پورا کیا۔ ہندوستانیوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور خاص کر مسلمانان ہند کو ان کی بھولی ہوئی راہ دکھائی مگر ناقدر شناس قوم نے ان کی قدر نہ کی۔¹



www.ahlehaq.org

شاہ جی کا سیاسی پس منظر

● شاہ بزم و رزم اور ریل و جیل کے ساتھی شیخ حسام الدین رقمطراز ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ کی پبلک زندگی اس وقت شروع ہوئی جب برطانیہ، فرانس، زار شاہی روس اور اطالیہ و یونان اپنی اسلام دشمن چالوں اور سازشوں سے ترکان آل عثمان کے خلاف جسے عرف عام میں خلافت اسلامیہ کے مقدس و محترم لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ مشرق وسطیٰ اور طرابلس میں کامیاب و ناکام جنگ لڑ چکا تھا، اور اسلامی دنیا میں نفرت و حقارت اور اسلام ازم کے جذبات و احساسات عالم گیر تحریکات کے رنگ میں ابھرنی شروع ہو گئی تھیں۔

برطانیہ اور روس ایران کے شمال اور جنوبی علاقوں کی باہمی تقسیم پر رضا مندانہ خفیہ معاہدات کے باوجود اپنے مذموم مقصد میں ناکام ہو چکے تھے۔ لیکن موقع کی تلاش میں برابر سرگرم تھے۔ غازی انور پاشا اور کمال پاشا کی سرکردگی اور رہنمائی میں انجمن اتحاد و ترقی کے جانباز و سرفروش قائدین ایک طرف تو حریص اور عیاش سلطان اور ان کے زمانہ ساز اور غدار درباریوں اور عہدیداروں کے چنگل سے اندرون ملک کی گرتی ہوئی بنیادوں کو سہارا دینے اور اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے میں ایک حد تک فائز اور کامران نظر آتے تھے۔ تو دوسری طرف ملک و ملت کی محبت سے سرشار ہو کر طرابلس کے ریگزاروں میں اسلام دشمن طاقتوں کو بری طرح پامال و زخمی کر چکے تھے، کہ تمام طاقتیں سلطنت عثمانیہ کے وجود کو ہی ختم کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی تھیں۔ اور مناسب موقع کی تلاش میں تھیں۔ کہ وہ اپنی سامراجی قوتوں کو اعلانیہ استعمال کر کے اسلام کے اس آخری سہارے کو بھی بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم کی صورت میں انہیں یہ موافق موقع دستیاب ہوا۔

”لولاک“ لائل یور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

پہلی جنگ عظیم

اگست ۱۹۱۴ء میں یوگوسلاویہ کے شہزادے کے قتل کے شاخسانہ پر پہلی عالم گیر جنگ شروع ہوئی اور امن عالم یک لخت ایک خونریز اور خونخوار لڑائی کی ہولناک تباہی کی آماجگاہ بن گیا۔ برطانوی سامراج نے برصغیر پاک و ہند یعنی اس وقت کے متحدہ ہندوستان کو اپنی مملکت کا حصہ تصور کرتے ہوئے ملک کی رائے معلوم کرنے کے تکلف سے بے نیاز ہو کر جنگ میں حلیف کی حیثیت سے شرکت کا اعلان کر دیا جسے اس وقت کی سیاسی دنیا نے ناپسندیدگی کے اظہار میں اپنی عافیت دیکھی۔ وائسرائے کے حکم کے ماتحت جنگ کے مقتضیات کی روشنی میں تقریر و تحریر پر احتساب کر دیا گیا۔ اور ”ناپسندیدہ اخبارات“ پر پابندی عائد کر کے نظر بندیوں اور ضبطیوں کے ہتھیار علی الاعلان اور بلا تکلف استعمال کئے گئے۔ پڑھی لکھی دنیا جو پہلے ہی اجتماعی حیثیت میں احتجاجات کے چکر میں خوگر تھی۔ اقتدار کی اس ملک گیر دراز دستی پر منقاریز ہو کر رہ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر کے کامریڈ اور ہمدرد مولانا ابوالکلام آزاد کے ”الہلال، البلاغ“ مولانا ظفر علی خان کا ”زمیندار“ اس سیاسی دارو گیر میں سرفہرست تھے۔ علی برادران، مولانا آزاد اور دیگر زعمائے ملت نظر بندیوں کا شکار بنا کر دور دراز مقامات پر پوری احتیاط اور خاموشی کے ساتھ پہنچا دیئے گئے۔ علمائے دیوبند کے مجاہدین کا ایک ذی وقار گروہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کی قیادت میں گرفتار کر کے مالٹا میں محبوس کر دیا۔ اور ہندوستانی مرکزی خفیہ پولیس کے محکمہ کی طرف سے ایک فتویٰ تیار کیا گیا جس پر مشرق وسطیٰ اور ہندوستان کے مقتدر علماء سے اس مضمون کے دستخط حاصل کئے گئے، کہ آل عثمان خادم حرمین شریف ہونے کے باوجود برطانوی استعمار سے برسر جنگ ہونے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہیں، مجھے افسوس ہے کہ اس ناپاک تحریر پر یوپی کے دو ممتاز مدرسہ ہائے فکر کے برگزیدہ بانیوں کے بھی دستخط حاصل کئے گئے۔ محض اس افتراء اور کذب بیانی سے کہ دولت عثمانیہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اسلام چھوڑ چکی ہے۔ اور ملت ترکیہ کے شیر دل مجاہدین بیرونی سرمایہ اور عورت کے چکر میں پھنس کر ملت اسلامیہ کو تاخت و تاراج کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک

پنجابی بزرگ نے تو مسلمان فوجوں کو یہ یقین دلا کہ امام ضامن کے تعویذ بھیجے تھے، کہ ترک کافر ہو چکے ہیں ان کی گولی تم پر قطعاً اثر نہیں کرے گی البتہ تمہاری بندوقوں سے داغی ہوئی گولیاں ترکوں کے سینہ پر براہ راست پیوست ہوں گی۔ خواندہ و ناخواندہ مسلم و غیر مسلم خطاب یافتہ گروہ سب کے سب اس کار خیر میں آقا یان دلی نعمت کا پورے مخلصانہ اور سعادت مندانہ طریق پر ہاتھ بٹا رہے تھے پختہ کار اور جہاں دیدہ مناظر و واعظ اور پنڈت سوامی اور گرتھی بھی تمام ملک میں اس محکمہ کے اشارہ پر فرقہ وارانہ مجالس اور مناظرے منعقد کرنے پر مامور کئے گئے۔ تاکہ سادہ لوح عوام اس گورکھ دھندے میں محصور ہو کر اپنے ارد گرد کے حالات پر توجہ دینے کے قابل نہ ہو سکیں اس پر ہی بس نہیں کیا گیا بلکہ اس دراز اور ننگ اسلام طائفہ نے سقوط بغداد پر انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چراغاں بھی کئے، جس میں سرکاری طور پر مسلمان کہلانے والا طبقہ سرفہرست تھا۔ مذہبی بیان کردہ خاکے کے ساتھ غیر ضروری نہ ہوگا۔ اگر یہاں پر چند الفاظ میں اس دور کا سیاسی مرقع بھی چند الفاظ میں پیش کر دیا جائے، تاکہ قارئین معاشرے کے سیاسی و مذہبی خدو خال کو بخوبی سمجھتے ہوئے اندازہ کر سکیں کہ یہ مردِ قلندر کن خوفناک عزائم اور ہلاکت آفریں ماحول سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سعی کرتا رہا۔

”لولاک“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

انقلاب روس، خفیہ معاہدے، اور ان کے نتائج

عالمگیر جنگ کے اختتام پذیر ہونے سے ایک سال پہلے یعنی اکتوبر ۱۹۱۷ء میں روسی مزدوروں اور کسانوں کی متحدہ یورش کے سامنے زار روس کی فلک بوس عمارت غیر متوقع طور پر زمین بوس ہوئی۔ اور دنیا کو پہلی دفعہ یہ باور کرنے کے امکانات واقعاتی حیثیت میں سامنے آئے، کہ اس گئے گزرے دور میں بھی سرمایہ دارانہ جاگیر دارانہ نظام مملکت غریب و بے کس انسانوں کے ہاتھوں زیر و زبر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس خونیں ڈرامہ کے کامیاب ڈراپ سین کے ساتھ ہی دنیا کے سامنے ان خفیہ معاہدات کی نقول بذریعہ اخبارات دیکھنے میں آئیں۔ جن کے مطالعے سے دنیا کے مسلمانوں کو بالخصوص اور کائنات ارضی پر سانس لینے والی مخلوق کو بالعموم یہ ناقابل یقین سچائی نظر آئی کہ دول خارجہ اپنے تمام ادعائے امن گستری اور انصاف پروری

کے باوجود اس حد تک اسلام دشمنی پر اتر کی ہوئی تھیں۔ کہ اس نے ایک ہی وقت میں شریف مکہ کو سیادت عربیہ کے قیام و فروغ کے نام پر یہ یقین دلایا تھا کہ اگر عرب من حیث القوم اس جنگ میں انگریزوں کے حلیف بن کر ترکی کا مقابلہ کریں گے۔ تو دول خارجہ یعنی انگریز، فرانس، روس، اٹلی، اور یونان اس کا اقرار کرتے ہیں، کہ وہ دنیائے اسلام میں ملت عربیہ یعنی سیادت عربیہ کی ایک واحد مملکت کی تدوین و ترتیب کے ذمہ دار و ضامن ہوں گے۔ دوسری طرف عین اسی زمانہ میں شریف حسین کی اولاد سے علیحدہ علیحدہ خفیہ عہد نامے کر کے یہ طے پایا تھا کہ مملکت عربیہ کے نام پر فیصل اور عبداللہ (شریف حسین کے دو بیٹے) شریف حسین کی ماتحتی میں دے دیئے جائیں گے۔ اگر شریف حسین حجاز پر حکومت کرنے سے انکار کرے، تو اس ٹکڑے پر اس کے چھوٹے بیٹے شہزادہ علی کو بادشاہ تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے بدلہ میں شام، فلسطین، فرانس اور برطانیہ کی حکمرانی میں دس سال کے لئے دے دیئے جائیں گے۔ دنیا نے یہ دیکھا کہ گویا عرب من حیث القوم ترکی بھائیوں کی جانوں سے قتل و غارت کی ہوئی کھلتے ہوئے نظر آئے لیکن واقعہ سیادت عربیہ کی وحدت کی بجائے عربستان پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ اور نہ صرف شریف حسین غدار اسلام ناکام و نامراد ہو کر قبرص کے جزیرے میں زہر کی وجہ سے ختم کر دیا گیا۔ بلکہ اس کی اپنی اولاد باپ سے بغاوت کر کے خود بھی اس بے ایمانی اور غداری کا ثمر حاصل نہ کر سکی۔ اس پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ دنیا یہ دیکھ کر اور زیادہ متنفر ہوئی کہ اسی زمانہ میں وزیر خارجہ برطانیہ لارڈ بالفور نے دنیا کے یہودیوں کے سرمایہ اور امداد کو اس شرط پر حاصل کیا کہ دنیائے اسلام کے عین مرکز یعنی فلسطین میں یہودیوں کا وطن بھی بنادیا جائے گا۔ جس کے بعد قیامت تک کے لئے مرکز اسلام میں اس ناسور کی موجودگی میں سیاسی و سماجی ترقی کی تمام راہیں مسلمانوں پر مشکل کر دی جائیں گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یعنی نہ تو عرب من حیث القوم کسی ایک سیادت پر مجتمع ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ کامیابی کے ساتھ اپنی قومی اور مذہبی حریف یعنی مملکت اسرائیل سے دو دو ہاتھ کر سکتا ہے اس صورت حال سے بجا طور پر دنیائے اسلام میں برطانیہ، فرانس وغیرہ کے خلاف نفرت و حقارت کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں نے پہلی دفعہ سنجیدگی کے ساتھ اسلام دشمن قوتوں

کے خلاف سر جوڑ کر سوچنا شروع کیا۔ مصر اور ہندوستان ان تحریکوں کا مرکز قرار پائے۔ اور متفقہ طور پر یہ اعلان ہوا کہ برطانیہ و فرانس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہندوستان اور سویز کے علاقوں کو مکمل طور پر ان کی دستبرد سے مطلقاً آزاد کرنا از بس ناگزیر ہے۔

امرتسر کی عظیم سیاسی تحریکوں میں شاہ جی کی شرکت اور ان کی پہلی گرفتاری

سامعین میں ہمارے شاہ جی کی زیارت کے شوق میں سر تا پا محویت دیکھ کر اتنے میں قائدین کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا، کاروں کی معیت میں یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے مظہر اپنی اپنی جگہوں پر پراجمان ہو بیصدارت کی کرسی پر مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم تھے۔ اور ان کے دائیں بائیں بیٹھنے والوں میں ڈاکٹر مختار انصاری، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، میاں فضل حسین، مسز نائیڈ، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت جواہر لال مولانا محمد داؤد غزنوی، ملک برکت علی، اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو تھے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد حضرت علامہ اقبالؒ نے علی برادران کو مخاطب کر کے وہ قطعہ پڑھا جو ”اسیری“ کے نام سے مشہور ہو چکا ہے۔ اسی اجلاس میں جب برطانوی اصلاحات کو رد کرنے کی قرارداد تحریک وغیرہ کی منازل طے کر چکی تو رئیس احرار حضرت مولانا حسرت موہانی نے رائے شماری سے پہلے شعر میں انگریزوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔

”لولاک“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

جانے پہ ہو راضی تو تیرے سر کی قسم

کر کے چندہ ابھی لے دوں تجھے لندن کا ٹکٹ

اس پر حال تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا، ہمارے شاہ جی کی پر مسرت داد بھی کسی تھی۔ واضح رہے کہ اس وقت شاہ صاحب صرف رسوم پر ہی وعظ کہتے تھے۔ یا دوستوں کی محفلوں میں بذلہ نخی اور لطیفہ گوئی تک ہی اپنے آپ کو محدود کئے ہوئے تھے۔ جس کی دو وجوہات تھیں، اول تو شاہ جیؒ مذہبی و ادبی لٹریچر سے بہت کم شغف رکھنے کی وجہ سے اخبار بینی کی طرف کم راغب تھے۔ دوسرے واعظ و خطیب کی حیثیت میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد

سوئے منزل سوچی سمجھی سکیم کے تحت آپ کا تعلق ایک اس سے اس قدر زیادہ ہو گیا، اور باہمی اعتمادی کی فضا یہاں تک بڑھی کہ نو جوان شاہ جی اس کو اپنا دوست اور بہی خواہ سمجھتے ہوئے اس کی پسند اور ناپسند کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ایک لمبے عرصے تک جاری رہتا۔ لیکن درمیان میں مولانا محمد داؤد غزنوی اور دوسرے سیاسی سوچ رکھنے والے دوستوں سے متبادل خیالات نے اثر چھوڑنا شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں یکا یک خلافت کمیٹی کے شیخ سے مسلمانوں کے لیڈر بن کر سیاسی و مذہبی افتخار پر چمکنا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء میں مسجد خیر الدین کی ایک تقریر کی پاداش میں تین سال کے لئے میانوالی جیل پہنچا دیئے گئے۔ جس کے بعد جیل سے ریل اور جیل کا وہ لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو مسلسل ۱۲ سال تک جاری رہا۔ میرے خیال میں شاہ جی وہ منفرد زعمیم تھے، جو امراء کی کوٹھیوں میں بہت کم اور غرباء کی جھونپڑیوں میں بہت زیادہ قیام میں راحت محسوس کرتے اور شاید اس خصوصیت میں اپنا کوئی مد مقابل نہیں رکھتے تھے۔ ان سے زیادہ کسی قومی کارکن یا قائد نے سفر نہیں کیا۔ اور اگر کیا ہے تو یقیناً اس کے تجربے میں وہ تمام نئے اور پرانے طریقہ ہائے سفر شامل نہیں تھے۔ پیدل سے لے کر اونٹ، گدھا، گھوڑا، موٹر کار، موٹر بس، ریل، بیل گاڑی اور موٹر چھکڑے سب کے سب آپ سے مشن کی تکمیل میں استعمال کئے گئے آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ شاہ صاحب نے عام طور پر تھرڈ کلاس کے سفر کو پسند کیا۔ سیکنڈ یا فرسٹ کلاس میں کبھی سفر اختیار نہ کیا، نہ ہی آپ نے کبھی ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کو ترجیح دی۔ بلکہ عام طور پر دوستوں کو یہ کہہ کر اس سفر سے روکتے رہے ”کہ میاں یہ تو صریح ہلاکت ہے بھلا اس کو موت کہا جاسکتا ہے، جہاں گورو کفن تو ایک طرف سرے سے لاش کا پتہ نہ ہو“ اس قسم کے جفاکش، مخلص اور اپنی دھن کے پکے خادم اب کہاں ملیں گے۔

بقول حضرت اقبالؒ

آئے عشاق، گئے وعدہ فردا لے کر

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

”لولاک“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

رولٹ ایکٹ

یہاں پر عرض کر دینا غالباً غیر ضروری نہ ہوگا کہ پہلی جنگ عظیم کی بناء پر ہندوستان کی ایک خاصی تعداد کو مختلف حیثیتوں میں بیرون ملک جنگی خدمات کے سلسلہ میں باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ جس کی وجہ سے ان کو دوسرے ملکوں کے سیاسی و سماجی تقاضوں اور ان سے وابستہ فکر و نظر سے نہ صرف واقفیت ہوئی بلکہ خاطر خواہ طور پر متاثر بھی ہوئے، جو برطانوی نوکر شاہی نظام کے مقتضیات کے لئے بہت حد تک ناخوشگوار اور ناپسندیدہ تھا۔ اس لئے وائسرائے اور ان کی کونسل نے برطانوی استعمار کو آنے والے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے وزیر ہند کی وساطت سے رولٹ کمیشن کے نام پر ایک ایسے انتظامی ڈھانچے کی تیاری کی داغ بیل ڈالی جو اگرچہ بدلے ہوئے حالات کے مقابلہ میں قطعی طور پر قدامت پسند نہ تھی۔ پھر بھی رولٹ ایکٹ کا نام دے کر اس کو ہندوستان کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی، اور تحریر و تقریر پر اس قسم کی ناقابل برداشت پابندیاں عائد کی گئیں۔ جن کی مخالفت کو قومی مطالبہ کی حیثیت سے گاندھی جی نے ملک گیر عوامی تحریک کی بنیادیں استوار کیں۔

”لولاک“ اہل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

چنانچہ اگست ۱۹۱۸ء میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں سب سے پہلی عام ہڑتال کی گئی اور ہندو مسلم اتحاد کو عام صورت دینے کے لئے عام طور پر مساجد میں مشترکہ جلسے کئے گئے۔ جن میں ممتاز ہندو لیڈروں نے بھی تقریریں کیں، جن میں آزادی ملک کے ساتھ ساتھ پنجاب کے مظالم کی تلافی، رولٹ ایکٹ کی تہ تیغ اور مسئلہ خلافت میں مسلمانوں کی تائید وغیرہ معاملات متفقہ ملکی مطالبات کی حیثیت میں پیش کیا گیا۔ ملک کی سیاسی فضا میں یکا یک ایک گونہ ارتعاش اور گرمی پیدا ہوئی جس سے متاثر ہو کر مسلمانان ہندوستان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پہلی دفعہ اپنے بہترین دل و دماغ مفکر کارکن اور رضا کار پروانہ وار اس میں دھکیل دئے یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک میں عوامی تحریک محلات اور کوٹھیوں سے نکل کر، غریبوں کی جھونپڑیوں، مساجد، پاٹھ شالاؤں اور گوردواروں تک پہنچ گئی۔ ایسے ہمہ گیر جذباتی دور سے ناممکن تھا کہ ہمارے شاہ جی متاثر ہونے سے بچتے رہتے۔

چنانچہ ۱۹۱۶ء، ۱۹۱۹ء کا خطیب اور واعظ تمام آسائشوں اور آسودگیوں کو تیاگ کر یوانہ دار میدان عمل میں اس بے جگری کے ساتھ کودا کہ سلف کے بزرگان عزیمت و استقلال کی قربانیوں کی تاریخ کو ایک نعرہ مستانہ سے اجاگر اور روشن کر دیا۔

عمر یست کہ افسانہ منقور کہن شد

من از سر نو جلوہ دہم دارو رسن را

حضرت شاہ صاحب کی حیات طیبہ کے کن کن محاسن کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے سیاسی اور مغربی مدوجز میں وہ کون سا مقام آیا جہاں قلب صادق کے لئے کلمہ حق کو اونچی سے اونچی آواز میں بلند کرنے کی ضرورت ہوئی اور ہمارا شیر نتائج سے یکسر بے نیاز ہو کر وقت کے فرعونوں اور نمروؤں سے نبرد آزماء ہونے کے لئے سب سے اونچے مقام پر نہ دیکھا گیا ہو آزادی کی جنگ ہو یا انگریزوں کی اسلام دشمنی کے خلاف جہاد سردار دو جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے ناموس پر حملوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی ہو یا بانی مذاہب کی عزت کا تحفظ قانونی اعتبار سے ممکن بنایا جاسکے شاہ جی کا عمل سرخروئی کے لباس میں معاصرین میں سب سے زیادہ افضل اور روشن تر نظر آتا ہے راج گوپال تحریک ہو، یا مغل پورہ ایچی ٹیشن، گوند کے مفلوک الحال زخمی انسانوں کی خدمت اور امداد ہو، یا بے کس مظلوم مسلمانان کشمیر پر ڈوگرہ شاہی مظالم، انتخاب کی ریل پیل ہو یا تحفظ ختم نبوت کے لئے جان کی بازی غرض یکہ ہر مقام اور ہر منزل پر حضرت شاہ صاحب قافلہ سالار کی حیثیت میں رجز خوانی کرتے ہوئے ملے اور ساتھیوں اور جانبازوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ سزا کو ہستے ہوئے قبول کرتے ہوئے نظر آئے۔

چنانچہ جانبازی اور سرفروشی کے ایک ایسے ہی تاریخی واقعہ پر ایک شاعر کا یہ شعر کس قدر موزوں اور برجستہ نظر آتا ہے۔

ایں است کہ خوردہ و دل بردہ بے را

بسم اللہ اگر تاب نظر نیست کسے را

”لولاک“ لائل پورہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

امیر شریعت کی عوامی زندگی

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یسین تھے۔ مگر کبھی اس پر فخر نہیں کیا۔ بلکہ جن اضلاع میں ماضی میں سادات عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، اور ان سے اپنے سجدے کراتے۔ وہاں شاہ جی نے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر حالات کو اعتدال پر لانے کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سعی مشکور فرمائی آپ نے اوروں کی طرح بھیجی اپنے لئے چار پائی یا کوئی اور جگہ مخصوص نہیں فرمائی اور نہ ہی ذات پات کی وجہ سے کسی کو حقیر جانا۔

آپ کو اپنے دوست اور رفیق کار چودھری افضل حق مرحوم کی طرح اس بات سے چڑھتی کہ اہل صنعت و حرفت اور پیشہ وروں کو کیوں کمین کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے کتنوں کو اسلامی مساوات کا قائل اور اسلام پر مائل فرمایا۔

1932ء میں پنجاب پروانشل احرار کانفرنس امرتسر میں تبلیغی اجلاس کی صدارت فرماتے ہوئے آپ بعض بھٹیوں سے اپنی مبلغانہ گفتگو اور اسلامی دلکشی پر تقریر فرما رہے تھے کہ اونچے سٹیج پر یکا یک ایک مجذوب چڑھ کر آپ سے لپٹ گیا۔ آپ نے اس کو گلے لگا کر فرمایا۔

خاکساران جہاں را بکھارت منظر

اس وقت حال قال کے مطابق اور شاہ صاحب کی روح پرور تبلیغ کا مجمع پر کیا اثر تھا ، بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ہمیشہ عام مسلمانوں کو اپنے ساتھ بٹھایا کھلایا۔ سب کی باتوں پر کان دھرا۔ سب کا احترام کیا اور سب کے دلوں میں گھر کر لیا۔ آپ کی تشریف آوری کی

اطلاع ہوتے ہی عوام، خواص اس طرح آپ کے گرد جمع ہو جاتے جیسے شمع پر پروانے۔ آپ و برے کاموں سے تو نفرت رہی۔

لیکن برے آدمیوں سے آپ نے کبھی نفرت نہیں کی بلکہ ان کو نہایت بیٹھے اور اطفیف طریقے سے اپنے قریب کرتے یہاں تک کہ وہ ”کائنہ ولی حمیم“ کے مصداق ہو کر جان و دل سے فدا ہونے لگتے۔

تبلیغی دورے

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت اچھی صحت اور بہترین سڈول جسم عنایت فرمایا تھا آپ اس نعمت کا بہتر شکر ادا کرتے رہے تقریباً چالیس سال پہلے بعض اضلاع کی یہ حالت تھی کہ مہاجن ہندوؤں کے ہاتھ سے مقروض اور خستہ حال مسلمانوں کی آبرو بھی محفوظ نہ تھی۔ ان پر اٹھ مسلمان رسوم و بدعات کے جال میں پھنسے ہوئے اسراف کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں تباہ تھے۔ حضرت شاہ صاحب گرم مہینوں میں اونٹ گھوڑے کا یا پیدل سفر چالیس پالیس میل دور گاؤں کا کرتے اور ان کو اسلام سکھاتے ہوئے مشکلات سے نجات دینے کی کوشش کرتے۔ بعد میں بھی حضرت شاہ صاحب نے کبھی فٹ کلاس یا سیکنڈ کلاس کے سفر کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی غریبوں کی روکھی سوکھی روٹی کی بے قدری کی۔ آپ اپنی بہترین صحت کو صبر آزما تبلیغ اور طوفانی دوروں کے لئے استعمال کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب کا علم اور فہم قرآن

قدرت نے آپ کو جو فہم و ذکا، موطا فرمایا تھا وہ شاذ و نادر ہی کسی کو میسر ہوتا ہے خاص کر قرآن کا فہم اور اس کا بیان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اردو یا پنجابی میں قرآن نازل ہو رہا ہے۔ آپ کو شاہ عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے بے حد دلچسپی تھی۔ آپ فرمایا کرتے کہ قرآن پاک کی کما حقہ قدر نہیں کی جاتی جتنا زور دوسرے علوم پر دیا جاتا ہے اتنا قرآن پر نہیں دیا جاتا۔ بعض جلسوں میں آپ دو پارے کے قریب آیتیں پڑھ ڈالتے۔ ہزاروں حاضرین جہاں آپ کے معارف و لطائف پر جھومتے وہاں نفس تلاوت قرآن پاک سے بھی مست ہو جاتے۔

ہر ایک یہی چاہتا کہ شاہ جی اور قرآن پڑھیں۔ مشکل مسائل کو آسان زبان میں سمجھانا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مگر باوجود اس کے کبھی اپنے کو عالم نہیں کہا۔ ہمیشہ اپنے کو علماء کا خادم ہی سمجھا۔ کسی مینڈے یا اجلاس میں جب کوئی عالم اظہار خیال کے لئے کھڑا ہو جاتا تو حضرت شاہ صاحب اس خیال سے کہ یہ حضرت انور شاہ قدس سرہ کا شاگرد ہے ہم تن گوش متوجہ ہو جاتے۔ حضرت انور شاہ صاحب کا دلی احترام ایسے ہی بزرگ کر سکتے تھے ماوٹھان کو کیا سمجھیں آپ نے بعض مجالس میں اس امر کو ظاہر کیا کہ لاہور میں بیعت جہاد کے وقت جب میرا ہاتھ حضرت محدث شہیدی انور شاہ کے مبارک ہاتھوں سے ملا اس وقت بدن کے ذرے ذرے کی جو کیفیت تھی وہ ناقابل بیان ہے۔ تحریک ختم نبوت کے ممتاز راہنما اور آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب اشعر فرماتے تھے کہ شاہ جی نے مجھے خود فرمایا کہ مولوی عبدالحق جب ملائم انور شاہ صاحب نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تو میرا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا (حضرت ماوٹھان انور شاہ صاحب بھی جو بری تھے۔

انہوں نے بھی جو ہر قابل دیکھ کر ہی آپ کو امیر شریعت بنایا جس کو آپ نے بفضلہ تعالیٰ نبھایا اور خوب نبھایا اس مبارک نام اور خطاب کی لاج رکھی۔ جہاں شریعت پر حملہ ہوا آپ سرکوبی کے لئے جا پہنچے۔ کسی طاغوتی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ انتہائی تواضع و انکسار کے باوجود عزت نفس اور خود داری کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا سینکڑوں عربی مدارس بنانے یا چلانے۔ ان کے لئے لاکھوں روپے جمع کر کے دیئے ہر عربی مدرسہ کو آپ کا تعاون حاصل تھا۔ مراپنی حاجت کا حق کے سامنے پیش کرنا تو درکنار کسی کے سامنے کبھی اظہار بھی نہیں کیا۔

مجلس احرار اور مسئلہ کشمیر

اور جب کانگریس سے اختلاف رائے ہوا اور ادھ خلافت کمیٹی کے دستور سے یہاں آپ نے اپنے رفقاء کا رسواانا ظفر علی خاں پوڈھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمن، مولانا شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، غازی عبدالرحمن، مولانا محمد داؤد صاحب نونوی اور مولانا مظہر علی اظہر سے مل کر مسلمانوں کی بالکل علیحدہ تنظیم مجلس احرار اسلام قائم فرمادی۔ جس کے صرف دو مقاصد تھے۔ آزادی وطن اور اسلام کی حفاظت۔ یہی دو مقاصد آپ

کی مجاہدانہ بردوش۔ کے محو رہے۔ اگر احرار اسلام یہ مجاہدانہ اقدام نہ کرتے تو فرنگی کی دو دھاری تلوار پہل گئی تھی کشمیر کی شورش سے وہ مہاراجہ پر دباؤ ڈال کر گلگت کو اپنی تحویل میں لینا چاہتا تھا یہ بات تو ہر شکل میں ہونی تھی۔

مگر دوسرا مقصد زیادہ خطرناک تھا کہ ڈوگرہ شاہی کے مقابلہ کے لئے مسلم جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک کشمیر کمیٹی بنادی گئی تھی جس کا صدر مرزا محمود قادیانی و مقرر کیا گیا تھا اگر کشمیر کی مہم اس کی صدارت میں چلائی جاتی تو وہ آئینی حدود تک نہ رہتی۔

جس سے ایک تو کشمیری مسلمانوں کے پس جانے کا خطرہ زیادہ تھا دوسرے کشمیری مسلمانوں کو سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے یہ باور کرایا جاتا کہ تمہارے نجات دہندہ مرزا محمود قادیانی ہیں پھر ان کی روحانی خلافت کا سکہ جمایا جاتا۔ اور کشمیر کے بہت سے خطوں کے مرتد ہونے کا خطرہ لاحق ہو جاتا۔

مگر بخاری کے جہاد نے اس اسکیم پر پانی پھیر دیا۔ مرزا محمود کی کمیٹی دھری کی دھری دھنی اور کشمیری مورچہ پر غازیان احرار جادوڑے۔¹

دوسری خدمات

کشمیر کے علاوہ اور بھی جہاں اسلام کے لئے ضرورت پڑی امیر شریعت پہنچ گئے جہاں سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰت کی عزت و ناموس کا سوال آیا آپ نے بعد اپنی جانباز جماعت احرار کے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ ”رنگیلا رسول“ نامی کتاب کے خلاف آپ نے سارے ملک میں آگ لگادی مسئلہ نبوت کی حفاظت کے لئے قادیان میں مرکز قائم کر کے مرزاہیت کے لئے سد سانداری کھڑی کر دی اور جب لکھنؤ میں تمام انسانی تقاضوں کے خلاف تبرائیگی میشن شروع ہوا تو آپ نے انتہائی رواداری کے باوجود ”تحفظ ناموس صحابہ“ کے لئے وہاں مدح صحابہ کا مورچہ قائم کر لیا۔ جب سنٹرل اسمبلی میں ایک ہندو کی تحریک پر ساردا ایکٹ پاس ہوا جس کی رو سے نابالغ لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا آپ نے تمام علماء کی متفقہ رائے سے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ غرضیکہ فرنگی اقتدار سے برسر پیکار ہونے کے باوجود آپ

نے دوسرے دینی فرائض کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

مجلسِ احرار کی خصوصیات

حضرت امیر شریعتؒ کے اوصاف کے اثرات آپ کی جماعت احرار میں نمایاں طور پر ظاہر تھے۔ بعض جماعتوں میں قیادت (لیڈر شپ) بہتر ہوتی ہے۔ مگر ممبر اور رضا کار کمزور ہوتے ہیں۔ بعض جماعتوں میں رضا کار بہادر ہوتے ہیں۔ مگر لیڈر بزدل اور بے کار ہوتا ہے بعض میں دونوں کا حال پتلا ہوتا ہے۔ مجلس احرار اسلام پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل رہا کہ اس کو رہنما ملے تو مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی چودھری افضل حقؒ اور امیر شریعتؒ جیسے ملے، اور رضا کار ملے تو ایسے جانثار وفادار اور بہادر کہ ہمیشہ کفن بردوش اطاعت کے لئے تیار رہتے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب امیر احرار تھے جو جری اور جرار تھے متقی اور پرہیزگار تھے۔ چودھری افضل حقؒ صاحب جماعت کے دماغ تھے۔ انتہائی ملنسار اور قدردان تھے۔ آغا شورش کاشمیریؒ کی خاصانہ خدمات۔ شہید گنج کے زمانہ میں دیکھ کر چودھری صاحب ہی نے ان کو چھاتی سے اکایا۔ اور آگے بڑھایا۔ اور وہ بھی خوب بڑھے۔ امیر شریعتؒ بظاہر تو جماعت کی زبان تھے۔ مگر دراصل وہ روح رواں تھے۔ ان کی خداداد مقبولیت پر جماعتی وسعت و طاقت کا بہت کچھ انحصار تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا مشن پاکیزہ مشن تھا۔ ان کے رفقاء، کار اور رضا کار ملک میں بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود مخلص اور پُر جوش کارکن ہیں اور ان کے دل جڑے ہوئے ہیں۔ دراصل حساس و دیندار مسلمانوں کی ایک برادری ہوتی ہے جو ہر آڑے وقت میں اٹھی ہو جاتی ہے ان بزرگوں کے دامن سے وابستہ ثانوی درجہ کے رہنما سارے ملک میں موجود ہیں جو اپنی اپنی جگہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔

کانگریس مسلم لیگ اور شاہ صاحب

غلامی کے زمانہ میں اہل ملک کے سامنے ایک ہی سوال تھا کہ فرنگی اقتدار کی انت لو کیسے ملک بدر کیا جائے۔ کانگریس میں عرصہ تک مسٹر محمد علی جناح بھی شامل رہے لیکن جو نہی آزاد ہندوستان کا موبوم سا تصور سامنے آنے لگا۔ انگریز کی جگہ لینے والی حکومت کی تشکیل کا سوال

بھی زیر بحث ہونے لگا۔ ہندو مسلم کی متوقع مشترکہ حکومت میں اس وقت مسٹر محمد علی جناح کے پودہ نکات کو مسلم مفادات کے تحفظ کے لئے کافی سمجھا گیا۔ مگر ہندوانہ تنگ نظری کی وجہ سے دن بدن اس بحث کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب فرنگی اقتدار کا خاتمہ آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگا۔ مسلم لیگ نے مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں علیحدہ مسلم حکومت کا مطالبہ کر دیا جس کا نام پاکستان تھا اور یہ بھی کہا کہ اس سے کم پر کسی صورت میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف گاندھی جی نے کہا کہ ملک کو تقسیم کرنا گنہگار کی بونیاں کرنا ہے اس وقت سیاسی بحران پیدا ہو گیا۔

مسلم مجاہدین آزادی

آزادی کی جنگ جس میں مسلمانوں کی شرکت سے جان پڑی تھی اس میں لڑنے والے مسلمان رہنماؤں کی ذہنیت یہ تھی کہ فرنگی نے ہندوستان کی قوت و طاقت کے بل بوتے پر تمام عالم اسلام آزاد ہو سکے گا اپنے ملک سے انگریزی غلبے کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ حساس مسلمانوں کو تمام عالم اسلام کی آزادی کا خیال رہتا اور اسی لئے ہر قیمت پر ہندوستان کی آزادی کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چودھری افضل حق صاحب مرحوم فرمایا کرتے کہ ہندوؤں کو چکمہ دے کر بھی ساتھ ملا سکو تو بھی نفع کا سودا ہے چاہے یہاں ہماری حاکمانہ شان میں کمی بھی رہے مگر عالم اسلام کی آزادی خود ہمارے عزت و وقار اور رعب کا ذریعہ ہوگی اور اتنے اسلامی ممالک کی کفر سے گلو خالصی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ بس یہی ایک مسئلہ تھا جس کی وجہ سے مسلم یاسین ہر اس بات کو پسند نہ کرتے تھے جس سے اختلاف اور خانہ جنگی زیادہ ہو کر آزادی کا مسئلہ لمسانی میں پڑ جانے کا احتمال ہو۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسٹر جناح اور گاندھی اپنی اپنی بات پر قائم رہے تو ہمیں فرنگی کی عمر دراز نہ ہو جائے وہ ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ پر عمل کرتا رہے گا اس لئے انہوں نے تقسیم کے نام پر پڑنے کی مخالفت کی۔ ان کے نزدیک عالم اسلام کی آزادی کے ساتھ ہندوستان کے اندر اتنا تحفظ کافی تھا کہ مرکز میں پنچالیس پنچالیس فی صد سینیٹیں ہندو مسلمانوں کو ملیں۔ مرکز کے پاس صرف مشترکہ دفاع، مواصلات اور سیاست خارجہ ہو۔ اور صوبہ بجات کو باقی امور میں عمل آزادی ہو تا کہ مرکز ان میں مداخلت نہ کر سکے کانگریس اس پر راضی ہو چکی تھی۔ آزاد خیال مسلمان اس کو کافی سمجھتے تھے مگر مسلم لیگ نے تقسیم سے کم کوئی بات قبول نہ کی۔

ہندوؤں کی تنگ نظری کی وجہ سے مسلمانوں کی رائے عامہ دن بدن مسلم لیگ کے حق میں ہوتی جا رہی تھی۔ مگر فرنگی دشمن بخاری نے جس بات کو انگریز کے اخراج کے لئے زیادہ مفید سمجھا اسی پر قائم رہے۔

انگریز پر مار

یہاں تک کہ 1939ء میں انگریز پر خدائی مار پڑی یعنی دوسری جنگ عظیم چھڑ کر لندن کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور جب جنگ عظیم ختم ہوئی برطانیہ ہندوستان کو غلام رکھنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اس نے جلد از جلد آزادی دینی چاہی ادھر مسلمانوں کی اکثریت نے الیکشن میں مسلم لیگ کی وساطت سے تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جس کی وجہ سے پاکستان ہندوستان وجود میں آ گئے۔ اگر فرنگی پر جنگ عظیم کی مار نہ پڑتی ممکن ہے کہ وہ مذکورہ بالا بیان کے مطابق دونوں قوموں کو لڑا کر حکومت کرتا رہتا۔ مگر بھگت اللہ تعالیٰ کہ وہ مار کھا کر آزادی دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس سے آزادی پسند مسلمانوں کا نظریہ ناکام رہا۔ مگر اس نظریہ کا مقصد کہ کسی طرح انگریز جلدی نکل جائے پورا ہو گیا۔



www.ahlehaq.org

عادات و خصائل

آغا شورش کشمیری لکھتے ہیں۔

شاہ جی خوبصورت عادتوں کے ایک دلفریب انسان تھے۔ قرونِ اولیٰ میں ہوتے۔
تو صحابہ کی صفِ اول میں ہوتے۔ اور کربلا میں ہوتے تو شہدا کے ساتھ شہید ہوتے، ان کی
درویشی اور فقیری میں بوئے اسد لگتی بھی تھی، اور غیرت شبیری بھی..... وہ ابوذر غفاریؓ سے
طرحِ املاک پیدا کرنے کے ہر طریق کو ناجائز سمجھتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
بے پناہ ارادت رکھتے تھے..... عہدِ عتیق کے روم و یونان میں ہوتے، تو عجب نہ تھا کہ سقراط کی
طرح انہیں بھی زہر کا پیالہ پینا پڑتا ویدوں کے ہندوستان میں ہوتے تو ہمالیہ کے غاروں میں
رشیوں کے ساتھ قدم ملا کر چلتے، اور گیتا کے ورق اچھالتے پھرتے، یا پھر کوتم بدھ کے ساتھ
ہوتے جن کی یادیں ایلورا اور اجنتا کے محیر العقول غاروں میں نہ ہننے والی خطابت کا شاہکار
محسوس ہوتی ہیں۔

عجیب و غریب تصویری مرقع

شاہ جی ایک عجیب و غریب تصویری مرقع تھے۔ ان کے چہرے پر فقرائے اسلام کا
طنطنہ اور دانشورانِ یونان کا ہمہ ہالہ لئے ہوئے تھا۔ آدمی ان کے نزدیک آکر اور نزدیک ہو
جاتا تھا۔ ان کے مخالف وہی لوگ تھے، جو ان سے دور رہے تھے، یا پھر انگریزوں کے پٹھو،
مسلمانوں کے دشمن اور قادیانیت کے قبیح، وہ نور کا تڑکا تھے اندھیری رات اس کی گرفت میں

آکر فتر ہو جاتی ہے..... پھر اوس کا قطرہ تھے، غنچوں کا منہ دھالتے اور پھول کھلاتے تھے ان کی ماد میں جو ان کے انفاس کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں، اتنی سادہ اور عجیب تھیں کہ عظیم کتابی انسانوں کے سوا ان کا وجود فی زمانہ شاذ ہی ملتا ہے۔ مثلاً:-

ان کا سب کچھ ماضی کا مرہون منت

(1) وہ مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے۔ ہر چیز کو اللہ کی رضا کے تابع سمجھتے حال سے انہیں بس اتنا ہی تعلق تھا کہ اس کو جھنجھوڑتے، اس پر کڑھتے یا کبھی کبھار اس پر قہقہے لگاتے تھے، البتہ وہ ماضی کے انسان تھے، امور ماضی ہی سے محبت کرتے تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، سوچنا سمجھنا، بولنا ہنسنا، سب ماضی کا مرہون اثر تھا۔ اور اسلام کے ماضی کے سوا کسی بھی ماضی کے قائل نہ تھے..... وہ تہمند اس لئے باندھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہمند باندھا کرتے تھے، وہ کسی بھی غذا کے عادی نہ تھے۔ ساگ ستو جو ملا، خدا کا شکر کیا اور کھالیا۔ میں نے ہری مرچوں کی رغبت کے سوا ان میں کسی شے کے لئے رغبت نہیں پائی، انہیں بغیر پکائے بھی کھا جاتے، اور قیمے میں بھون کر بھی۔

نھنڈ اپانی کثرت سے پیتے، بلکہ تقریر کرتے وقت تھرماس بھی ساتھ رکھتے تھے، اور برف ہی چباتے چلے جاتے، ان کا گلاب رباب سے اور کھلتا، بلکہ کرارا ہوتا تھا۔

اکثر فرش ہی پر بستر کھول کر سو جاتے، یا پھر کھر در کی چار پائی پر۔ وضو کے لئے لوٹا ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ جب پان کھانے کی عادت پختہ ہو گئی، تیلیوں کی ایک غریب الحال نوکری میں پانوں کی رکھولی، چونا، کتھا اور سپاری کی گولیاں، کھدر کے ٹکڑوں میں پیٹ لپاٹ کر رکھتے تھے۔

نماز ان کی فطرت ثانیہ

سحر خیز تو تھے ہی، یعنی صبح کی نماز قضا نہ ہونے دیتے۔ نماز ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ مگر رات گئے دیر سے سوتے، اور یہ ان کی فطرت ثانیہ ہو چکی تھی جلسوں میں آخری مقرر وہی ہوتے، اور ان کا کوئی جلسہ بارہ ایک بجے رات سے پہلے ختم نہ ہوتا تھا، اور صبح ہو جانا تو عام

معمول تھا۔ جلسہ ختم ہو جانے کے بعد بھی عقیدت مندوں کا جھوم گھنٹہ دو گھنٹہ گھیرے رکھتا۔ جس روز جلسہ نہ ہوتا، یا گھر پہنچتے، تو محفل آرائیاں فرصت نہ دیتیں۔ وہی دو بجے شب کا سونا مقدر ہوتا۔ البتہ رمضان شریف کے مہینے میں یہ معمول نہ رہتا۔ تراویح پڑھ چکنے کے بعد محفل جماتے اور سحری سے کچھ ہی وقت پہلے ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔ آخری برسوں میں حال یہ تھا کہ صحبت آرائیاں بالکل مختصر کر دی تھیں۔ وقت کا بڑا حصہ یاد الہی میں بسر کرتے، بلکہ صورت حال یہ تھی کہ عبادت کے لمحے قریب ہوتے، تو دوستوں سے کہتے۔ کہ بھائی میری گدائی کا (یعنی اللہ سے مانگنے کا) وقت ہے۔ محفل برخاست ہونی چاہئے۔ پھر خود ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔

فقر و استغنا کی سچی تصویر

(3) ہمیشہ ہی موٹا جھوٹا پہنتے، گھر میں بھی یہی حال تھا۔ فقر و استغنا کی سچی تصویر تھے۔ مغربی تہذیب کے خفی و جلی اثرات کا سایہ بھی ان سے میلوں دور رہتا۔ میں نے ان کے گھر میں مغربی مصنوعات، مغربی تصورات اور مغربی نظریات کا گذر تک نہیں پایا۔ ان کی فرنگ دشمنی اور یورپ بیزاری کا یہ عالم تھا، کہ بس میں ہوتا تو اپنے گھر میں بجلی اور پنکھا بھی نہ لگواتے۔ ان دو چیزوں کے سوا میں نے ان کے ہاں کبھی کوئی یورپی چیز نہ دیکھی۔ ریڈیو کے وہ اتنے مخالف تھے کہ سینکڑوں مرید تھے۔ جنہوں نے ریڈیو سیٹ پیش کرنا چاہا، مگر جھنجھلا کر انکار فرما دیا (اور فرمایا) گھر میں استاد جی لانا چاہتے ہو؟

(4) راقم الحروف نے عرض کیا، شاہ جی زمانہ بہت بڑھ چکا ہے اپنے بچوں کو انگریزی مدرسوں میں داخلہ لے دیں، انگریزی کے بغیر تعلیم مکمل نہیں ہوتی، زمانہ کا تقاضا ہے، فرمایا بابا مجھے معاف رکھو میں اس زمانہ کا آدمی نہیں۔ تم مجھے محمد قاسم نانوتوی اور محمود الحسن دیوبندی روحوں سے بغاوت کرنے کی ترغیب دیتے ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے، کہ تمہارے بچے مرجائیں۔ یا اپنے ہاتھوں بچوں کو قتل کر دو۔

انگریزوں سے نفرت

(5) انگریزوں سے نفرت کا یہ عالم تھا، کہ ”لعنت برپدر فرنگ“ ان کا نعرہ قلندری تھا، اور موڈ میں آکر اس زور سے بلند کرتے تھے، کہ درود یوار گونج اٹھتے تھے۔

عیب بنی سب سے بڑا عیب

(6) کبھی کسی شخص کی غیبت نہیں کی۔ نہ دشمن کی نہ دوست کی۔ صرف خیالات سے اختلاف کرتے یا ان پر سخت قسم کی جرح و قدح۔ ان کے نزدیک عیب بنی سب سے بڑا عیب تھا۔ جس شخص کی قومی غداری پر طبیعت منغض ہوتی، فرماتے جو فصل بوئی ہے، دعا کرتا ہوں کہ خود کاٹ کے مرے..... میں نے ان کی زبان سے کبھی کوئی گالی نہیں سنی، البتہ فرنگیوں اور ان خانہ زادوں (قادیانیوں) کے بارے میں درشت سے درشت الفاظ بھی کہہ جاتے تھے۔

جماعت سے ایک دمڑی نہ لی

(7) بظاہر ان کا کوئی کاروبار نہ تھا، ان کے خاص معتقدین ان کی مدد فرماتے تھے۔ مگر نہ تو کبھی چھپ کر ہدیہ قبول فرماتے اور نہ اس پردہ پوشی ہی کے قائل تھے۔ جب کوئی مٹھی بند کر کے کچھ دینا چاہتا، تو مٹھی کھول دیتے، کہ چھپاتے کیوں ہو، کیا چوری کا مال ہے؟ جماعت سے ایک دمڑی نہ لیتے، یہ واقعہ ہے، کہ انہوں نے کسی جماعت سے کبھی نہ کرایہ وصول کیا، نہ وظیفہ لیا، نہ قرض حسنہ اور نہ اعانت قبول کی..... ان کے مداح انہیں خود ہی بے نیاز رکھتے، اور وہ ہر لحاظ سے بے نیاز تھے..... ع

جو بے نیاز کا بندہ ہے بے نیاز رہے

(8) ان کے پاس ایک بہت پرانا بٹوہ تھا، جو ملتان کے ایک مجذوب نے دے رکھا تھا، یا بٹوہ ان کا اپنا تھا۔ مگر اس میں کچھ دھیلے اور پائیاں پڑی تھیں، جو اس مجذوب نے دی ہوئی تھیں انہیں بٹوہ میں تبرک رکھ چھوڑا تھا، فرماتے ان کی برکت سے بٹوہ کبھی نالی نہیں رہا۔

اصل چیز عقیدہ

(9) فرماتے جو لوگ روٹی کے لئے جدوجہد کرتے اور اسی کے لئے چپتے ہیں، ان میں اور ایک کتے میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی روٹی کے لئے بھونکتا اور دُم ہلا کر مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ روٹی کوئی چیز نہیں اصلی چیز عقیدہ اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دھن ہے۔

محرم کے دنوں میں باجا بجوا کر تعزیہ نکالنا

(10) مذہبائے مسلمان اور بہ لحاظ مسلک ”حنفی العقیدہ“ تھے۔ دیوبند کے مدرسہ کے پیرو۔ لیکن طبیعت میں کسی کے لئے تنفر نہ تھا۔ ہر فرقے کی اچھائیوں سے محبت کرتے، مرزائیوں کو تو مسلمان ہی نہ سمجھتے تھے..... صوفیاء اور اولیاء کرام کا بے حد احترام کرتے، اور مزے میں آ کر فرماتے، بھئی میں تو چشتی بھی ہوں، نقشبندی بھی، قادری بھی، صابری اور سہروردی بھی..... مولانا داؤد غزنوی نے شکایت کی، کہ مظہر علی اظہر اپنے بیٹے قیصر مصطفیٰ کی شادی پر باجا بجوا رہا ہے، فرمایا بھئی ان سے گلہ نہ کرو، وہ تو محرم کے دنوں میں باجے بجوا کر تعزیہ نکالتے ہیں۔

اپنے دائرہ سے باہر دعوتوں میں عدم شرکت

(11) اپنے دائرہ سے باہر عام مجلسی دعوتوں میں شاذ ہی شریک ہوتے تھے، میں نے انہیں اپنے بھائی یورش کاشمیری کے لئے دعائے مغفرت مانگنے کو کہا، تو فرمایا۔ اچی چھوڑو! اس ننھی کلی سے کون حساب لے گا۔ خدا ہماری اور تمہاری طرح تھوڑی ہے۔ قیامت کے روز چنگیز، ہلاکو، ہٹلر، موسولینی وغیرہ کا حساب ہی لمبا ہوگا۔ ہاں شاں سے کون پوچھتا ہے۔

(12) وعدہ بہر حال پورا کرتے، سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں فرماتے۔ لیکن وقت کی پابندی ان کے بس کا روگ نہ تھا، جلسہ میں دیر سے پہنچتے، اور جس کے ہاں جا کر ملنا ہو وہاں وقت مقررہ کا دو چار گھنٹے اوپر ہو جاتا تو معمولی بات تھی۔

(13) ان کے پاس کوئی وسیع لائبریری نہ تھی بلکہ تھی ہی نہیں۔ فرماتے ایک قرآن کے سوا میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ ابتداء بعض کتابیں پڑھی تھیں، پھر مطالعہ کا یہ ذوق کچھ دنوں

ساتھ رہا۔ آخر قرآن پاک ہی کو رفیق بنالیا۔ مولانا محمد طفیل منگلوری کی کتاب ”مسلمانوں کا روشن مستقبل“۔ ایک زمانہ میں ساتھ رکھتے اور ساتھیوں کو اس کے پڑھنے کا مشورہ دیتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ”الہلال“ ظفر علی خاں کا ”ستارہ صبح“ انہوں نے ڈوب کر پڑھے تھے۔ علامہ اقبال کے کلام کا بڑے انہماک سے مطالعہ کیا تھا۔ ”بال جبریل“ تو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے۔

(14) اپنی ذات کی ہر حال میں نشی کرتے، اور جماعت کے دوستوں یا جماعت سے باہر کے انگریز دشمنوں کے قصیدے پڑھاتے اور دعائیں دیتے تھے۔

(15) خط و کتابت کے مطلق عادی نہ تھے بہت کم خطوں کا جواب دیتے، اور شاذ ہی کسی کو خط لکھتے تھے۔ البتہ بعض جوابات بیٹوں سے املا کر دیتے تھے مضمون نگاری کا شوق مطلق نہ تھا۔ صرف بیاض رکھتے تھے۔¹

کون سا لحن داؤدی تھا؟

مولانا تاج محمود قمر طراز ہیں۔

ایک دفعہ مولانا محمد علی جالندھری سندھ کے تبلیغی دورے سے واپس آئے سفر کی تھکان طبیعت ناساز، گلا خراب افسردہ حال شاہ جی کی خدمت میں آ پہنچے۔ شاہ جی خود بھی بیمار تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ شاہ جی مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے پوچھا:-

”محمد علی کیا حال ہے؟“

مولانا نے جواب دیا:-

”شاہ جی سفر بہت تھا بیمار ہو گیا تقریریں کرنا پڑیں طبیعت سخت خراب ہو گئی اور گلا بھی خراب ہو گیا۔“

شاہ جی نے لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا:-

محمد علی خدا کا خوف کر تیرا گلا خراب ہو گیا یہ پہلے کون سا کھن داؤدی تھا جواب خراب ہوا ہے۔

حاضرین ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ شاہ جی خود بھی ہنس دیئے مولانا کی ساری خرابی طبیعت جاتی رہی اور چہرہ کھل گیا۔

وہ عام طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں..... اس ملک کے چپے چپے پر پھرا ہوں۔ میری قوم کی نفسیات یہ ہیں کہ یہ ڈنڈے والے کے آگے اور دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے۔¹

جامع الصفات انسان

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بلاشبہ ایک جامع الصفات انسان تھے۔ قدرت نے انہیں دل و دماغ کی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ انسان الفاظ کے استعمال میں عموماً فیاض ہوتا ہے۔ مدح ہو یا قدح۔ قلم و زبان اکثر بے روک ہو کر چلتے ہیں لیکن شاہ جی کا معاملہ یہ تھا کہ کمالات و محاسن کے جتنے الفاظ بھی فراہم ہو سکتے ہیں انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں شاہ جی کے حسن و خوبی کا سرمایہ ہو تو یقیناً دوسرا پلڑا ہی جھکے گا۔ شاہ جی ایک خاص سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔

اس بارے میں دورائیں نہیں ہو سکتیں کہ شخصیتیں ہی تہذیبی و معاشی حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کا مظہر ہوتی ہیں ان کا وجود عوام سے کہیں بلند ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ عوام کی پیروی کے لئے نہیں، عوام کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ اور زمانہ سے ماورئی نہ ہو کر بھی اس سے مستثنیٰ ضرور ہوتے ہیں شاہ جی فکر و نظر اور جہد و عمل کے ایک خاص عہد کی پیداوار تھے اس عہد نے واقعہً ہماری قومی صفوں میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے۔ شاہ جی گویا اس محفل کا آخری چراغ تھے۔ ع

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!

www.ahlehaq.org

حضرت امیر شریعتؒ کی احباب و رفقاء سے بے تکلفی

● حضرت امیر شریعتؒ فرماتے ہیں:

غالباً ۱۳۶۵ھ مطابق جنوری ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔ الیکشن ہی کا زمانہ تھا۔ میں پنجاب سے فارغ ہو کر سرحد پہنچا۔ شاید کچھ انتخاب ہو چکے تھے۔ اور کچھ باقی تھے۔ مجھے پروگرام کے مطابق کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں۔ اس سلسلہ میں ہزارہ پہنچا۔ اور وہاں سے فارغ ہو کر اکوڑہ خٹک پہنچے۔ بیت الخلاء کی ضرورت ہوتی۔ تو میں نے پوچھا بھائی ”پیشاب پاخانے کی کوئی جگہ ہے۔“ تو مولانا غلام غوث کہنے لگے۔ جہاں ہم گئے تھے۔ وہیں کہیں آپ بھی بیٹھ جائیے۔ اب جو میں نے باہر نکل کر دیکھا تو کھلا میدان ہے۔ اس میں کوئی دائیں سے آ رہا ہے۔ اور کوئی بائیں سے کوئی آگے سے اور کوئی پیچھے سے۔ اب میں بیٹھوں گا تو کہاں؟ میں واپس آ کر کمرے میں چپ چاپ لیٹ گیا۔ اور وہیں یہ نظم لکھ دی۔ مجھے ”چمگا ڈر کے مہمان“ کی ضرب المثل یاد آگئی۔ کہ اس کے کوئی مہمان آ گیا۔ اس نے کہا کہ بھائی کہاں بیٹھیں انھیں دن کا وقت تھا۔ اور دن کو چمگا ڈر درختوں یا مکانوں میں اُلٹے لٹکے رہتے ہیں۔ اس نے وہیں سے جواب دیا۔ جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں۔ تم بھی لٹک جاؤ۔ اور یہی قصہ مجھے اکوڑہ خٹک میں پیش آ گیا۔ کہ جن کے مہمان تھے۔ انہوں نے بھی ”جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں۔ تم بھی لٹک جاؤ۔“ کی قسم کا مشورہ دے دیا۔ یعنی جہاں وہ خود لٹکے ہوتے تھے۔ ہمیں بھی لٹکانا چاہا۔

مولانا ہزارویؒ نے مجھے دیکھا تو باہر سے بول اٹھے۔ کہ آپ کہیں نظم تو نہیں لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں لکھ تو رہا ہوں۔ کہنے لگے سنائیے۔ میں نے پڑھی تو کہنے لگے کہ لوگوں کو مت سنائیے گا۔ میں نے کہا اچھا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ جب سب اکٹھے ہو گئے۔ تو میں چپکے

سے کاغذ نکال کر نظم پڑھنی شروع کر دی۔ بس جو حال ہوا وہ بیان سے باہر!..... وہ یہ ہے:

ہری پور ہزارہ کے جلسہ کے بعد
یہ آرڈر ملا جیش احرار کو
کہ جانا ہے تم کو اکوڑہ خٹک
یہ فرمان سنتے ہی سب سرخ پوش
بالنداز خاص و بخوشی و خروش
روانہ ہوئے نسوئے روڈ خٹک
ہوئی شام اور سرخ پوش آگئے
لٹک پر برگ شفق چھا گئے
دیئے سب نے بکس اور بستر پٹک
کسی کو جو فطری تقاضا ہوا
مودب وہ اس طرح گویا ہوا
کہ دوں اپنی بوری کو کس جگہ جھٹک
یہ فرمایا اٹھ کے اک خان نے
وہ اک محترم اور ذیشان نے
بشان خصوصی قوم خٹک
خو تم نے سنا ہے وہ شپکابات
جو اس نے کہا اپنے میزبان سے
دکھا کر اپنی لٹک اور ٹٹک
یہاں بٹی مٹی کی حاجت نہیں

(سواطع الالهام ص ۸۱ تا ص ۸۳)

● حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

www.ahlehaq.org

اور مجلس میں ایک تماشا بنا رہا۔ وہ قطعہ یہ تھا۔

حضرت غوث ہزارہ کے حکیم حاذق
جو کہ بیماروں سے کم فیس لیا کرتے ہیں
اب یہ معلوم ہوا ہے کہ بخاروں میں حضور
کشتہ خایہ ابلیس دیا کرتے ہیں

(سواطع الالهام ص ۹۲)

خوش طبعی اور حاضر جوابی

● مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں:

ایک مجلس میں امیر شریعتؒ نے قرآنی لفظ ”ترہبون“ کا ترجمہ ”یرکانے“ سے کیا۔
اور بطور مثال فرمایا کہ بھینسے جب لڑتے ہیں۔ تو آپس میں سر تو جوڑ لیتے ہیں۔ مگر کمزور بھینسا
یرک جاتا ہے۔ وہ گو مقابل بھینسے کو دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر پچھلی طرف سے اس کا گوبر بھی
نکلتا ہے۔ مولانا ہزارویؒ نے فوراً کہا پتلا ہو کر۔ شاہ صاحب نے داد دیتے ہوئے کہا واہ واہ سچ
ہے۔ جائے استاذ خالی نیست

(سوانح مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ص ۸۱)

قافلہ تحریک آزادی کے ممتاز حدی خواں

یہ لوگ جس زمانے میں اپنے بلند آہنگ حوصلوں کے ساتھ سامنے آئے تھے جب
تک ہمارے سامنے اس دور کی صحیح تصویر نہ ہو۔ اس وقت تک ہم اس مٹی کے محاسن کا اندازہ ہی
نہیں کر پاتے جس مٹی سے ان لوگوں کے پیکر تیار ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ماضی اپنی خاص
روایتوں کے ساتھ گور کنارے آچکا تھا اور اس کے روبرو ایک نیا دور اپنی تمام شدتوں کے ساتھ
نشو و نما پا رہا تھا۔ جہاں تہاں برطانوی سامراج کے خلاف خیالات بڑی تیزی سے کروٹیں
لے رہے تھے دماغوں میں بہمہ وجوہ احتجاج موجود تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے نتائج نے اس

احتجاج کا راستہ صاف کر دیا۔ پورے ملک کی خواہش آزادی دولت ایکٹ، جلیانوالہ باغ اور تحریک خلافت کے داخلی و خارجی اثرات کے تحت ایک مرکز پر آ گئی۔ اس مرکز نے رہنمائی اور اس کے مظاہر کا ایک نیا قافلہ پیدا کیا۔ شاہ جی اس قافلے کے ممتاز حدی خوانوں میں سرفہرست تھے۔ ادھر غور کرنے سے یہ عجیب و غریب بات کھلتی ہے کہ جو لوگ اس قافلہ میں شریک تھے۔ وہ کسی تنہا خوبی ہی میں منفر نہیں تھے بلکہ ان کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ احوال کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ زندگی کا ہر گوشہ تبدیلیوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ نہ صرف دنیا نے ایک نیا سانچہ قبول کر لیا تھا بلکہ فکر و نظر کے بھی دواڑ ایک نیا روپ اختیار کر رہے تھے۔ شاہ جی معنا ان علما و صلحا کے وارث تھے جنہوں نے اسلام کی اساس پر انگریزوں کی بیخ کنی کا عہد کیا تھا اور دیوبند کا مدرسہ جن کے امتیازی معتقدات کی علامت تھا۔ اس ذہن کی تعمیر میں بہت سے عوامل کا ہاتھ کار فرما رہا۔ اب جو قومی احتجاج کی اجتماعی روح عدم تشدد کے طریق اور عدم تعاون کی تکنیک سے پرچم کشا ہوئی تو عثمانی خلافت کا سکوت اور عرب ملکوں کے حصے بخرے اس ذہن کے لئے مہمیز ثابت ہوئے۔ اسلامیت اور وطنیت کے ملے جلے جذبات نے 1857ء کے بعد 1919ء میں آزادی کا ایک نیا ولولہ پیدا کیا کہ چنی طور پر انگریز سارے ملک کے دماغوں اور دلوں سے نکل گیا۔ رہا تو ان لوگوں کے دلوں میں جو انگریزی بساط کے مہروں کی حیثیت رکھتے اور اپنے گرد و پیش انسانوں کی ایک اقلیتی کھپ کے وفاداری بشرط استواری کے تحت سوداگر تھے۔

انگریزوں کی حکومت کے دبدبے نے 1857ء کے بعد اس برصغیر کو نہ صرف مفتوح کر لیا بلکہ مغلوب لوگوں کے ساتھ مرعوب دماغوں کا بازار بھی رونق پر تھا۔ مگر تحریک لاتعاون کے برگ و بار نے مسلمانوں کی عنان رہنمائی دفعۃً ان لوگوں کے حوالے کر دی جنہیں قدرت نے شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، اور نطق عربی دے کر پیدا کیا تھا۔ اور جن میں اکثر ماضی مرحوم کے خلوت خانہ تخیل میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔

ماضی کا تخیلی پیکر

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسی ماضی کا تخیلی پیکر تھے ان کا ہر وار ایک بانگ بھلکتی کی

طرح چوکس رہا۔ وہ کبھی نہ تھکنے والی روح لے کر آئے تھے۔ آج چونکہ وہ نہایت آگے نکل چکی ہے اور اس عہد کی ادا شناس پود بھی قریب قریب ختم ہو چکی یا ہو رہی ہے۔ پھر قلم و زبان کے نئے نئے ”رستم“ و ”اسفندیار“ پیدا ہو رہے ہیں لہذا یہ سمجھنا یا سمجھانا ذرا مشکل ہے کہ ان لوگوں نے ملک و قوم کو کیا کچھ عطا کیا؟

صبح ضرور ہوتی ہے اور سورج بھی وقت پر نکلتا ہے لیکن طلوع و غروب کا فاصلہ یونہی طے نہیں ہوتا۔ پہلے ستارے اجڑتے۔ رات کتنی پھر پو پھٹتی ہے۔ اس حقیقت کو جاننا اور پہچاننا اشد ضروری ہے کہ قومی آزادی تاریخی اعتبار سے کبھی کسی فرد واحد کی تنہا فراست اور تنہا ہمت کا نتیجہ نہیں ہوتی اور نہ اس کا پودا آنا فنا بار آور ہوتا ہے۔ یہ حکایت ایک طویل عمل اور ایک طویل عہد سے مرتب ہوتی ہے یہ صحیح ہے کہ قومی خواہشوں اور ملکی ولولوں کا مظہر بسا اوقات ایک ہی وجود ہوتا ہے اور علامتہ الناس کے قدم اس کے قدموں کے ساتھ اٹھنے لگتے ہیں لیکن اصلاً حریت و استقلال کا یہ قصر بے شمار لوگوں کی جگر کاوی ہر فروشی اور فراست ایمانی، دانائی سے اٹھتا اور بنتا ہے۔

حصول آزادی کی مثال

مثلاً بھوک ہے۔ اس کے تقاضا پر انسان روٹی کھاتا ہے لیکن بھوک پہلے لقمہ سے نہیں مٹی بلکہ یکے بعد دیگرے بہت سے لقمے کھانا پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک لقمہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھوک نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ آخری لقمہ ہی بھوک کا مد او نہیں ہوتا بلکہ پہلے لقمہ سے لے کر آخری لقمہ تک جتنے لقمے بھی پیٹ میں جاتے ہیں ان کی اجتماعی طاقت سے پیٹ بھرتا ہے۔ بعینہ یہی مثال آزادی کی ہے کہ یہ عمارت سنگ و خشت کی نہیں ہوتی لیکن سنگ و خشت سے بنی ہوئی عمارتوں ہی کے اصول اس پر عائد ہوتے ہیں۔ بنیادیں کھودنے۔ بنیادیں بھرنے دیواریں اٹھانے، اینٹیں لگانے، گارا بنانے اور رنگ و روغن کرنے کے بیسیوں مرحلے پیش آتے ہیں تب ایک عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

شاہ جی بیالیس سال قبل جس ہر اول دستے کے ساتھ نکلے تھے وہ لازماً قومی آزادی اور قومی استقلال کی جدوجہد کا مقدمہ لکچیش تھا۔ ان کے سامنے صرف آخری مرحلہ ہی نہ تھا بلکہ

وہ ابتدائی مرحلے میں تھے اور اس مرحلے کو پیدا کرنا بھی ان کے ذمہ تھا۔ انہوں نے بنجر زمینوں میں ہل جوتا نہیں ہموار کیا پھر بیج بویا کھیت سنبھا۔ موافق موسم کی نگہداشت کی۔ مخالف موسم کے تاؤ سہے۔ آخر فصل پکی اب کیا ضروری تھا کہ بجائی کرنے والے ہی کٹائی کے وقت موجود ہوتے۔ قافلہ چلتا اور بڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ منزل سامنے آگئی اور ہم آزاد ہو گئے۔ اب نصف صدی پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ان بنجر زمینوں کو سیراب کرنے کی مشکلات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

ملک کا چپہ چپہ شاہ جی کا شکر گزار

غرض ہندوستان اور پاکستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں شاہ جی کی آواز نہ گونجی ہو برصغیر کے ایک راہنما کا قول ہے کہ یہاں کا چپہ چپہ شاہ جی کے جہد آشنا قدموں کا شکر گزار ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ ہماری قومی آزادی کا وجود ہے یا جس معنوی طاقت کی اساس پر یہ ساری عمارت قائم ہے۔

بیان میں جادو زبان میں سحر

ادھر یہ بات بڑے زور سے کہی گئی ہے کہ شاہ جی اردو کے سب سے بڑے خطیب تھے ان کے بیان میں جادو اور ان کی زبان میں سحر تھا ان کے حرف حرف پر لوگ سردھنتے اور موتی چنتے تھے ان کے خدا، ورسول اور اسلام سے عشق کی حکایتیں بھی زبان زد عام ہیں اور لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔

مگر ان کی خطابت نے جن بتوں کو توڑا۔ اور ان کی فراست نے جن فوجوں کو پسپا کیا ان کا ذکر پس منظر میں چلا گیا ہے حالانکہ دوسری اہم چیزیں پس منظر کی تھیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال ہی یہ تھا کہ انہوں نے ملک کے جمود کو توڑا۔

قوم میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا

اور قوم کی سیاست میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا۔ فی الجملہ ان کا وجود انعامات میں سے تھا اس پورے ملک میں وہ اپنی ہمہ گیر خوبیوں کے باعث ایک عہد اور ایک ادارہ تھا۔ واقعہ

یہ ہے کہ وہ قیادت و سیادت اور خطابت و سیاست کی ایک انجمن تھے۔ پاکستان میں شاید ہی کوئی شخص ان خصائص کے اعتبار سے ان کا ہمسرہ ہو۔ انہوں نے 50 سال کا عرصہ صلہ و اجر کی ہر خفی و جلی خواہش کے بغیر بسر کیا۔ اور یہ شرف صرف انہی کو حاصل رہا کہ:-

(1) اس برصغیر میں ان کی آواز کا جادو سحر کرتا رہا اور خلاف سامراج ذہن نے ان کے آتش کدے سے نشوونما کی حرارت پائی۔

(2) مسلمان نوجوان میں برطانوی ملوکیت سے وابستہ رہنے کا جذبہ ایک عرصہ سے راہ پا رہا تھا انہوں نے اس جذبے کو بیخ و بن سے اکھاڑا۔ جن نوجوانوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا وہ زیادہ تر درمیانے طبقے کے لوگ تھے جن سے عوامی تحریکوں میں لیڈر شپ پیدا ہوتی ہے۔

(3) غریبوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو امراء کے استحصالات سے برا فروختہ ہو کر نہ صرف طبقاتی شعور کی راہ پر آگئی بلکہ بازار سیاست کے ”معرکہ ہائے خرید و فروخت“ سے بلند و بالا ہو کر کام کرتی چلی گئی۔

(4) مسلمانوں میں فعال سیاسی کارکنوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جس کا عام حالات میں قحط تھا اس کھپ ہی سے اعلیٰ پایہ کے وہ مقرر پیدا ہوئے جنہوں نے انقلابی ذہن کی نقش آرائی میں قابل قدر حصہ لیا۔

(5) عوام کے دلوں میں سے نہ صرف استحصالی گروہ کے خوف کو دور کیا بلکہ ان کے جوہر خودی کو یہاں تک پروان چڑھایا کہ قربانی و ایثار کا تاریک راستہ روشن ہو گیا۔

(6) مسلمانوں میں جن سیاسی و دینی بدعات کو بالائے نام راسخ کیا جا رہا تھا ان کا سانچہ توڑ ڈالا اور بعض معاشرتی خرابیوں کا سد باب کیا۔

(7) خطابت میں نئی نئی راہیں پیدا کیں قیادت کے کاسہلیس ذہن کو ختم کیا۔ سیاست کو امراء کی جیب کی گھڑی یا ہاتھ کی چھڑی بننے سے روک دیا اور اس کا ایک عوامی مزاج بنا ڈالا۔ اگر تحقیق کی جائے تو یہ بات بھی نکھر کر سامنے آجائے گی کہ نشوونما کے اعتبار سے اردو کا دامن ان کی خوبی گفتار کا منت پذیر ہے۔ یہ حقائق اتنے واضح ہیں کہ نصف صدی کے سیاسی شب و روز کا واقع نگار خود شاہ جی کے سوانح و افکار میں سے تاریخ کی بعض گمشدہ کڑیاں تلاش کر سکتا ہے

دیکھنا یہ ہے کہ اس فرض سے کون عہدہ برآمد ہوتا ہے۔¹

لباس و خوراک

تمام عمر جھوٹا موٹا پہنا، سادگی کا یہ عالم تھا، کہ آخری دنوں میں تہمند باندھتے تھے فرماتے میاں (حضور ﷺ) بھی یہی باندھا کرتے تھے، کھانے پینے میں کوئی امتیاز نہ تھا، جو ساگ ستولا، کھالیا، اس معاملہ میں فقر و درویشی کا مرقع تھے..... دسترخوان پر جو موجود ہوتا، خدا کا نام لے کر بڑے مزے سے کھاتے تھے چائے خود بنا کر پیتے، اور صحیح چائے پیتے تھے، پان بھی خود ہی بناتے..... اور کھاتے تھے..... رہن سہن کا عالم بھی یہی تھا۔ ایک فقیر کی جھونپڑی اور ان کے مکان میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس اعتبار سے وہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا صحیح نمونہ تھا۔

قرونِ اولیٰ کے صحابہؓ کے خوشہ چیں

زندگی میں بہت سے رہنما دیکھے، جو دماغ، نظر طبیعت اور حسن و خوبی کے بے شمار گوشوں میں منفرد تھے، مگر ایک بات شاہ جی کے بارے میں پختہ یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے، کہ وہ قرونِ اولیٰ کے صحابہ ہی کے خوشہ چیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہوتے، تو ابوذر غفاریؓ، خالد بن ولیدؓ اور بلال حبشیؓ کی صف میں شامل ہوئے۔



www.ahlehaq.org

ہم تن ایثار سراپا اخلاص

شاہ جیؒ کی ذات گرامی بے شمار محاسن کا مجموعہ تھی وہ نظر بظاہر ایک انسان تھے۔ لیکن حقیقت میں قدرت نے انہیں کئی انسانوں کے کمالات اوصاف سے نوازا تھا وہ عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے بے مثال مفسر قرآن و فصیح البیان مبلغ اسلام بڑے دل گردے کے مجاہد، ہمہ تن ایثار سراپا اخلاص وجیہ صورت مضبوط ڈیل ڈول، سرفروش غازی، سحر طراز مقرر انقلاب انگیز خطیب، پرسوز قاری، باخدا مرد مومن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کے خیالات میں آسمانوں کی بلندی، عقائد میں پہاڑوں کی پختگی، زبان میں دریاؤں کی روانی جلال میں تلواروں کی کاٹ اور جمال میں صبا کی لطافت پائی جاتی تھی۔ وہ نبی نہ تھے بلکہ ان کی زندگی حضور سرور کائنات ﷺ کے اس ارشاد کی شہادت و اشاعت میں گزری کہ:

”انا خاتم النبیین لا نبی بعدی“

لیکن شکل و صورت سے لے کر نشست و برخاست تک ہر بات میں پیغمبرانہ انداز رکھتے تھے۔ ان کے جس کمال اور جس خصوصیت پر غور کیا جائے۔ حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آ جاتا۔

زفر ق تا بقدم ہر جا کہ میم!

کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا انجا است

ہم نے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا نہیں ان کے حالات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں پڑھنے ہیں۔ شاہ جیؒ کی زندگی عبادت و ریاضت سے لے کر لطافت و ظرافت تک انہیں اکابر کی زندگیوں کا عکس جمیل تھی۔ اگرچہ فیاض ازل نے بڑی فیاضی سے انہیں بے شمار ملکات و صفات

ودیعت فرمائے تھے۔ لیکن ان کمالات میں جو چیز سب سے نمایاں تھی اور جس کی بدولت شاہ جی آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے وہ ان کی خطابت تھی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حسب و نسب کی شرافت و نجابت سے لے کر آواز کی سحر طرازی اور الفاظ کی فصاحت و بلاغت تک کی تمام نعمتیں انہیں خطابت ہی کے لئے عطا کی گئیں تھیں۔

شاہ جی بڑے عجیب و غریب انداز سے آتے۔ پنڈال نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھتا۔ اور جب وہ سٹیج پر پہنچ کر ستاروں میں چاند کی طرح بیٹھ جاتے تو لوگوں کا شعور غل اور جلے کی افراتفری سکون و سکوت میں بدل جاتی ہو کا عالم طاری ہو جاتا۔ اب شاہ جی مجمع کے سامنے آتے تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہتے۔ کچھ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلی پر پھونکتے۔ ہاتھ منہ پر پھیر لیتے۔ میرا زندگی بھر یقین رہا کہ جب شاہ جی مجمع کے سامنے کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے۔ تو آپ کے دل کا تعلق کسی اور ہی جگہ ہو جاتا تھا۔

سیماب لفظ لفظ اترتا ہے عرش سے

ایک دفعہ سامنے پھر دائیں بائیں غور سے مجمع کو دیکھتے۔ پھر خطبہ کی آیات اور درود پاک حجازی لے میں پڑھتے۔ عوام کے دل و دماغ مسحور ہو جاتے، عناصر پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ عالم ارواح اور عالم ملکوت بھی شاہ جی کی آواز پر متوجہ ہو گئے ہیں۔ تقریر شروع ہوتی منہ سے پھول جھڑنے لگتے ہاتھ اٹھاتے ہلاتے تو محسوس ہوتا کہ عوام پر جادو کر رہے ہیں۔ آیات احادیث کا ایک ذخیرہ اور ان کی ایسی اچھوتی تشریح و تفسیر کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سرائیکی کے شعرا یسے بر محل پڑھتے گویا انگلشتری میں گننے جڑ رہے ہیں۔ لطائف و ظرائف بیان کرتے تو مجمع کشت زعفران بن جاتا۔ کبھی ہنسا دیتے کبھی رلا دیتے رات ڈھل جاتی، سحر قریب ہوتی اور وہ پڑھ رہے ہوتے۔

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند

نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

نہ کسی کو سردی گرمی کا احساس رہتا۔ نہ کسی کو نیند آرام کا خیال، اگر کسی کو کوئی فکر و امن گیر ہوتی تو صرف یہ کہ کہیں رات ختم ہونے کے ساتھ ہی شاہ جی کی تقریر بھی ختم نہ ہو جائے۔

اکثر ایسا بھی ہوا کہ شاہجی کی تقریر میں صبح اذان ہوئی اور شاہجی چونک کر موزن کو پکارا اٹھے۔

تیری آواز کے اور مدینے
تب تقریر ختم کر دیتے، لوگ اصرار کرتے شاہجی کچھ اور فرماتے، بھائی رات ختم
ہوگئی۔ اور شاہجی کی عموماً اس شعر پر ختم کر دیتے۔

وسعتِ دل ہے بہت وسعتِ صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے!
شاہجی! کی تقریریں لوگوں کے دل و دماغ کو کیونکر مسخر کر لیا کرتی تھیں یہ ایک لمبی
داستان ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت سے بڑے بڑے طوفانوں کو
روکا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معرکے سرکے۔ صرف واقعات عرض کرتا ہوں جن سے اندازہ
ہوگا کہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔

(۱) ایک دفعہ ریٹائرڈ پولیس افسر نے بتایا کہ ایک مرتبہ شاہجی مسجد خیر دین امرتسر میں
تقریر کر رہے تھے میں ڈیوٹی پر تھا۔ دو بجے شب مجھے اعلیٰ احکام نے طلب کیا اور میری جگہ ایک
دوسرا پورٹر بھیجا۔ میں نے جب اپنی ڈائری ختم کی تو اس میں یہ الفاظ درج کر دیئے۔

”شاہجی رات کے ۱۱ بجے سے تقریر کر رہے ہیں۔ اب رات کے دو بجے
ہیں ان کی تقریر سے حاضرین جلسہ تو درکنار مسجد خیر دین کے درودیوار اس کے
گنبد و محراب اور حوض کے پانی تک منجمد ہو چکے ہیں۔“

شاہجی ایک حسب طرز خطیب تھے ان خطابت میں سیاست، مذہب، معاش اور
معاشرت ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے۔ لیکن ان کی خطابت کا مرکزی نقطہ جس کے گرد نہ
صرف ان کی خطابت بلکہ ان کی پوری زندگی گردش کرتی تھی وہ عشق رسول تھا۔ انہی کی ایک
نعت شریف کا مطلع اور مقطع ہے۔

لولاک ذوہ زجہان محمد است
سبحان من یریٰ چہ شانِ است

سر قضا و قدر ہمیں است اے ندیم

پریشان اہر حق زکمانِ محمد است

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کو عشق و محبت میں ڈوب کر بیان کرتے۔ حضور کے لئے الفاظ و القاب کا انتخاب خاص اہتمام سے کرتے تھے اگر کوئی معیاری نعت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو اس کے الفاظ آواز پر سر دھنتے تھے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک رضا کار نے نعت پڑھی۔ سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے ہوئے جھومنے لگے میری آنکھوں میں ابھی تک وہ نقش ہے۔ شاہ جیؒ جذب و مستی کے عالم میں جھوم رہے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے گھنگریالے بالوں پر بھی اسی جذب و مستی سے ”وجد“ کی حالت طاری تھی۔ ایک شعر پر جس میں سرور دو عالم کے فقر و فاقہ اور ردائے مبارکہ کی کہنگی کا ذکر تھا کھڑے ہو گئے اور کھڑے کھڑے جھومتے رہے یہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک پر قیام کرنے کا مقام تھا۔

”لولاک“ لائل پور ۲۸ دسمبر ۱۹۷۳ء

میرے پاس ایک چیز ہے جو اللہ کے خزانہ میں بھی نہیں

اے اللہ اس نعمت کے شکرانے میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں۔ کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب تیرے خزانوں میں موجود ہے۔ ایک دن تقریر کرتے ہوئے جھولی پھیلا دی اور فرمایا میرے پاس ایک چیز ہے جو تیرے پاس نہیں ہے۔ وہی تیرے شکر و نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں۔ میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں پھر یہ بیان کچھ اس عجز و انکسار اور رقت انگیز منظر پیش کیا کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

شاہ جیؒ نے تحریک آزادی میں جو تقاریر کیں اگر جمع کیا جائے تو وہ ایک بے مثال ذخیرہ ہے قرآن مجید سے بعض ایسی آیات کا انتخاب فرمایا کرتے اور ان پر آزادی سے متعلق ایسی شعلہ بار تقریریں کرتے جن کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔

آزادی کے بعد پوری توجہ مسئلہ ختم نبوت پر

ملک کی آزادی کے بعد ان کی پوری توجہ مسئلہ تحفظ ختم نبوت کی طرف ہو گئی۔ وہ اس

مسئلے کو توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائد و عبادات اسلام کی اصل قرار دیتے تھے، ان کا استدلال یہ تھا کہ ان تمام مسائل کی تعریف اور تعین نبوت کرتی ہے۔ اگر نبوت بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حلال و حرام بھی بدل سکتا ہے۔

حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ان کا جو عشق تھا اس کے خلاف وہ کسی چیز کو برداشت کرنے کا تصور تک نہ کر سکتے تھے۔ مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں شاہ جیؒ نے جو کچھ کہا وہ برسوں ہمارے ملک کی فضا میں گونجتا رہا ہے گا اس سلسلے میں وہ بعض عجیب پیشین گوئیاں بھی کرتے تھے جو وقت نے کچھ پوری کر دی ہیں اور وقت بعض دوسری باتوں کو بھی پورا کر دے گا، انشاء اللہ

مدح صحابہؓ

صحابہ کرامؓ کے اکرام و احترام کو بھی جزو ایمان جانتے تھے۔ اور اصحاب رسول اکرمؐ پر تنقید و تنقیص کو بربادی ایمان یقین کرتے۔ لکھنؤ میں بعض خلفائے راشدین کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا جرم تھا۔ شاہ جیؒ نے برسرِ اجلاس اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ صحابہ کرامؓ ازواجِ مطہرات اور آل بیت کا اظہار کے فضائل و محاسن پر گھنٹوں بولتے رہتے تھے۔

”محمد الرسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء

بینہم۔“ (الفتح:)

اور اسی طرح ”وطائفہ من الذین معک“ سے وہ اصحابؓ و ازواجِ رسول کی معیت کے درجہ کو عام ایمان کے درجے سے افضل قرار دیتے تھے۔ وہ حدیث پاک ”المؤمن من احب“ کو صحابہؓ کے فضائل میں بیان کر کے سعدی شیرازی کے مشہور شعر پڑھا کرتے تھے۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے

رسید از دست محبوبے بدستم!

بدو گفتم کہ مشکلی یا عبیری!

کہ از بوئے دلاویزے تو مستم!

بگفتا من گلے ناچیز بودم!

لیکن مدتے باگل نشتم!

جمال ہم نشین در من اثر کرد

وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اللہ تعالیٰ نے انہیں درویشی اور استغناء کی صفت سے نوازا ہوا تھا وہ اپنے نانا کی سنت کے مطابق غرباء سے محبت کرتے انہیں میں رہنا بیٹھنا پسند کرتے۔

”لولاک“ لائل پور ۲۸ دسمبر ۱۹۷۳ء

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

● جناب زبیر الحسینی صاحب لکھتے ہیں:

شاہ جی اس عہد کی عظیم شخصیت تھے سب سے بڑا کمال اور اعجاز یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں اپنی آواز سے آزادی کی تڑپ پیدا کر دی۔ خدا تعالیٰ نے انہیں مختلف اور منفرد قائدانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انہوں نے ساری عمر انگریز کی مخالفت اور اسلام کی خدمت میں بسر کر دی۔

ان کی شخصیت ایک تاریخ ساز شخصیت تھی۔ انہوں نے ساری زندگی دلوں پر حکومت کی اور برصغیر میں چوہدری افضل حق مرحوم، ظفر علی خاں، قاضی احسان احمد اور شورش کاشمیری جیسے یگانہ روزگار ادیب اور خطیب پیدا کئے وہ ایک ایسے قافلہ کے سالار تھے۔ جس کا ہر فرد اپنے مقصد کے لئے مرنا تو جانتا تھا اس کا بدلنا اور بکنا محال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے دوست دشمن سب ان کی عظمتوں کا اعتراف کرتے رہے۔ اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس شان سے کہ ان کے جنازے کے سامنے کج کلاہوں کا جلال شرمایا گیا۔

متحارب فرقے ایک پلیٹ فارم پر

مولانا منظور احمد نے کہا حضرت امیر شریعت نے سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا۔ ”صحابہ کا قافلہ جارہا تھا“ انور شاہ پیچھے رہ گئے۔ لیکن تحریک آزادی کے اس جری رہنما کی سیرت، شجاعت اور بصیرت کو دیکھتے ہوئے مولانا بنوری کا یہ کہنا بالکل درست ہے

کہ شاہ جی بھی اس قافلہ کے پھڑے ہوئے ایک ساتھی ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نوازشات فرمائیں۔ شاہ جی بلاشبہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی منہ بولتی تصویر تھے۔ انہوں نے اپنے افکار و اعمال سے غلامِ قوم کو آزادی کی نعمتوں سے آشنا کیا۔

یہ شاہ جی کا کمال تھا کہ انہوں نے متحارب فرقوں کو عشقِ رسول کی برکت سے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ اس تحریک کے نتائج یقیناً حوصلہ افزا اور اثرات دور رس ہیں۔ شاہ جی اور آپ کے نام لیواؤں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ عصمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور پاکستان کی سالمیت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا جائے۔

”لولاک“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

● حکیم سلطان احمد داؤدی کہتے ہیں:

لائل پور کی معروف سماجی شخصیت کو شاہ صاحب کی ہم وطنی اور ہمسائیگی کا فخر حاصل ہے۔ انہوں نے شاہ جی کی بے داغ جوانی بھی دیکھی اور باوقار بڑھاپا بھی۔ انہوں نے کہا شاہ جی کو صرف ایک بے نظیر خطیب کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہئے ان کی عظمت کا اصل اعتراف یہ ہے کہ ہم ان کے عزائم اور مقاصد کی روح کو سمجھ کر اسی جذبے سے پاکستان کی بہبود کے لئے رات دن کوشش کریں۔ داؤدی صاحب نے کہا شاہ جی کو قوم کے نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ان کی نظر میں قومی تعمیر و ترقی کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ ہمارا نوجوان طبقہ صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے آپ نے کہا جو لوگ شاہ جی کے طرز فکر پر تنقید کرتے ہیں، وہ ہرگز ملک کی خدمت نہیں کرتے۔ شاہ جی تو ہمارے لئے نابغہ تھے، انہوں نے اس دور میں انگریز کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا جب اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اور لوگ اپنوں سے غداری اور اغیار کی ملی بھگت سے انگریز کی چوکھٹ پر جبین سائی کے ذریعے انعام و خطاب حاصل کیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس اس بطلِ حریت نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور پاکستان بن جانے کے بعد انتہائی عسرت و تنگ دستی میں بسر کر کے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

”لولاک“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۷ء

شاہ جی کی زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید

شاہ جی کی زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید ہے، ان کی ذات بجائے خود ایک انجمن تھی۔ واقعی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ شاہ جی کے ساتھی اور ان سے فیض یاب ہونے والے بجا طور پر اپنے وقت کے مانے ہوئے انسان سمجھے گئے ہیں۔ شاہ جی مجموعہ صفات تھے۔ شاید زمانہ صدیوں ان کا خلا پورا نہ کر سکے۔ وہ ایک ایک لفظ پر کئی کئی دن بولتے تھے۔ ان کی زندگی ایک مرد مومن اور مجاہد کی زندگی تھی۔ وہ علم کا بحرِ خارا اور عمل کا موجزن سمندر تھے۔ ان کو قرآن سے والہانہ محبت تھی، وہ جب اجلی ڈھلتی راتوں میں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا، آسمان سے آیات نازل ہو رہی ہیں، اور وہ تلاوت کر رہے ہیں انہوں نے آسمان گمراہ انسانوں کو اپنی شیوا بیانی سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ شاہ جی نے کبھی کسی کے خلاف دست سوال دراز نہیں کیا۔ وہ کسی حاکم کے آگے سرنگوں نہ ہوئے ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ قرآن سے محبت اور انگریز سے نفرت تھا۔

اسلامیانِ عالم کے موجودہ حالات میں پاکستان کے اندر آج بخاری کی ضرورت ہے اور شرقِ اوسط میں افغانی کی۔ لیکن کیا کیا جائے کہ عدم کو جانے والے لوٹ کر نہیں آیا کرتے۔

کہنے کو خن درا اور بھی ہیں لیکن وہ بات کہاں

بقول میر۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
ویراں سے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

”لولاک“ لائل پور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۶ء



امیر شریعت کا لقب

شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ اپریل یا مئی 1930ء لاہور میں انجمن خدام الدین کا بہت بڑا اجلاس منعقد ہوا میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس وقت میں فارغ شدہ مولوی تھا۔ داستان یہ ہے۔ کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقریر کر رہے تھے۔ اسٹیج پر مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا احمد سعید دہلوی، اور مولانا ظفر علی خاں موجود تھے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بڑی زوردار تقریر ہو رہی تھی۔ درمیان میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کھڑے ہو گئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ تم آج تقریر سن رہے ہو اور رو رہے ہو۔ تمہارے رونے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ آج جو تم کہہ رہے ہو اگر یہ حق اور سچ ہے تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اس کو اپنا امام بنادو اور ابھی بنادو۔ تاکہ سب اس کے پیچھے چلیں اور دین کے لئے کام کریں۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور ساتھ مولانا حبیب الرحمن کھڑے ہو گئے۔ اور مولانا ظفر علی خاں نے تقریر شروع کر دی۔ اور کہا کہ میں اس مقصد کے لئے سب سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اور خوب زوردار تقریر کی۔ اس پر اس پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری یہاں تشریف فرما ہیں۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہئے۔ اب مولانا انور شاہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اب انہوں نے تقریر شروع کر دی۔ اور عجیب منظر تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریر میں فرمایا میں ایک بوڑھا اور ضعیف ہوں۔ اور میں اہل نہیں ہوں۔ میں اس مقصد کے لئے سید عطاء اللہ شاہ کو امیر بناتا

ہوں۔ اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اب مولانا نور شاہ کشمیری نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیئے۔ اس وقت عطاء اللہ شاہ بخاری رورہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ وہ (شاہ بخاری) رو رہے ہیں اور یہ (علامہ کشمیری) ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ اسٹیج پر ایک عجیب منظر تھا۔ خیر ہوتے ہوتے حضرت علامہ نور شاہ کشمیری کی توجہات غالب آ گئیں۔ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری گوا میر (امیر شریعت) بنادیا گیا۔ تو سب سے پہلے بیعت ظفر علی خاں نے کی۔ دوسری بیعت مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے کی۔ اور تیسری بیعت مولانا سید محمد یوسف بنوری نے کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت بنادیئے گئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے نئی روح پیدا کر دی۔ مولانا نور شاہ کشمیری کی توجہات تھیں۔ آپ نے شاہ جی کو ہدایت فرمائی۔ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے۔ اس کے خلاف کام کرو۔ پھر شاہ جی نے جو کام سرانجام دیا۔ علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے بیسیوں کتابیں لکھیں جب کہ عطاء اللہ شاہ بخاری ایک تقریر کرتا ہے۔ اور قادیانیت کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ حضرت کشمیری نہایت خوش ہوتے تھے اور بہت دعائیں دیتے تھے۔¹

مولانا عبدالرحیم اشعر سابق نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے تھے۔ کہ شاہ جی نے مجھے خود بتلایا کہ جب علامہ انوشاہ کشمیری نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تو میرا پورا وجود تھرتھرکانپ رہا تھا۔ اور میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنی بیعت میں لے لیا ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی ممبر مولانا غلام محمد علی پوری بتلاتے ہیں۔ کہ جب حضرت علامہ کشمیری میری طرف ہاتھ بڑھائے تو میں نے فوراً شاہ کشمیری کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیئے اور عرض کیا کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور لوگ میرے ہاتھ پر۔



تحفظ ختم نبوت کانفرنس قادیان

1934ء میں اکتوبر کے مہینہ میں قادیان میں تین روزہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں متحدہ ہندوستان سے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت کی اس عظیم کانفرنس میں شاہ جی کا تاریخ ساز خطاب ہوا کانفرنس کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے ملک کے نامور صحافی اور صاحب قلم ادیب جناب عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

ایسے ہی موسم میں جب شاموں کا حسن نکھر آیا تھا اور راتیں خنک ہونی شروع ہو گئی تھیں تو قادیان میں مجلس احرار نے کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ صرف انعقاد کا اعلان اور وہ بھی مجلس احرار کی طرف سے ایک زبردست ہنگامے کو دعوت تھی۔

لیکن اس کے باوجود خطابت کی تاریخ اور شعلہ نوائیوں کی داستان میں اس کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا۔ اس وقت پنجاب میں مجلس احرار کا طوطی بول رہا تھا۔ اس شعلہ بیان خطیبوں کی جماعت نے مسلمانان پنجاب کو بہت حد تک متاثر کر لیا تھا۔ یہ کشمیر چلو تحریک کا معرکہ سر کر چکے تھے۔ سرفضل حسین کی پوری کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود مسلمانوں کے درمیانی طبقے میں مجلس احرار کو ان کی ساکھ پر ایک گہری چوٹ لگا چکی تھی۔ غرضیکہ چاروں طرف شہر اور قریہ میں ان شعلہ نواؤں کے چرچے تھے۔ میں بھی ان چرچوں سے متاثر تھا۔ نویں جماعت کا طالب علم مولانا داؤد غزنوی کے خطبوں سے شدید طور پر متاثر، احرار کے جلسوں کا رسیا اب یہ موقع کیسے کھوسکتا تھا چنانچہ کچھ بزرگ دوستوں کے ساتھ قادیان روانہ ہو گیا۔

تمام راستے اور سواریاں قادیان کی طرف

امیر شریعت کے الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں، کہ قادیان میں ایک ہجوم

تھا جس کو یہ قریہ جس نے ”نبوت“ کو تو سنبھال لیا لیکن وہ امیر شریعت..... کے چاہنے والوں کو سمیٹنے سے قاصر تھا، کوئی گاڑی، کوئی بس، کوئی بیل گاڑی، کوئی ٹم ٹم، کوئی تانگہ، کوئی سائیکل ایسی نہ تھی..... جو قادیان کی طرف نہ آرہی ہو، اور رضا کار دنوں پہلے پیدل چل دیئے تھے..... جیسے جیسے یہ مختلف دیہات میں گزرتے دیہات والے بھی ان کے ساتھ ہو جاتے اور قادیان پہنچتے پہنچتے یہ خود ایک جلسہ بھی ہوتے اور ایک جلوس بھی۔ یہ پہلی تحریک تھی جس نے یہاں کے مسلمانوں کے دونوں جذبوں کو بیک وقت متاثر کیا، ان کے نعرے ان کے جذبہ عشق رسول کو بھی متاثر کرتے تھے اور ان کی انگریز دشمنی اور حب الوطنی کے جذبے کی بھی ان نعروں سے تشفی ہوتی تھی۔ اس کانفرنس کا انعقاد اکتوبر 1934ء کے تیسرے ہفتے میں ہوا اور اس کانفرنس کے لئے 21، 22 اور 23 اکتوبر کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا تھا، اس کانفرنس کے لئے ایک سکھ زمیندار کی اراضی حاصل کی گئی تھی اس زمیندار کا نام ایشر سنگھ تھا، اس اراضی پر پنڈال بھی تیار ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن مرزائیوں نے اس اراضی پر قبضہ کر لیا۔ اب احراریوں کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ یا تو وہ اس اراضی کے لئے لڑتے یا پھر شہر سے دور کانفرنس منعقد کرتے۔ احرار نے جھگڑا کرنے سے گریز کیا؟ کیونکہ اس وقت مرزائیوں کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ فساد کروادیا جائے اور اس بنیاد پر کانفرنس کو امن عامہ کے خلاف ثابت کر کے بند کروادیا جائے مجلس احرار مرزائیوں کے ان ارادوں کو بھانپتی تھی چنانچہ اس اشتعال کے باوجود مجلس احرار نے ایشر سنگھ کی اراضی پر کانفرنس منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ڈی۔ اے ڈی سکول کے پہلو میں پنڈال تیار کیا گیا۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ کی رپورٹ

کانفرنس کے دو دن پہلے ”سول اینڈ ملٹری گزٹ“ کے نامہ نگار نے قادیان سے یہ خبر بھیجی جس میں اس کانفرنس کے خدو خال اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

”مجلس احرار اکیس، بائیس اور تیس اکتوبر کو ایک تبلیغی کانفرنس قادیان میں منعقد کر رہی ہے۔ اس کانفرنس کے لئے بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل یہ مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس کانفرنس سے ان کا جان و مال خطرہ میں پڑ گیا ہے۔“

چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حفاظت کے لئے لاتعداد دیہاتیوں کو اور اپنے مریدوں کو قادیان میں جمع کرنا شروع کر دیا ہے ادھر احرار کی اس کانفرنس میں بیس سے لے کر پچاس ہزار کا ہجوم پہنچا ہے مزید براں کانفرنس کے منتظمین کا مطالبہ ہے کہ ان کو کانفرنس کے صدر کا جلوس نکالنے کی اجازت ہونی چاہئے اور یہ جلوس قادیان شہر میں سے گزرے۔

اس کانفرنس کے پیش نظر آج صبح پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس خود بہ نفس نفیس قادیان آئے۔ ان کے ہمراہ پولیس کی ایک بھاری جمعیت بھی تھی۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل پولیس نے کانفرنس کا موقعہ دیکھا اور احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ اگر اس کانفرنس کے دوران میں قادیانیوں نے کوئی اجتماع منعقد کرنے کی کوشش کی تو یہ اجتماع خلاف قانون تصور ہوگا۔ انسپکٹر جنرل نے احراریوں اور ان کی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو بھی متنبہ کر دیا ہے کہ وہ کانفرنس میں کسی قسم کے ہتھیار کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ لائٹھوں کو ساتھ لانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مزید براں کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والے لوگوں کے لئے ایک خاص راستہ متعین کر دیا گیا ہے۔ نیز اگر کسی قسم کا جلوس نکالا جائے تو اسے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج شام تک قادیان میں امن و امان بحال رکھنے کے لئے چار سو پولیس کے سپاہی پہنچ جائیں گے لیکن میرا اندازہ یہی ہے کہ یہ تمام پیش بندیاں بالکل غیر ضروری ہیں کیونکہ حراری ہر حالت میں کسی قسم کے جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کانفرنس کا پنڈال ڈی۔ اے، ڈی سکول میں بننا شروع ہو گیا ہے۔ اور ارد گرد کے تمام علاقے میں 144 نافذ کر دی گئی ہے۔ مزید لائٹھیاں نہ لانے کی بھی منادی کر دی گئی ہے۔

شاہ جی کا خطاب لا جواب

اس اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے پورے پنجاب میں اس کانفرنس کے کس قدر چرچے تھے اور کتنے گوشوں سے اس کانفرنس کی کامیابی اور ناکامی کی خبروں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس فضا میں یہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ چنانچہ رات جب اپنا پورا سایہ ڈال چکی، لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو اس کانفرنس

کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لائے، ہزار ہا انسانوں کا ہجوم اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پنڈال میں آمد اور کون سید عطاء اللہ شاہ بخاری ملتان کی سرزمین میں دفن ہونے والا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں، وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں جس کی زبان پر لکنت آگئی تھی، جس کے چہرے کا جھریوں نے احاطہ کر لیا تھا جس کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی آگئی تھی، یہ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھا جن کا شباب اور شعلہ بیانی دونوں اپنے عروج پر تھے، جو لاؤڈ سپیکر کے بغیر لاکھوں کے ہجوم کو مسخر کر سکتا تھا، جس کا حسن اور بیان دونوں الگ الگ جادو جگاتے تھے۔ پچاس ہزار کا مجمع، رات کی خاموشی، قمقموں کی روشنی اور اتنے میں حسن و نور کے پیکر، شعلہ بیان خطیب اور شریعت کے امیر کی آمد ۴

تم آگئے تو از سر نو زندگی ہوئی
بس پھر کیا تھا مجمع میں کہاں ایک خاموشی اور ہو کا عالم تھا کہ اب وافرنگی اور دیداریاری کی بے تابی نے سب کو آن گھیرا ہے اور اس بے تابی و وافرنگی کا اظہار نعروں کی گونج میں ہوتا ہے، شاہ صاحب ہیں کہ مسکراتے ہوئے مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسٹیج پر پہنچے چاروں طرف نگاہ سے انداز میں دیکھا بس پھر کیا تھا نعروں کا ایک اور سیل ٹوٹ پڑا..... اور امیر شریعت فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے ہیں، مجمع خاموش ہوا۔ تلاوت ہوئی، نظم ہوئی۔ اب سے پچیس برس پہلے کی تفصیلوں کو دہرایئے اور انہی تفصیلوں کو جن پر شاہ صاحب نے یہی کوئی نو ساڑھے نو بجے تقریر شروع کی ہوگی اور رات تھی کہ وہ بھی دم بخود گزر رہے جارہی تھی۔ لیکن شاہ صاحب کی شعلہ بیانی بڑھتی جارہی تھی، اس شعلہ بیانی اور آتش نوائی کو قدم قدم پر نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کے ذریعے خراج عقیدت پیش ہو رہا تھا۔ یہی وہ تقریر تھی جس میں شاہ صاحب نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا:

”تم اپنے بابا کی ”نبوت“ لے کر آؤ اور میں اپنے نانا کی نبوت لے کر آتا ہوں، تم خریر و دیباچہ زیب تن کر کے آؤ اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق کھدر پہن کر آؤں، تم یا قوتی اور پلومر کی شراب کے خم لٹکھا کر آؤ اور میں روکھی سوکھی روٹی کھا کر آؤں اور پھر زمانہ فیصلہ کرے کہ کون سچے نبی کی اولاد ہے۔“ یہ تقریر جو رات کی خاموشی میں شروع

ہوئی تھی۔ جو عشاء کی نماز کے بعد جب ابھی رات کا آغاز تھا لوگوں نے نئی شروع کی تھی یہ تقریر پوری رات ہوتی رہی اور مجمع بیٹھا رہا۔ ایک بھی ذی نفس ایسا نہیں تھا جس نے تھکن کا اظہار کیا ہو جس کے چہرے سے اکتاہٹ کی غمازی ہوتی ہو۔ اتنے میں صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ اور موزن نے اذان دے دی۔ تقریر تھی کہ اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی لیکن موزن نے اس سیل رواں کو روک دیا اور خطابت کے دریاؤں کو بند مار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں بہت کم خطیب اور مقرر ایسے گزرے ہیں جنہوں نے رات رات بھر تقریر کی ہو جنہوں نے لوگوں کو اس قدر مسحور کیا ہو جیسا کہ امیر شریعت نے کہا ہے۔

کوئی آیا، نہ آئے گا، لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں
اور غالباً اسی موضوع کو حسرت موہانی نے کہا تھا:

با کشان غم انتظار میں ہم بھی ہیں
ضراب گردش لیل و نہار ہم بھی ہیں

آج ربع صدی گزرنے کے بعد جب ہم اس عظیم ہستی کی یادیں سمیٹ رہے ہیں تو کچھ حلقوں میں یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ آخر یہ ہستی اتنی اہم کہاں تھی کہ اس کی یاد میں آنسو بہائے جائیں، صفحات سیاہ کئے جائیں اخبارات اور رسالوں کے نمبر نکالے جائیں۔ آخر احرار یا بخاری نے کون سے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ ان کے کارناموں کی فہرست افتراق اور انتشار تحریکوں سے بھری پڑی ہے اس لئے ان کو دوبارہ ہوادینی کہاں کی خدمت اور کہاں کی نیکی ہے۔ یہ سب سوالات آج کل بہت سے حلقوں میں اٹھائے جا رہے ہیں۔ آج ضروری ہے کہ ان سوالات کے جواب دیئے جائیں تاکہ تاریخ کی گرہیں کھل سکیں۔

اور جن تحریکوں کو افتراق و انتشار کا مظہر بتایا جاتا رہا ہے یا آج بنایا جا رہا ہے اس کے متعلق مورخ کو مواد مل سکے۔ مجھے اس صحبت میں صرف ایک مختصر سے سوال کا جواب دینا ہے۔ یہ سوال پچھلے کئی برس سے اٹھایا جا رہا ہے کہ قادیانیوں یا احمدیوں کے خلاف تحریک مسلمانوں

میں افتراق پھیلانے کے مترادف نہیں ہے؟ ایک اور طبقے کی طرف سے بھی یہ سوال اٹھایا جاتا تھا۔ کہ مسلمانوں کی سیاست کو مذہب کا تابع بنایا جا رہا ہے اور اس طرح غلط اقدار اور رجعت پسند نظریات کو شہ دی جا رہی ہے؟ ان سوالوں کا جواب تفصیل چاہتا ہے اور ان کا جواب پچھلے پچاس برس کی تحریکوں میں پھیلا ہوا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ایک بات واضح ہے کہ قادیان مرزا قادیانی کی جنم بھومی ہے۔ جہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہ تھی آل انڈیا مجلس احرار اسلام نے شاہ جی کی قیادت میں تحفظ ختم نبوت کا کام شروع کیا۔

چنانچہ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب لکھتے ہیں:

شعبہ تحفظ ختم نبوت قادیان

قادیان ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ایک معمولی سا قصبہ ہے! اس قصبہ میں غلام مرتضیٰ نامی ایک شخص کے لڑکے مرزا غلام احمد نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ کے لئے اس نے مختلف مدارج طے کئے۔ مرزا غلام احمد محدث، ملہم و مجدد کے مدارج سے گزر کر نبی اور رسول کے درجہ تک پہنچنے کا دعویدار ہوا۔ اس وقت ہندوستان پر انگریز حکمران تھا۔ اس کے دور اقتدار میں ملک کی فضا اس دعوے کے لئے بڑی سازگار پائی اور حکومت کے سہارے بڑھنا شروع کیا۔ دعوے نبوت کے ساتھ ساتھ حرمت جہاد اور انگریز کی اطاعت کی فرضیت کو اپنے عزائم کی تکمیل کا ذریعہ بنایا۔ رفتہ رفتہ جب مرزا غلام احمد نے انگریز کے بل بوتے پر چند آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک جماعت کی بنیاد ڈال دی۔ تو انہوں نے قوت کے ساتھ ہر مخالف طاقت کو دبانا شروع کر دیا اور من مانی کاروائیاں ہونے لگیں۔ اور سب سے زیادہ ہدف مظالم قادیان کے مسلمان بنائے گئے۔ کسی مسلمان کا قادیان میں سکونت اختیار کرنا بڑی دشواریات تھیں۔ مسلمان قادیان میں مرزائیوں کی رعایا بن کر رہ سکتا تھا۔ قادیان میں عرصہ تک کسی مسلمان عالم دین کا وعظ کرانا یا مسلمان کا کوئی اسلامی تہوار منانا مشکل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں کے قتل کی شہادت مہیا کرنے میں اس وقت کی حکومت بے بس ہو گئی تھی۔ الغرض قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کی داستان انتہائی المناک ہے۔

ان حالات میں وہاں کے مسلمانوں نے حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس افسوسناک صورت حال سے مطلع کیا اور اس طرف آپ کی خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی آپ نے اپنے چند ساتھیوں کو قادیان میں جا کر کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ وہاں شعبہ تبلیغ کے نام سے ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی گئی۔ جو اپنا دائرہ عمل صرف تبلیغ دین تک محدود رکھے۔ اس کام کے لئے مشہور علماء کرام اور مبلغین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اور وہ قادیان میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ ان میں ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا عنایت اللہ چشتیؒ، مولانا محمد حسینؒ، مولانا شیخ احمد، مولانا علاؤ الدین حیدر، مولانا خلیل الرحمن، سید محمد غریب شاہ، حافظ محمد، فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ اور مولانا محمد یعقوب وغیرہم حضرات کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ختم نبوت ٹرسٹ

قادیان میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہاں کے مغل خاندان (مرزائیوں) نے اہل اسلام کا سوشل بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ اور بائیکاٹ کا یہ سلسلہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے قبرستان میں میت کو دفنانے سے روک دیا اور مسلمانوں سے کہا کہ تم چونکہ ایک نبی کو نہ ماننے کی وجہ سے مسلمان نہیں ہو لہذا تم ہمارے قبرستان میں اپنی میت کو دفن نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے مجبوراً وہ میت بٹالہ کے قبرستان میں جا کر دفن کی۔ اس بائیکاٹ میں عام دوکانداروں سے سودا خریدنا اس وقت تک ترک کر دیا گیا جب تک وہ معاہدہ (ذمی بننا) قبول نہ کریں۔ بائیکاٹ نے اہل اسلام کو مجبور کر دیا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں اور یا اپنی آزادی قربان کر دیں۔ اس طرح جو شخص ان کا معاہدہ ہو جاتا اس کی دوکان پر معاہدہ (ذمی) کا بورڈ لگ جاتا معاہدہ کا نام ”معاہدہ تجارت“ رکھا گیا تھا۔ قادیان میں عام مسلمانوں کا نہ تو کوئی سکول ایسا تھا۔ جس میں وہ اپنے بال بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔ اور نہ ہی کوئی عبادت گاہ ایسی تھی جو اس مغل خاندان کے اثر سے محفوظ ہو۔ مسلمانوں کی اکثریت نے اگرچہ ”نئی نبوت“ کو قبول نہیں کیا تھا مگر قادیان میں رہتے ہوئے اس خاندان سے اس قدر مرعوب تھے کہ ان کی آزادی ضمیر ختم ہو چکی تھی۔ قادیان

کے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے انتظام اور دوسری دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے شعبہ تبلیغ نے ختم نبوت کے نام پر ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کے زیر اہتمام ایک سکول اور تین مسجدیں تعمیر کی گئیں اور کچھ مکانات خرید کر وقف کر دیئے۔ اور 32 بیگھہ زمین خرید کر قادیان میں ایک عالی شان جامع مسجد کی بنیاد قائم کر دی گئی اور اس کے ساتھ خالص مسلم آبادی کے لئے علیحدہ بستی کی صورت میں مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا۔¹

شعبہ تبلیغ

ہمارے ملک کے جن علماء کرام نے باطل فرقوں کے مقابلہ میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں ان کی خدمات اگرچہ قابل تشکر و امتنان ہیں لیکن باطل کی مضبوط تنظیم کے مقابلہ میں اسلامی نظام تبلیغ بڑی اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کا طالب تھا۔ چنانچہ برسوں کی شبانہ روز کوششوں کے بعد تحفظ ختم نبوت کے اراکین نے ان ہی بنیادوں پر یہ نظام قائم کیا۔ اس نظام تبلیغ کا پورے ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ اور قادیان میں منعقدہ ایک عظیم الشان کانفرنس کے موقع پر ہندوستان کے شہرہ آفاق علماء نے اس نظام میں شرکت کر کے اپنی خدمات تحفظ ختم نبوت اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دیں۔ حتیٰ کہ حکیم الامت قدوة السالکین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز نے اس مقدس مشن میں شرکت فرماتے ہوئے جماعت کی باقاعدہ رکنیت قبول کی اور ایک روپیہ سالانہ رکنیت کے حساب سے آپ نے مبلغ بیس روپے ادا کر کے بیک وقت بیس سال کا چندہ رکنیت عطا فرمایا۔

شعبہ تبلیغ کے اغراض و مقاصد

- (1) شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام خالص مذہبی شعبہ ہے سیاسیات ملکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔
- (2) ارتداد و دھرت کی روک تھام کے پیش نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔
- (3) مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اس کے لئے مبلغین کی ایک سرگرم

جماعت تیار کرنا۔

(4) ہندوستان اور بیرون ہند اسلام کی اشاعت کرنا۔

(5) خدمت خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

(6) شعبہ تبلیغ کے حسب ذیل عہدہ دار منتخب ہوئے۔

صدر: میاں قمر الدین رئیس اچھرہ لاہور۔

نائب صدر: چوہدری افضل حق۔

جنرل سیکرٹری: مولانا عبدالکریم مہبلہ۔ اس کا صدر دفتر اچھرہ لاہور میں

قائم کیا گیا۔¹

قادیان کے سکول

1 یہ بات بڑے تعجب کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ قادیانیوں کے سکولوں میں تعلیم

حاصل کرنے والے بچوں سے ہر امتحان میں مسئلہ اجراء نبوت (یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی آنے کا جواز)

2 مسئلہ وفات عیسیٰ علیہ السلام

3 سیرۃ مرزا غلام احمد وغیرہ موضوعات پر مشتمل ایسے سوالات کئے جاتے کہ ان سکولوں

میں تعلیم پانے والے مسلمان بچے بھی قادیانیوں کے عقائد کے مطابق ہی ان

سوالات کا جواب لکھتے۔ گویا ذہنی طور پر مسلمانوں کے بچے قادیانیت قبول کرنے پر

مجبور تھے۔ ان حالات میں یہ ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی گئی کہ مسلمان

بچوں کی ذہنی نشو و ارتقاء انہیں اسلامیات سے روشناس کرانے کے لئے ایک

مدر سے (School) کا قیام کیا جائے۔ تاکہ مسلمان بچے قادیانیوں کی گمراہ کن تعلیم

سے محفوظ رہ سکیں اور وہ قادیان کے سکولوں کے محتاج نہ رہیں۔ چنانچہ ختم نبوت

ٹرسٹ نے ایک پرائمری سکول قائم کر کے اسلامی تعلیم کا انتظام کر دیا اور چند برس

میں یہ مڈل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

رکاوٹوں کا ازالہ

قادیان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مرزائیت قبول کرنے کے بعد یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو مکانات بنانے کے لئے زمین کے ایسے قطعات دیئے جاتے جو قادیانی خلیفہ یا اس کے مقرر کردہ شخص کے نام کے ہوتے۔ اگر کوئی مرزائی اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیتا تو نہ صرف یہ کہ دوسرے قادیانی اسے طرح طرح کی ایذا پہنچاتے بلکہ اسے اپنے مکان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے۔ اس طرح ہر قادیانی اپنے اپنے مقام پر مرزائیت سے متنفر ہونے کے باوجود اس خوفناک انجام سے سہمے ہوئے تھا۔ اور یہ بات ترک مرزائیت میں بڑی رکاوٹ بن رہی تھی۔

چنانچہ ختم نبوت ٹرسٹ نے ترک مرزائیت کر کے اسلام قبول کرنے والوں کے لئے رہائشی مکانات بنانے اور ان کے لئے روزگار مہیا کرنے کے لئے کھڈیوں کی فیکٹری قائم کرنے کا انتظام کیا۔ یہ کام بڑے وسیع پیمانہ پر جاری تھا کہ ملک تقسیم ہو گیا۔ اور پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔ شعبہ تبلیغ حضرت امیر شریعتؒ کی سرپرستی اور آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام کار کر رہا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد قادیانی جماعت کلاٹ پادری مرزا بشیر الدین محمود برقعہ اوڑھ کر قادیان سے فرار ہوا تو فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ نے ٹیلی گرام کے ذریعہ صورت احوال سے مطلع فرما کر اجازت چاہی تو شاہ جیؒ نے حکم فرمایا کہ آپ پاکستان تشریف لے آئیں۔ اس طرح مرزائی جماعت کا چیف گرو پہلے آیا۔ اور فاتح قادیان مولانا محمد حیاتؒ بعد میں تشریف لے آئے۔¹



حق کی تلوار

حضرت شاہ صاحب حق اور حق پرستوں کی گویا ایسی تلوار تھے کہ جس باطل کے سر پر تلوار پڑتی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ وہ خدائی بجلی یا آسمانی ساعقہ تھی۔ کہ کفر و ضلالت کے جس خرمن پر گرتی اس کو راکھ کر دیتی۔ وہ لجن داؤدی کا اس دور میں ایک نمونہ تھے۔ کہ دوست و دشمن سب کو مسحور کر لیتے۔ وہ صور اسرافیل تھے۔ جس کی حیات بخش دعوت سے مردہ دلوں میں جان پڑ جاتی۔

جن کی ایک آواز پر پچاس ہزار رضا کار آزادی کشمیر کے لئے سر پر کفن باندھ کر چل پڑتے جن کے ایک اشارے پر متحدہ ہندوستان کے برطانوی جیل خانے بھر جاتے۔ جن کا داخلہ قادیاں ایوانِ مرزائیت میں زلزلہ ڈال دیتا۔ جو علم و عمل شعر و ادب۔ اخلاق و مزاج۔ ظرافت و لطافت شریعت و طریقت اور رزم و بزم کے مجمع کمالات تھے۔ وہ جو تقریر و خطابت میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

جہاں کہیں آپ کی تقریر ہوتی۔ مسلمان تو مسلمان ہندو و سکھ آپ کی زبان سے قرآن کی تلاوت سننے آ جاتے۔ مخالفین تقریر سے مخطوظ ہونے کو شریک ہوتے۔ اور خدام و معتقدین پروگرام لینے کے لئے حاضر ہوتے۔ آپ کے توشہ آخرت کے لئے یہ قابل فخر سامان بس ہے کہ:-

- (1) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے آپ منظور نظر تھے۔ اور ایک بار فرمایا۔ کہ میرے مرید نہیں پیر ہیں۔
- (2) خاتم محمد ثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ) کشمیری نے آپ کو امیر شریعت بنایا۔
- (3) مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے آپ کو چھاتی سے لگایا۔ اور دل میں جگہ دی۔
- (4) شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ

صاحب اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سب اکابر امت اور اولیاء ملت آپ کو محبوب رکھتے۔

قطب زمان حضرت مولانا احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ کنڈیاں شریف نے جب سنا کہ امیر شریعت پر سکندر حیات کی حکومت نے بغاوت کا مقدمہ بنایا ہے تو بے چین ہو کر متوجہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ غرضیکہ حضرت امیر شریعت سب بزرگوں کی آنکھوں کا تارا تھے۔¹



www.ahlehaq.org

بے باکی اور جہد مسلسل

مولانا تاج محمود لکھتے ہیں:

آپ کی زندگی جرأت و بے باکی اور جہد مسلسل سے عبارت تھی ساری زندگی وقت کے فرعونوں اور نمرودوں سے ٹکراتے رہے نہ کسی کے آگے جھکے اور بکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ عجیب و غریب داستان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اپنے زمانے میں روح رواں۔ شاہ جی انسانوں کے اس عظیم گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں مشیت الہی اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا کرتی رہی ہے۔ وہ حسب و نسب، وضع قطع، چہرے و مہرے نشست و برخاست کردار و گفتار غرض ہر اعتبار سے انہیں لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ جنہوں نے نوع بشر کی فلاح و بہبود کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں بے مثال کام کئے اور دنیا میں اپنے پیچھے غیر فانی نقش اور انمٹ یاد چھوڑ گئے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

تاریخ شاہد ہے کہ ایسے لوگ جب دنیا میں آئے تو کسی سازگار ماحول اور دنیاوی جاہ و شہرت نے ان کا خیر مقدم نہیں کیا۔ بلکہ مصائب و آلام ہی نے ان کا استقبال کیا۔ وقت کے فراعنہ اور نماردہ نے ان کے لئے دار و رسن کی آزمائشوں کے سامان مہیا کئے اور زندگی کی تمام آسائشوں کو ان پر ممنوع قرار دیئے رکھا۔ لیکن وہ راست باز اور جیالے انسانِ مرد و پیش سے بے نیاز اور نتائج سے بے خوف ہو کر اپنا کام کرتے چلے گئے۔

شاہ جی کی پوری زندگی بے باکی اور جدوجہد کی زندگی تھی۔ انہیں زندگی کے جس مرحلے میں دیکھا یہی محسوس ہوا کہ۔

ہوا ہے گوئند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش حق نے جس کو دیئے انداز خسروانہ
ایسے لوگوں کے متعلق عام طور پر سنت اللہ یہی رہی ہے کہ جب تک وہ غم یعنی قید
حیات میں رہے۔ ان کی ناقدری کی گئی۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں۔ لیکن جب وہ
رحمت الہی سے جا ملے تو ان کے بعد لوگوں نے آنسو بہاتے ہوئے شہادت دی۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ہَذَا بَشَرًا اِنْ ہَذَا اِلَّا مَلٰکٌ کَرِیْمٌ

اے ناقدری عالم کا صلہ کہتے ہیں

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

شاہ جی کو اپنی زندگی میں جس جابر اور قاہر قوت سے پالا پڑا ہے وہ برطانوی
شہنشاہیت تھی۔ جس کے حدود اقتدار میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا جو سونے چاندی کے
خزانوں کا مالک تھا۔ اس کے قشون قاہرہ میں صرف پنجاب کے نوڈی جوان ہی نہ تھے۔
اور محض توپیں اور سنگینیں ہی نہ تھیں بلکہ نوٹوں اور ٹوانوں کے طریقے فقیہان شہر کے
فتوے۔ برطانوی مصلحت کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے والے مفسر سرکاری ولی اور خود کاشٹہ
قسم کے نبی بھی شامل تھے۔ 1

عظیم شخصیت

متحدہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا دور مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی اور
اخلاقی زوال کے عروج کا زمانہ تھا۔

جس کی تفصیلات کے لئے علیحدہ فرصت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ عجیب ترین
کرشمہ قدرت تھا۔ کہ اس غلامی اور ذلت کے دور میں اس سرزمین پر ایسے ایسے جلیل القدر

لوگ پیدا ہوئے ہیں۔

جن کی مثال قرونِ اولیٰ کو چھوڑ کر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔

غیرت ہند سراج الدولہ، شمشیر اسلام سلطان ٹیپو، مولانا سید احمد بریلوی، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا محمد علی جوہر، علامہ محمد اقبال، مولانا عبید اللہ سندھی، سید انور شاہ کشمیری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر علی خان، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آنے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈو چراغِ رُخِ زیبا لے کر

شاہ جی کا امتیاز

ان اکابرین ملت میں سے ہر ایک نظر بظاہر فرد تھا۔ لیکن حقیقت میں فرد نہیں بلکہ ایک ادارہ۔ ایک لائبریری اور ایک انجمن تھا۔

ان تمام بزرگوں سے شاہ جی کی شخصیت کا موازنہ یا مقابلہ کرنا یا کسی جزوی یا کلی فضیلت کا ثابت کرنا مقصود نہیں۔ اور نہ ہی ایسی جسارت میرے لئے مناسب امر ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔

کہ ان اکابرین کے حالات و سوانح پراگر غور کیا جائے۔ تو ان میں سے ہر ایک تحریر و تقریر۔ شعر و ادب درس و تدریس۔ زہد و تقویٰ۔ علم و فضل۔ جرأت و بسالت۔ جلال و جمال اور سیاست و مذہب جیسے صفات میں نے کسی خاص وصف سے مخصوص تھا۔

لیکن شاہ جی اس بات میں امتیازی حیثیت سے متصف تھے۔ اللہ نے ان کو تمام کمالات کا مجموعہ بنایا تھا۔ یہ سارے بزرگ اپنے اپنے مقام پر بے مثال تھے۔

لیکن شاہ جی میری نگاہ میں

ہمہ شہر پرز خوباں منم و خیال ماہے

چہ کنم بچشم پر نہ کند بکس نگاہ
شاہ جی کوئی صاحب ایجاد و سائنسدان نہ تھے۔ وہ سحر طراز شاعر نہ تھے وہ کوئی
صاحب سلطنت فاتح نہ تھے۔ وہ کوئی جاگیردار اور سرمایہ دار نہ تھے۔ کہ ان تمام اوصاف کے
برعکس وہ ایک بے سرو سامان مرد فقیر تھے۔ پوری زندگی مصائب و ابتلاء میں انہیں کے بقول
جیلوں اور ریلوں میں کٹ گئی۔ فقر و فاقہ میں وصال ہوا۔ لیکن جب اس مرد درویش کا جنازہ اٹھا
تو زمین و آسمان آنسو بہا رہے تھے۔ دولاکھ انسانوں کا سمندر سر زمین ملتان میں موجزن تھا۔ اور
شاہ جی کا جنازہ اسی سمندر میں کشتی کی طرح تیرتا ہوا گھر سے آغوشِ لحد تک پہنچ گیا۔

اس الوداع کے غم میں جب آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں تو یقین آیا کہ شاہ جی کی
درویشی اور فقری کا منصب ان تمام مناصب سے بلند تھا۔

نہ تاج و تخت میں نے لشکر و سپاہ میں ہے

جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے 1

بے نیازی اور استغنا کی سلطنت کے بادشاہ

اس میں شک نہیں کہ ان کے تمام اوصاف اور کمالات میں ان کی خطابت سب سے
بڑا کمال تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں باقی تمام کمالات خطابت کے لئے عطا ہوئے تھے تو
بالکل درست ہوگا۔

لیکن خطابت کے علاوہ ان کی بے شمار ایسی باتیں قابل ذکر ہیں۔ جو اس دور میں
شاید ہی کسی نصیب ہوئی ہوں۔ وہ بے نیازی اور استغنا کی سلطنت کے بادشاہ نہیں شہنشاہ تھے
کسی دنیاوی لالچ یا کسی نام و نمود کی خواہش کا کوئی معمولی اثر ان کی طبیعت قبول نہیں کرتی تھی۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ چوہدری صادق علی صاحب جو شکل و صورت اور مزاج و سیرت کے لحاظ
سے دیندار و سست ہیں اور ان دنوں لائل پور میں ڈسٹرکٹ فوڈ کنٹرولر لگے ہوئے تھے۔ کسی کام یا
سرکاری میٹنگ میں شرکت کی غرض سے ملتان گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ لائل پور کے کچھ

مل مالکان بھی تھے۔ چوہدری صاحب اپنے ہمراہیوں سمیت شاہ جی کی زیارت کو پہنچے شاہ جی سے ملنے کے بعد مل اور صاحبان کا بڑے اہتمام کے ساتھ تعارف کرانے لگے کہ یہ فلاں صاحب اور فلاں مل کے مالک ہیں ابھی سب سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ شاہ جی نے ملاقات سے ہاتھ کھینچتے ہوئے فرمایا۔ چوہدری صاحب چھوڑیے ”مل والوں“ کی بات مجھے تو کسی دل والے کی بات سنائیے۔ آپ ان کا تعارف مجھ سے کیا کر رہے ہیں یہ لوگ جس طرح غریب مزدوروں کا خون چوس کر ملوں والے بنتے ہیں۔ اس سے میں خوب متعارف ہوں۔¹

سکندر مرزا سے ملاقات کا انکار

جس زمانے میں پاکستان میں سکندر مرزا کا طوطی بول رہا تھا اور بڑے بڑے حریت مآب اسے پاکستان کی کشتی کا ناخدا سمجھ کر اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں حکومت کی طرف سے شاہ جی کی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت پر مقدمات و پابندیاں اور مظالم شروع ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد حکومت کی طرف سے سلسلہ جنابانی شروع ہوئی۔ کہ آپ لوگ حکمرانوں سے ملیں آپ کی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ شاہ جی کے علاوہ کچھ لوگ ملے اپنی مظلومیت بتائی۔ مگر بات وہیں رہی۔ اور شاہ جی کی ملاقات کا سوال اٹھایا گیا۔ ہم نے بھی شاہ جی سے عرض کیا کہ جماعت کا مفاد اسی میں ہے کہ آپ ملاقات کر لیں۔ شاہ جی نے صاف انکار کر دیا۔

پیغام آیا۔ کہ شاہ جی کے لئے صدر کا وائیٹ ڈنٹ بھیج دیا جائے گا۔ تشریف لے آئیں۔ شاہ جی نے نہ مانا۔ لمبی داستان ہے۔ بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ اچھا سکندر مرزا ملتان کوئی سرکاری تقریب رکھ لیں گے اور وہاں ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ تقریب اور اس کے لئے دورہ رکھ لیا گیا۔ لیکن یہاں شاہ جی رضا مند نہیں ہوئے شاہ جی سے کہا گیا کہ کمشنر صاحب آپ کو کار میں خود آکر لے جائیں گے۔ لیکن شاہ جی نے نہ مانا تھا نہ مانے۔ اب ہمیں بھی فکر ہوئی سب نے بھی عرض کیا۔ جماعت کے آفس سیکرٹری مولانا محمد شریف جالندھری جو شاہ جی کے نہایت با اعتماد اور پیار سے خادم تھے اور شاہ جی سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر لیا کرتے تھے۔ حاضر ہوئے اور کہا کہ

پیر جی آپ کو اب جماعت کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے اور یہ جماعت کا فیصلہ ہے۔ جس کی میں آپ کو اطلاع دے رہا ہوں آپ صدر مملکت سے ملاقات کریں۔ شاہ جی نے جماعت کے فیصلے کا لفظ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ بہت اچھا بھائی میں اس سے ملوں گا۔

لیکن ایک بات سن لو میں بھی عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں میں اس سے اپنے مکان کے متعلق بات کروں گا۔ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے متعلق میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت اب وہی ذات کرے گی جس کے ذمہ اس کی حفاظت ہے۔ اس شخص سے میں یہ بات کر کے مسئلہ کو رسوا نہیں کرنا چاہتا۔

چنانچہ سب نے یہی فیصلہ کیا کہ شاہ جی کو ملاقات کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔ شاہ جی کے ذہن میں سکندر مرزا کا وہ تکلیف دہ کردار تھا جو اس نے اپنے ڈیفنس سیکرٹری پاکستان کے زمانہ میں ادا کرتے ہوئے تحریک تحفظ ختم نبوت کے خلاف مارشل لاء لگوا کر اسے کچلنے میں حصہ لیا تھا۔¹

اخباری بیانات سے احتراز

شاہ جی نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں انقلاب آفرین حصہ لیا۔ کئی تحریکوں کو خود جنم دیا۔ پروان چڑھایا لیکن پوری زندگی اخباری بیان دینے سے احتراز کیا۔ جب بھی اخبار نویسوں نے کچھ پوچھنا چاہا تو پیار محبت سے ٹال جاتے رہے۔ معمولی درجہ کے لوگوں میں بھی یہ خواہش موجود رہتی ہے کہ ان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوں لیکن شاہ جی میں یہ کمزوری بالکل نہ تھی۔ شاہ جی کی یہ بے نیازی غرور و تکبر کی وجہ سے نہ تھی۔ تکبر اور خود پسندی ان میں نام کو نہ تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں اور رضا کاروں کے سامنے سراپا عجز و نیاز بن جایا کرتے۔ ان کی اس انکسار کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

ایک دفعہ رات کے وقت لائل پور (فیصل آباد) تشریف لائے۔ حسب معمول راقم الحروف (مولانا تاج محمود) کے مکان میں عزت بخشی۔ بڑی بے تکلفی سے فرمایا کہ بھائی کھانا نہیں کھایا کھانا کھائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تازہ کچھ نہیں پکایا جائے گا۔ جو کچھ گھر میں

موجود ہے وہی دسترخوان پر رکھا جائے۔ ہم میاں بیوی نے نافرمانی کرنے کا پروگرام بنایا تو ناراض ہونے لگے۔ مجبوراً جو کچھ تھا۔ حاضر کیا گیا۔ وہی کھالیا۔ بہت خوش ہوئے اور اس انداز سے بے شمار دعائیں دیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ شاہ جی کی دعائیں میرے لئے ہر نعمت سے بڑھ کر ہیں۔

جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے نفرت

شاہ جیؒ کو جھوٹ اور جھوٹے آدمی سے انتہا درجہ کی نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر مصیبت برداشت کر سکتا ہوں لیکن جھوٹا ساتھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جماعتی زندگی میں بھی جب کسی سے کذب و افترا سنتے اور اس کے جواب دینے کی ضرورت پڑتی تو قرآن کی اس آیت پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ ”لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ“

شاہ جیؒ ایک عظیم انسان تھے۔ ان کے مزاج میں جلال اور جمال دونوں صفات کا ایک حسین امتزاج تھا۔ وہ غصے میں آتے تو ان کے سامنے بڑے بڑوں کو اُف کرنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ میں نے شاہ جیؒ جیسا صاف دل انسان آج تک نہیں دیکھا۔ کبھی کسی آدمی کے متعلق دل میں بات نہیں رکھا کرتے تھے۔¹



www.ahlehaq.org

شاہ جی! اور قید و بند کی آزمائشیں

شاہ جی کا خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عشق اس حد تک تھا کہ آپ نے تحریک تحفظ ختم نبوت میں خواجہ ناظم الدین کو جلسہ عام میں یہ پیشکش کی تھی کہ آپ سرور کائنات ﷺ کی ختم رسالت کی حفاظت کا مطالبہ مان لیں۔ میں اپنی بقیہ زندگی آپ کے سوروں کا ریوڑ چرایا کروں گا۔ آپ نے اسلام کی سر بلندی اور راہ حق میں ساڑھے بارہ سال کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن منہ سے آہ تک نہ کی۔ آپ نے پوری زندگی اسلام کی سر بلندی، ملت کی فوز و فلاح اور ملک کے استخلاص میں گزاری۔ اس آزمائش اور ابتلاء کے دور میں ان پر بے پناہ مظالم اور مصائب توڑے گئے انہوں نے نہایت جدوجہد اور مشکلات کی زندگی بسر کی۔ لیکن کبھی بے صبری کا اظہار نہ کیا۔ اور نہ ہی کبھی کسی گلہ و شکوہ سے زبان کو آلودہ کیا۔

- (1) آپ کو پہلی دفعہ 1921ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں تین سال سخت کی سزا دی گئی۔
- (2) دوسری مرتبہ رسوائے عالم گستاخ رسول آریہ سماجی مصنف، ناشر، راج پال کے قتل کے سلسلہ میں 6 جولائی 1927ء میں گرفتار کئے گئے۔ ایک سال تک بورٹل جیل لاہور میں رکھے گئے بالآخر رہا ہوئے۔

- (3) تیسری مرتبہ 30 اگست 1930ء میں بسلسلہ تحریک آزادی ہندوستان (تحریک نمک سازی) میں کلکتہ سے گرفتار کر کے چھ ماہ کی قید سخت کی سزا دی گئی۔ (علی پور اور ڈم ڈم جیل میں رہے)

(4) چوتھی مرتبہ آپ کو تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا۔ اور دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

(5) نومبر 1935ء میں آپ نے قادیان میں جمعہ پڑھانے کا اعلان کیا۔ برٹش حکومت نے دفعہ 144 لگا کر شاہ جی کو قادیان میں داخل ہونے سے روک دیا شاہ جی انگریزی سرکار کے اس حکم کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیرتے ہوئے قادیان میں داخل ہو گئے۔ اور وہاں جمعہ پڑھایا۔ حکومت نے آپ کو تین ماہ قید سخت اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔

(6) چھٹی مرتبہ برطانوی حکومت کے فیصلہ کے مطابق سرسکندر حیات کی وزارت نے آپ کو گرفتار کر کے قتل اور بغاوت کے سنگین مقدمات بنائے۔ سازش یہ تھی کہ آپ کو ان مقدمات کے نتیجہ میں سزائے موت دلوائی جائے۔

لیکن شاہ جی اہل حق میں سے تھے۔ اہل حق کی مدد اللہ تعالیٰ ایسے طریقے پر کرتا ہے۔ کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس مقدمہ میں ”شہد شاید من اہلہا“ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں ایک دودھ پیتے بچے نے گواہی دے کر آپ کا بے گناہ ہونا ثابت کیا ایسے ہی سرکاری سی آئی ڈی رپورٹر ”لالہ لدھارام“ جس سے غلط جملے تقریر میں شامل کرائے گئے تھے۔ عدالت میں بول اٹھا۔ کہ شاہ جی بے گناہ ہیں۔ اصل گناہگار میں ہوں اور میرے آقا یان ولی نعمت یونیٹس وزارت اور انگریز بہادر ہیں۔ اور مجھے ایس پی گجرات نے حکم دیا تھا کہ ایسے جملوں کا اپنی طرف سے شاہ جی کی تقریر میں اضافہ کروں۔ شاہ جی کو ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر نینگ نے رہا کر دیا تھا۔¹

اسی گواہی پر شاہ صاحب معجزانہ طور پر اس سنگین مقدمہ سے بری ہوئے اس طویل مقدمہ کے دوران شاہ جی دو سال کے قریب جیل میں رہے۔

(7) ساتویں قید شاہ جی نے پاکستان بننے کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران سکھر

جیل میں کافی۔ اگرچہ اس قید کا زمانہ بڑا ہی مختصر تھا سو اس سال کے قریب جیل میں رہے۔ اور رہا کر دیئے گئے۔ تاہم جتنی جسمانی اور ذہنی تکلیف اور اذیت شاہ جی کو اس قید میں پہنچائی گئی۔ اس کی مثال پہلے نہیں گزری تھی سابقہ گرفتاریاں آزادی وطن کے سلسلے میں تھیں۔ جو ایک کافر اور غیر ملکی حکومت کی طرف سے تھیں۔ اسی طرح سابقہ گرفتاریوں اور سزاؤں کے دوران شاہ جی کو کافر اور غیر ملکی حکومت نے پیش کش کلاس دے کر ان سے ایک سیاسی قیدی کا سلوک روا رکھا لیکن تحریک تحفظ ختم نبوت کی گرفتاری اپنے مسلمانوں کی طرف سے پیش آئی تھی۔ اور وجہ نزاع رحمت سرور کائنات ﷺ کی عزت کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ ارباب اقتدار جو حضور سرور کائنات ﷺ کے نعلین مبارک کے تلوؤں کی خاک پاک کی برکت سے برسر اقتدار آئے تھے۔ وہ قادیانی گستاخان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی کی حفاظت کی ضمانت لینے کو تیار نہ تھے۔

مطالبہ صرف یہ تھا کہ آمنہ کے لال حضرت محمد ﷺ کے منصب ختم رسالت کی حفاظت کی ضمانت دی جائے۔ تاکہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کا احترام اور امتیاز قائم رہے۔ اور اسلام کی مرکزیت فنانہ ہو جائے۔

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے !!

کسی بتکدہ میں بھی ہوں میں تو صنم بھی کہیں ہری ہری

شاہ جی کو سکھر جیل میں سی کلاس دی گئی۔ اور ارھر کی دال میں تیل کا تڑکا۔ باہر سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ذہنی صدمہ اور جسمانی اذیت سے صحت کا ڈھانچہ ہل گیا۔ اسی تکلیف سے بالآخر دوسری تکالیف پیدا ہوئیں۔ شاہ جی کی قید معہ اس عرصہ کے جس میں وہ مختلف مقدمات میں ماخوذ ہو کر حوالاتی کی حیثیت سے جیل میں رہے کوئی (ساڑھے بارہ) سال کے قریب ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود آپ کے صبر اور استقامت کا اس سے اندازہ لگائیے فرمایا کرتے تھے۔

آخری قید اور منیر انکوائری کمیشن

مولانا مجاہد احسنی لکھتے ہیں:

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں گرفتار ہونے والے رہنما مختلف جیل خانوں میں بند تھے۔ فسادات پنجاب کی عدالتی تحقیقات کا آغاز ہو چکا تھا۔ تحقیقاتی کمیشن کی طرف تحریک کے سلسلہ میں مختلف دینی جماعتوں کو اپنا اپنا موقف بیان کرنے کو کہا گیا۔

چنانچہ لاہور سنٹرل جیل میں مجبوس زعمائے احرار نے کمشنر کی وساطت سے حکومت مغربی پاکستان سے مطالبہ کیا کہ ہماری جماعت کے ممتاز رہنما چونکہ مختلف جیل خانوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اور ان سے ضروری مشاورت کے حصول میں سخت الجھنیں پیش آرہی ہیں، اس لئے سب حضرات کو لاہور سنٹرل جیل میں یکجا کر دینا از بس ضروری ہے۔ تاکہ ہم بھی تحقیقاتی کمیشن کے رو برو اپنا موقف اجتماعی حیثیت میں پیش کر سکیں۔ تحقیقاتی کمیشن نے حکومت پر زور دیا کہ جس قدر ممکن ہو سکے۔ ان رہنماؤں کو اکٹھا کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ ادھر کراچی میں گرفتار ہونے والے جلیل القدر رہنما ارباب اختیار مصلحتوں کے پیش نظر لاہور، حیدر آباد، سکھر اور دوسری جیلوں میں الگ الگ کئے جا چکے تھے۔ اسی لئے انہیں یکجا کرنے میں تاخیر سے کام لیا گیا۔ ادھر تحقیقاتی کمیشن کا تقاضا شدت اختیار کر رہا تھا کہ تحریک کے روح رواں حضرات کا غیر حاضری سے تحقیقات میں چونکہ رکاوٹ کا باعث کام ہی ہے۔ اس لئے وہ لوگ بلا تاخیر لاہور پہنچ جانے چاہئیں۔

ایک دن لاہور سنٹرل جیل کے ایک افسر نے صبح سویرے آکر ہمیں اطلاع دی کہ آج سکھر جیل کے قیدی یہاں پہنچ رہے ہیں۔ ان سب میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا ابوالحسنات کے اسماء گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ اس افسر نے اپنی بات کی تکمیل کرتے ہوئے دوسری فرحت افزاء خبر یہ سنائی کہ ان حضرات کے لئے بھی آپ کے اسی ”دیوانی احاطہ“ میں قیام کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اور غالباً دو پہر تک وہ حضرات بھی تشریف لے آئیں گے۔ لاہور سنٹرل جیل کے اس احاطہ میں اس وقت شیخ حسام الدین، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد حیاتؒ، سید سبط حسن، ملک عبدالغفور انوری، عطاء اللہ جہانیاں اور راقم الحروف بھی تھے۔ ہم

نے جب ان بزرگوں اور بالخصوص شاہ جی کی آمد کا مرثدہ جانفراسنا تو سب کے چہروں پر مسرت و بشارت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ان سب کی آنکھیں روزن در پر لگی ہوتی تھیں۔ کہ ان اولوالعزم اور جلیل القدر شخصیات کی زیارت کا شرف کب حاصل ہوتا ہے۔

لاہور سنٹرل جیل میں شاہ جی کی آمد

۲۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو دن کے گیارہ بجے گرفتار ہونے والے حضرات کا ایک گروہ جن میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید ابوالحسنات قادری، جناب سید مظفر علی شمشی اور دیگر حضرات شامل تھے۔ سنٹرل جیل میں پہنچ گیا۔ باقی حضرات تو دیوانی احاطہ میں آ گئے۔ لیکن شاہ جی دیوڑھی میں ہی تھے۔ آپ کے استقبال کے لئے ہمارے علاوہ دوسری بیرکوں کے سیاسی اور اخلاقی قیدی اپنے اپنے احاطوں میں سرپا انتظار بنے کھڑے تھے کہ سامنے سے جیل کے ارباب اختیار اور چند دوسرے قیدیوں کے جلو میں شاہ جی تشریف لاتے دکھائی دیئے۔ جونہی لوگوں کی نگاہیں آپ پر پڑیں۔ امیر شریعت زندہ باد! کے فلک شکاف نعروں میں جیل کے درو دیوار گونج اٹھے۔ دیوانی احاطہ میں شاہ جی سب سے آخر میں پہنچے۔ ضعف اور نقاہت کے باعث آپ بے حد پڑمردہ تھے۔ آپ کا جسم اب ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ گالوں اور تابناک چہروں پر جھریاں پڑ گئی تھیں اور جسم پر جگہ جگہ پھوڑے پھنسیوں کے داغ دھبے نمایاں تھے۔ دیوانی احاطے کے بڑے کمرہ میں شاہ جی اور مولانا ابوالحسنات کے لئے رہائش کا انتظام کر دیا گیا۔ ان کی آمد سے قبل چونکہ جیل کے اکثر قیدی چار پائیوں کی بجائے زمین پر اپنا بستر بچھا کر ایام اسیری گزار رہے تھے اور صرف ہمارے احاطہ کے چند نظر بندوں کے پاس جو چار پائیاں تھیں۔ وہ ان بزرگوں کی خدمت میں پیش کر دی گئیں۔ جیل کے افسروں نے بعد میں اکثر سیاسی قیدیوں کے لئے چار پائیوں کا انتظام کر دیا۔

حکام سکھر جیل کا افسوسناک سلوک

شاہ جی چونکہ بیماری اور سفر کی طوالت کے بعد بے حد نڈھال تھے۔ اس لئے ہم نے اپنی بات چیت صرف علیک سلیک تک محدود رکھی۔ ظہر کی نماز کے بعد جب اربابِ سخن نے شاہ

جی سے ان کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے پہلے کراچی کے ارباب اختیار کی کرم بخشوں کی داستان سنائی کہ ان لوگوں نے ہم بڈھوں (مولانا ابوالحسنات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے ساتھ کیا سلوک کیا پھر سکھر جیل کے افسروں کی اخلاقی باختگی اور ان کی سردمہری کے واقعات سنائے تو سامعین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

شاہ جی نے فرمایا کہ موسم گرما، جون، جولائی کی ہلاکت خیزیاں، سکھر جیل اور پھر اس کے رحم دل اور ذرہ نواز ارباب اختیار بس یہ تو میرے اللہ کا فضل و کرم ہوا کہ ہم وہاں سے زندہ سلامت آ گئے ورنہ ان لوگوں نے اپنی جانب سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

آپ نے سکھر جیل کی خوراک کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ چاول اور نامعلوم اشیاء کے امتزاج سے جو سخت سے سخت روٹی تیار ہو سکتی ہو۔ وہ ہمارے لئے مہیا کی جاتی۔ ساگ پات کی جگہ گھاس پھوس اور مسلسل مسور کی دال یہ ہمارے لئے سب سے اچھی صحت افزا غذا تجویز کی گئی تھی۔ تپتے ہوئے مختصر سے قبر نما کمرے ہمارے لیے مسکن اور قیام گاہیں تھیں جن سے معمولی ہوا کا بھی مشکل سے گزر ہوتا تھا۔ جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تکلیف دہ اور دل گداز حالات میں میری صحت کا ستیاناس ہو گیا۔ جسم پر گرمی دانے نمودار ہوئے پھر وہ سخت پھوڑے بن گئے جنہوں نے میرے بدن میں اس طرح آگ لگادی۔ جس طرح دہکتے ہوئے انگارے جسم پر رکھ دیئے گئے ہوں۔

شاہ جی نے فرمایا! متحدہ ہندوستان میں ہم نے سخت سے سخت جیل خانے بھی دیکھے ہیں اور سفاک سے سفاک اور ظالم سے ظالم جیل کے انگریز افسروں سے واسطہ پڑا ہے۔ اور بعض افسروں سے ایسی گھٹی کہ رہائی تک اکھاڑا بنا رہا۔ لیکن سکھر جیل میں ہمارے ساتھ نرالا ہی سلوک ہوا میں قید و بنا کے مصائب بیان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کا تذکرہ معیوب سمجھتا ہوں۔ جو لوگ حوالات میں ایک رات کاٹ آئیں۔ تو باہر آ کر اخباروں کے نمبر نکالتے ہیں اور زندان کی ساعتیں منٹوں میں حساب لگا کر بیان کی جاتی ہیں۔ بابو! یہ پراپیگنڈے کی دنیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو ہمارے لئے جیل خانہ گلشن بنا دیا تھا۔ جیسے وہاں عطر بیز پھولوں تک رسائی کانٹوں سے الجھنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی گلشن زندگی میں

تکلیفوں اور تنگیوں کے بعد راحت پاسکتے ہیں۔ شاہ صاحب صاحب نے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر جاری رکھتے ہوئے فرمایا ”سبحان اللہ“ انہوں نے کتنی بلند بات کی ہے۔

رب السّجن احبُّ الی ممّا یدعوننی الیہ..... (یوسف: ۳۳)

”اے میرے پروردگار یہ قید خانہ مجھے اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ جدھر وہ مجھے بلارہے ہیں۔“

آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا، یہاں ذکر سکھر جیل کا ہو رہا ہے۔ میری تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ میں تو سرد گرم کشیدہ ہوں اور پوری زندگی جیل یا ریل کی نذر ہوئی ہے۔ یہ بڑے میاں ابوالحسنات بیچارے وادی پر خار میں پہلی بار قدم رنجاں ہوئے تھے مجھے ان کا بڑا احساس رہا۔

لیکن ماشاء اللہ ان کو تو میں نے اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ صابر و شاکر پایا۔ راقلم الحروف نے استفہاماً شاہ جی کی خدمت میں عرض کی۔ اور آپ حضرات کے ساتھ اس قسم کے افسوسناک سلوک کا محرک کہیں انسپکٹر جیل خانہ بات کا انتقامی جذبہ تو نہیں اس پر شاہ جی نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور خاموش ہو گئے۔

منیر انکوائری کمیشن کے متعلق شاہ جی کا موقف

۲۷ جنوری کو تحریک ختم نبوت کے دوران کراچی میں گرفتار ہونے والے دوسرے مرکزی رہنما جن میں ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا عبدالحامد بدایونی اور دوسرے حضرات شامل تھے۔ حیدرآباد جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقل کر دیئے گئے۔ ان حضرات کی آمد پر تحقیقاتی عدالت کے سامنے مجلس احرار کا موقف پیش کرنے کا مسئلہ آیا۔ چنانچہ مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جن میں مختلف حضرات نے اپنا اپنا طریقہ پیش کرتے ہوئے اُس بات پر زور دیا کہ ہمیں تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے اور اس کے سامنے اپنا موقف پیش کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام نہ لینا چاہئے۔ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنے رفقاء جماعت اور اربابِ سخن کے خیالات سن کر ایک سرد آہ بھری اور فرمایا! تم دوست جو فیصلہ کر لو مجھے اس سے

اختلاف نہیں ہو سکتا۔ آپ حضرات نے اپنی مدلل باتوں سے میرے دماغ کو متاثر کیا ہے۔ لیکن اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کیا کروں۔ یہ ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ کمیشن ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا۔ بلکہ میری نگاہ میں تو ہمیں رسوا کرنے کے لئے اربابِ حکومت کی یہ ایک دہر با چال ہے۔

شاہ جیؒ نے یہاں پر اس وقت کے اربابِ اقتدار کی ایمانی کمزوری اور باطل پرستی کا بھی ذکر کیا۔ ہمیں کمیشن سے عدم تعاون کا اعلان کر دینا چاہئے۔ پھر جو کچھ ہوگا۔ دیکھا جائے گا۔ ویسے تم لوگوں نے شہید گنج اور ۱۹۴۷ء کے انتخابات کے موقع پر بھی میری بات نہ مانی اور اب بھی نہ مانو گے۔ اور آخر کار وہی ہو کر رہا۔ جس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا۔

شاہ جیؒ کے اس انداز نے حاضرینِ اجلاس پر ایک سکوت طاری کر دیا۔ ساتھیوں نے جب مختلف کمیشنوں کے ساتھ تعاون کی سابقہ مثالیں پیش کیں۔ اور اس سلسلہ میں عدم تعاون کو نامناسب قرار دیا تو آپ نے فرمایا!

”اگر آپ لوگ اسی پر مصر ہیں تو ہمیں مشروط تعاون پر آمادگی ظاہر کرنی چاہئے۔ کہ ہمارا اصل فریق مخالف چونکہ قید و بند سے باہر ہے۔ اس لئے یا تو اسے بھی ہمارے ساتھ یہاں لایا جائے تاکہ مقدمہ کی پیروی کے لئے ہم دونوں کے وسائل و ذرائع یکساں ہو جائیں اور یا پھر ہمیں آزاد کر دیا جائے، تاکہ باہر جا کر ہم بھی اپنا موقف آزادانہ ماحول میں واضح کر سکیں ایک فریق کو آزاد اور دوسرے کو سلاخوں میں بند کرنے کی عملی صورت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اربابِ حکومت و اختیار اس پر فیصلہ صادر فرما چکے ہیں۔ میری مانو تو اپنی زندگی کا بقیہ حصہ قید و بند کی نظر کر دو۔ اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ وہ بہتر کار ساز ہے۔ لیکن اگر آپ حضرات اس کے لئے آمادہ نہ ہو سکیں۔ تو میں آپ کے فیصلہ کا پورا پابند رہوں گا۔ اور انشاء اللہ پھر اسی پر عمل ہوگا۔

”ہمارے ہاں تو جماعت نام ہے چند دوستوں اور ساتھیوں کی رفاقت کا۔“
الغرض اس اجلاس میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ مجلسِ احرار کو متوقع نتائج سے بے پروا ہو کر من حیثِ الجماعت تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے اپنا موقف پیش کر دینا چاہئے۔ چنانچہ بعد میں

احرار کا بیان بھی تحقیقاتی عدالت کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ باوجود کوشش کے جس کی اشاعت کی اجازت نہ مل سکی۔

مارشل لاء کے قیدیوں سے ملاقات

لاہور سنٹرل جیل میں شاہ جی کی آمد کی اطلاع جب مارشل لاء کے قیدیوں کو ملی تو انہوں نے حکام جیل کی اجازت سے شاہ جی سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ ایک دن صبح سویرے ہم اسیرانِ قفس ناشتہ کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دیوانی احاطہ کے انچارج نے آکر شاہ جی سے ملاقات کی کہ مارشل لاء کے چند قیدی باہر کھڑے ہیں۔ اور وہ آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں اندر بلا لوں۔ ابھی اس کی بات مکمل نہ ہو پائی تھی کہ شاہ جی ننگے سر اور ننگے پاؤں ان قیدیوں کے استقبال کے لئے دیوانہ وار کمرے سے باہر نکل گئے۔ دیوانی احاطہ کے دروازے پر قیدی خراماں خراماں آرہے تھے۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیوں کی چھنکار اور شاہ جی کا استقبال ایک عجیب پر کیف منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ شاہ جی نے سب کو گلے لگایا۔ ایک ایک کی بیڑی اور ہتھکڑی کو بوسہ دیا۔

پھر آپ نے اشکبار اور غمناک لہجے میں فرمایا اور تم لوگ میرا سرمایہ نجات ہو میں نے دنیا میں لوگوں کو روٹی اور پیٹ یا کسی اور مادی مفاد کے لئے نہیں پکارا۔ لوگ اس کے لئے بھی بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ میں نے تو اپنے نانا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کی دعوت دی ہے۔ اور تم لوگ صرف اور صرف اسی مقصد کے لئے قید و بند اور طوق و سلاسل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہو۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے۔ سیاسی شہرت یا ذاتی وجاہت جس کا مقصد ہو تم یہاں جیل میں بھی غیر معروف ہو تو باہر تمہارا استقبال کرنے والا اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر نعرہ لگانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ نیت اور ارادے کے اعتبار سے جس کی آمد اس مقصد کے لئے ہوتی ہے وہ یہی مقصد لے کر واپس چلا جائے گا۔ میرے لئے اس سے بڑا سرمایہ افتخار اور کیا ہو سکتا ہے۔

شاہ جی یہ جملے فرما چکے تھے۔ تو کسی نے ایک قیدی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ تحریک میں اس کا بھائی گولی کا نشانہ بن چکا ہے۔ اس کے لئے دُعا فرمائیں۔ شاہ جی نے

تحریک کے دوران تشدد دانہ کاروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا۔ ”بھائی ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت یا عوام تشدد پر اتر آئیں۔ اور کوئی ناخوشگوار صورت نمودار ہو جائے میں نے کراچی جیل میں جب لاہور اور دوسرے مقامات پر گولی چلنے کے واقعات سنے اور معلوم ہوا کہ کئی بوڑھے باپوں کی لائیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ ماؤں کے چراغ گل ہو گئے ہیں۔ تو مجھے اس کا بڑا صدمہ پہنچا۔ میں نے وہاں کہا تھا کہ کاش! مجھے کوئی باہر لے جائے۔ یا ارباب اقتدار تک میری یہ آرزو پہنچادی جائے کہ تحفظ ناموس رسول کے سلسلہ میں اب تک جتنی گولیاں چلائی گئی وہ مجھے ٹکٹکی پر باندھ کر میرے سینے میں پیوست کر دی جائیں۔

مارشل لاء کے ان قیدیوں کے علاوہ جو حضرات شاہ جی سے ملنے کے لئے آئے ان میں سے سید ابوالاعلیٰ مودودی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا اختر علی خاں، مولانا عبدالستار خاں نیازی، مولانا امین احسن اصلاحی کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

جیل میں شاہ جی کے مشاغل

لاہور سنٹرل جیل میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مشاغل کا عنوان ایسا ہے جس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ چند ضروری واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو شاہ جی کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ عبادات کے علاوہ شاہ جی کے روزمرہ کے مشاغل بظاہر کسی منظم پروگرام کے تحت نہیں ہوا کرتے تھے۔ یعنی مطالعہ کتب، تحریر، ملاقات اور سیر و سیاحت کے لئے کوئی باقاعدہ نظم اوقات مرتب ہو۔

شاہ جی کی زندگی میں اس انداز کا نظم اگر دکھائی دیتا ہے۔ تو وہ صرف عبادات کا ہے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے، یا پھر ورد و وظائف میں اور ذکر الہی میں منہمک رہتے۔ تہجد کے وقت جب بھی آپ اللہ اللہ کا ذکر بالجہر کرتے یا دوسرے اوقات میں تلاوت قرآن مجید کرتے تو وجد میں آجاتے اور اپنا روایتی لب و لہجہ اختیار کرتے تو سکوت زندان میں ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا اور ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔

شاہ جی کے مشاغل میں سب سے زیادہ جس بات کو اہمیت دی جاسکتی ہے۔ وہ ان

کا تذکرہ ماضی ہے۔ شاہ جیؒ اپنے زمانہ حیات میں جب احباب و رفقاء کی محفل آراستہ کرتے تو اکثر اپنے ماضی کے عظیم الشان واقعات اور اپنے مثالی کارناموں کا بے تکلف ذکر اس طرح کرتے جیسے تاریخ کے اوراق پارینہ پڑھے جا رہے ہوں۔ شاہ جیؒ نے اپنی مجلسی زندگی میں تاریخ آزادی وطن کے بڑے سنہری باب پڑھ کر سنائے ہیں۔

ایک دن چائے سے فارغ ہو کر ابھی دسترخوان پر ہی بیٹھے تھے کہ فتح دین نامی باورچی کا ذکر چھڑ گیا۔ اس باورچی نے اگرچہ پکانے میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ لیکن مولانا ابوالحسنات جنہیں شاہ جیؒ ہر فن مولا کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کی ایک نہ چلنے دیتے اور ضرور کوئی نئی ہدایات جاری فرما دیتے۔

الغرض شاہ جیؒ نے مختلف باورچیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں نے ایک بار انگریزوں کے خلاف خانساماں کی تحریک عدم تعاون بھی چلائی۔ مجھے کہیں سے اطلاع ملتی کہ اس انگریز افسر کے ہاں کوئی مسلمان ملازم خانساماں کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ تو اسے عدم تعاون پر آمادہ کرتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک خانساماں کا نفرنس منعقد کی گئی، جس کے اچھے اثرات مرتب کئے گئے۔^۱

جسمانی ورزش

شاہ جیؒ کے مشاغل کے ساتھ ہی یہاں پر اگر آپ کی جسمانی ورزش کے باب کا حصہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں کو ہمارے احاطہ میں تشریف لائے ابھی چند دن ہوئے تھے کہ راقم الحروف نے ازراہ تفنن طبع شاہ جیؒ مولانا ابوالحسنات، عبدالحلیم بدایونی، شیخ حسام الدین، مولانا محمد علی جالندھری اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ ”اے بابا حضرات ہمیں یہ ایام اسیری بیمار بن کر نہیں گزارنے چاہئیں جسمانی ورزش کا بھی کوئی پروگرام مرتب ہونا چاہئے اور اٹھنے میدان کارزار میں ہمارا مقابلہ کیجئے۔ مولانا ابوالحسنات تو مسکرا دیئے، شاہ جیؒ نے مجھے ڈانٹ پلا دی ”جاؤ اپنا کام کرو۔“ میں نے عرض کیا شاہ جیؒ سیفٹی ایکٹ پر مزید سیفٹی ایکٹ نافذ کرنے کا

کوئی فائدہ نہیں میں تو والی بال کھلانے کے لئے آپ کو لے جاؤں گا۔

اس اثناء میں مولانا محمد شریف جالندھری اور ملک عبدالغفور انوری میرے ساتھی بن گئے۔ چنانچہ شاہ جی ہماری درخواست پر کھیلنے کے لئے باہر گراؤنڈ میں چلے گئے۔ اب یہ مسئلہ درپیش تھا کہ والی بال کہاں سے حاصل کیا جائے۔ یا پھر اس کی جگہ پر متبادل کھیل کون سا کھیلا جائے۔ میں نے اپنا تولیہ گول کر کے گیند بنالیا اور شاہ جی کی جانب پھینک کر کھیل کا آغاز کر دیا۔ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا۔ بس پھر کیا تھا۔ مولانا ابوالحسنات کے علاوہ دوسرے حضرات بھی ہمارے ساتھی بن گئے۔ شیخ صاحب اپنے گھٹنے میں تکلیف کے باعث چونکہ کھیل سے معذور تھے اس لئے انہیں کھیل کا منصف ٹھہرایا گیا۔ ایک دو روز تو ہم اسی طرح کھیلتے رہے۔ چند دن بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مہر محمد حیات صاحب عین اس موقع پر دیوانی احاطہ میں آئے۔ جب ہم کپڑے کی گیند کے ساتھ اپنے کھیل میں خوب مصروف تھے۔ مہر صاحب ہمیں دیکھتے ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے اور آتے ہی بولے آپ حضرات نے اس سلسلہ میں ہمیں کیوں نہ مطلع کیا۔ ہم آپ کے لئے کھیل کا سارا سامان فراہم کر دیتے، اور وہ تو قانونی طور پر آپ کا حق بھی ہے۔ خیر دوسرے دن والی بال نٹ اور بیڈمنٹن کھیلنے کا سامان ہمارے احاطہ میں پہنچ گیا۔ سامان دیکھ کر اب دوسرے رہنماؤں نے بھی کھیل کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

چنانچہ اچھی خاصی ٹیم مرتب ہو گئی۔ اب ذرا کھلاڑیوں کی اس ٹیم کے اسمائے گرامی بھی سن لیجئے۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالحامد بدایونی، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد حیات فاتح قادیاں، مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ فیض الحسن، سید سبط حسن سابق مدیر لیل و نہار، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، ملک عبدالغفور انوری، مولانا محمد شریف جالندھری، سائیں محمد حیات پسروری، مولانا ابوالحسنات اپنے پاؤں میں سخت تکلیف کے باعث کھیل پر آمادہ نہ ہو سکے تھے۔

ویسے گراؤنڈ میں باہر بیٹھ کر کھیل میں خوب دلچسپی لیتے رہے اور اس بات کا تذکرہ تو آپ حضرات کے لئے یقیناً معلومات افزاء ہوگا کہ ہر جمعہ کو ہماری اس ٹیم کا بم کیس کے محبوس نظر بندوں کے ساتھ میچ ہوتا۔ بم کیس میں بھی اس تحریک کے قیدی جمع تھے۔ اس میں اکثریت

چونکہ جماعتِ اسلامی کے رہنماؤں اور کارکنوں کی تھی۔ اس لئے ہم کیس ٹیم کا نام جماعتِ اسلامی اور دیوانی احاطہ کی ٹیم کا نام احرار رکھا گیا۔

کھیل کا یہ تذکرہ اگرچہ طوالت اختیار کر گیا ہے اور ممکن ہے کہ قارئین حضرات کے ذوقِ سلیم پر کچھ شاق گزرے مگر مقصود چونکہ شاہِ جی کی زندگی کا ایک ایسا پہلو بیان کرنا ہے۔ جس کا نظامِ صحت کے ساتھ گہرا تعلق اور وابستگی ہے۔ اس لئے اُمید کی جاتی ہے کہ حضرات قارئین اسے گوارا ہی کریں گے۔ شاہِ جی نے اپنی جسمانی ورزش کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار یہ بھی بتایا کہ وہ جوانی کے عالم میں جب کہ امرتسر کی ایک مسجد میں خطیب تھے۔ اکثر مروجہ ورزشی امور میں دلچسپی لیا کرتے تھے اور ان کے جسمانی حسن میں ورزش کو خاصا دخل رہا ہے۔

تاثرات

ایک دن میں نے شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ ایامِ اسیری میں کس شخصیت سے اور اس کے کس کارنامہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ میرا یہ سوال سن کر پہلے تو حسبِ معمول ٹالنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب میں نے ذرا اصرار کے ساتھ معروضات پیش کیں تو فرمانے لگے: ”مجھ سے کیا پوچھتے ہو، بھائی میں تو ایک گنہگار انسان ہوں اور گنہگار کسی گنہگار ہی سے متاثر ہو سکتا ہے۔“ قید و بند کے دوران جب بعض اخلاقی قیدی چوری یا ڈکیتی کے جرم میں آئے۔ اور ایامِ اسیری گزارنے کے بعد جب واپس لوٹنے لگے تو ان میں سے پختہ کار مجرم جیل کے برتن، چٹائی اور کمبل وغیرہ یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کی تحویل میں دے جاتے کہ انہیں ڈیوڑھی میں جمع کرانا۔ ہم بہت جلد واپس آکر یہ وصول کر لیں گے، اور گنہگاروں کے عزائم کی بلندی اور دھن کی پختگی نے مجھ کو بڑا متاثر کیا۔ یہ لوگ گناہ میں اس قدر پختہ ہیں۔ کہ ہم سراسر نیکیوں اور محاسن میں کمزوری کا اظہار کریں۔ اور بھائی یہ کفر میں پختگی تو کبھی کبھی انبیائے کرام کی خصوصی توجہ اور دعاؤں کا مرکز بن جایا کرتی ہے۔

کمالات فائقہ کا پیکر

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

بخاریؒ واقعی ان عظیم اشخاص میں سے تھے جن کی ہستی کی ترکیب و تعمیر میں قدرت کے غیر معمولی قوانین نے کار فرمائی کی..... اور اگر اس ترکیب و تعمیر میں آسمان، زماں اور وقت کے تصرفات کا واقعی کچھ حصہ ہے تو یقیناً آسمان نے مدتوں کی محنت سے، ان کے کمال معنوی کی عمارت تیار کی ہوگی!

میں بخاریؒ سے براہ راست کم ملا ہوں۔ مگر قریب سے دیکھنے کے لئے بے شمار مواقع مجھے میسر آئے ہیں اور ان کی تقریریں تو بلا مبالغہ سو ڈیڑھ سو مرتبہ سنی ہوں گی جن میں وہ تقریریں بھی شامل ہیں جو مجمع عام کے لئے تھیں اور وہ بھی ہیں جن میں عالمانہ بحث و نظر کی ضرورت ہوتی تھی۔ سید صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھنے کی صورت یہ تھی کہ میں مرحوم چودھری افضل حق کے نیاز مند ان خاص میں شامل تھا..... وہ بعض اوقات بغرض مشاورت میرے مکان پر بھی تشریف لے آتے تھے، اسی طرح دوسرے احرار اور حریت پسند رہنماؤں سے بھی میری اچھی علیک سلیک تھی۔ ان وجوہ سے دفتر احرار میں میرا آنا جانا تھا اور یہ بات اس زمانے کے احباب کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس طرح گویا میں مجلس احرار کا ایک باقاعدہ رکن تھا، مگر سب کو یہ معلوم تھا کہ میری دلچسپیاں زیادہ تر ادبی ہیں اور سیاسی بھی اگر تھیں تو احرار کی جزئیاتی اور وقتی سیاست سے میرا کوئی تعلق نہ تھا مجھے تو ان کے نصب العین اور برطانوی استعمار کے متعلق ان کے جرأت مند خیالات سے دلچسپی تھی!

غرض کہ ہزار کے قرب کا مجھے موقعہ حاصل تھا اور میں کبھی احرار لیڈروں سے شہر و شکر تھا، ما، امرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے..... کہ میں ان کے رعب و جلال اور ان کے حد درجہ کیلے اندازِ بلاغت کی وجہ سے، اپنے اندر کچھ ایسی کمی پاتا تھا جس کا احساس مجھے ان کے بہت قریب نہ ہونے دیتا تھا..... لہذا میں برسوں سید صاحب کو قریب سے مکر دور سے دیکھتا رہا

اور خوب دیکھتا رہا۔

ہر حقیقت کو با انداز تماشہ دیکھا
خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا، دیکھا

وفا کی دلداری کے لئے اپنی رائے ترک کر دیتے

میں نے احرار کی مشاورتوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو حکمرانی کرتے دیکھا..... احرار میں بڑے بڑے مفکر اور حکیم اور مقرر موجود تھے اور انہی میں چودھری افضل حق بھی تھے مگر سید صاحب اس قبیلے کے وہ سردار تھے جن کی بات کو نال دینا کسی کے لئے ممکن نہ تھا، یہ اور بات ہے کہ سید صاحب کی رواداری اور حوصلہ مندی اکثر اس بات کو رو رکھتی تھی کہ مخلص رفقاء کے استدلال کو بھی سن لیتے تھے اور بسا اوقات وہ اپنے رفیقوں کے خلوص سے متاثر ہو کر اپنی رائے ترک بھی کر دیتے تھے..... مگر پھر بھی میرے اپنے خیال میں مجلس احرار کی سیاسیات کی باگ مسلسل بیس سال تک سید صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی۔

سید صاحب کو اپنی جماعت میں یہ مقام کسی چیرہ دستی..... یا دراز دستی کی وجہ سے حاصل نہ تھا۔ اس کا اصلی سبب یہ تھا، کہ سید صاحب سیاسی لیڈر ہو کر بھی سیاست کے طریقے سے نہیں چلتے تھے بلکہ ان کی آمد کی بنیاد وقتی سیاسی تدبیر کے بجائے صحیح اور مرکزی اساسی عقائد پر تھی.....! میں نے بار بار مجلسوں میں سید صاحب کو مرکزی عقائد پر اڑتے دیکھا۔

اور اسی خلوص عقائد کی بنا پر وہ اکثر اپنے نقطہ نظر کے منوانے میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے۔ اگرچہ (جب میں نے پہلے عرض کیا) کبھی کبھی وہ بھی احباب کے خلوص کے سامنے ہتھیار ڈال دیا کرتے تھے۔

شاہ جیؒ نے دو مرتبہ اپنی رائے کو قربان کر دیا

سید صاحب مرحوم دو مرتبہ اپنے رفقاء کے خلوص کے سامنے جھکے اور اپنی رائے کو قربان کر دیا..... پہلا بڑا مرحلہ وہ تھا جس کا تعلق کانگریس کے انقطاع سے تھا..... مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سید صاحب اس اقدام سے متفق نہ تھے کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ وقتی

سیاست کو انگریزی استعمار کے خلاف جہاد کے اصولی اور مرکزی سوال پر تقدم حاصل نہ ہونا چاہیے۔ فرقہ وارانہ امور کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے مگر یہی فرقہ وارانہ امور اصولی سوال کے سامنے رکاوٹ بھی بن جاتے ہیں..... احرار کی یہ بحثیں دو تین مہینے تک جاری رہیں جن میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی اور حضرت سید صاحب الگ رائے پر تھے..... اگر افضل حق مرحوم کی ملائمت، نرمی، طریق استدلال اور تحمل اور وقتی سیاسی جزئیات کا علم آخر بخاری کو قائل کر کے رہا مگر درحقیقت بخاری قائل ہوئے نہیں انہوں نے قربانی کی..... اور بیس تیس برس گزر جانے کے بعد اب شاید بہت سے لوگوں کو یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ احرار کی نئی سیاست نے بالآخر انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا مسلمان قوم کا پلیٹ فارم تو بہر حال مسلم لیگ کے پاس رہا اور احراری سیاست پر وقت پرستی کا الزام لگا رہا۔

دوسرا نازک مسئلہ سجد شہید خج کے حوادث کی صورت میں سامنے آیا یہاں بھی میری معلومات کے مطابق سید صاحب کی نظر مسجد کی تقدیس پر تھی اور دوسرے رفقاء (بڑی حد تک بجا طور پر) اس کو سازش سمجھتے تھے (اور وہ سازش تھی بھی) مگر سید صاحب کا قلب سیاسی موقعہ شناسی یا مصلحت کشی کو برداشت کر ہی نہ سکتا تھا ان کی نظر بنیادی اور مرکزی عقائد میں پیوست رہتی تھی! اور میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مرکزی عقائد سے ہٹ کر مجلس احرار نے بالآخر نقصان اٹھایا۔

پھر بھی سید صاحب، بالعموم مجلس احرار میں اپنی اسی راست روی اور مرکزیت کی وجہ سے بہت جلد غالب رائے کو اپنے حق میں ہموار کر لیتے تھے اور سب رفقاء کو معلوم ہے کہ احرار کی اصلی قوت سید صاحب ہی تھے۔¹

عام مجلسی گفتگو بھی اپنا جادو جگاتی تھی

عام خیالی کے متعلق سید صاحب کا سب سے بڑا کمال ان کی خطیبانہ ساجری میں منظر تھا (اور یہ غلط بھی نہیں) مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ سید صاحب کی مجلسی گفتگو بھی ان کی

خطابت کے برابر برابر جادو جگاتی تھی..... اور جمہور سے قطع نظر، طبقہ علماء و زعماء میں وہ اپنے انداز گفتگو کی وجہ سے ہی ایک فائق مقام کے مالک بنے ہوئے تھے۔

سید صاحب کی گفتگو ہر مجلس اور ہر مقام کے مطابق ہوتی تھی چنانچہ علماء کی محفل میں کتاب و سنت کے موضوعات پر جب وہ بات کرتے تھے تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ شخص شب و روز کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف رہتا ہے، بڑے بڑے عالم ان کے سامنے دم بخود بیٹھے رہتے تھے۔ اسی طرح اہل ادب کی محفل میں ان کی باتوں میں ادبی لطائف کا کچھ ایسا تسلسل ہوتا تھا کہ مخاطب اپنے آپ کو زعفران زار کے ماحول میں پاتا تھا۔ برجستہ عربی فارسی اردو پنجابی کے اشعار ان کی گفتگو میں مناسب مقام پر خود بخود آ پہنچتے تھے اور جب سیاستدانوں کی مجلس میں ہوتے تو ان کی سیاسی معلومات کا بھی گہرا نقش بیٹھتا تھا۔

(اگرچہ وہ سب سے زیادہ اسی جماعت سے متوحش ہوتے تھے خصوصاً اس زمانے کے مسلمان سیاستدانوں کی صحبت میں ان کا دم گھٹتا تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ان بد بختوں کے دل پر خدا کے سوا ہر شے کا خوف غالب ہے۔)

غرض سید صاحب ہر مجلس میں مناسب موقع نہایت بلیغ گفتگو کیا کرتے تھے اور اس کا بڑا اثر ہوتا تھا..... مگر سید صاحب کی گفتگو میں بلاغت کا سب سے بڑا پہلو ان کی حاضر جوابی، بذلہ بنی اور طنز کا کٹیل اپن تھا..... اور ان کا یہ وہ ہتھیار تھا جس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا اور وہ اپنے خدا وادملکے کی بدولت ہر مجلس میں شریک غالب بھی ہوتے تھے اور راحت محفل بھی.....! مرحوم افضل حق کی یہ حالت تھی کہ سید صاحب جب طویل دورے پر باہر چلے جاتے تو فرمایا کرتے:

”شاہ جی دے بغیر مازیاں، کھولے کھنڈر معلوم ہوندے نیس۔“

اور کبھی کبھی کوئی صورت پیدا کر کے ان کا دورہ کٹوا بھی دیتے اور پھر اپنی محبت آمیز شرافت، پر بہت خوش ہوتے! مختصر یہ کہ سید صاحب کو گفتگو کا غیر معمولی ملکہ حاصل تھا اور ان کے قبول عام میں اس چیز کا بھی بڑا حصہ تھا! تاہم۔

اسلام کی چھلی دو تین صدیوں میں ایسا کوئی خطیب ظہور میں نہیں آیا

یہ ماننا پڑے گا کہ سید صاحب کا سب سے بڑا کمال ان کا خطیبانہ انداز تقریر تھا

جس سے وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کے مجمع کو کئی کئی گھنٹوں تک مسحور کئے رکھتے تھے۔ شاید پچھلی دو تین صدیوں میں ان سے بڑا شعلہ بیان خطیب کوئی ظہور میں نہیں آیا ہوگا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو واضح اور مسلم ہونے کی وجہ سے محتاج ثبوت نہیں۔ سید صاحب کی خطابت کے خصائص کا ادبی و فنی تجزیہ اگر کیا جائے تو لامحالہ اس کی (oratory) کو دنیا کے بڑے بڑے آر میٹرز کے پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھنا ہوگا۔

آپ کی خطابت کا تعلق قدیم و عظیم روایت سے ہے

حضرت سید صاحب مرحوم کی خطابت دراصل ایک قدیم و عظیم روایت سے تعلق رکھتی ہے۔ سید صاحب سے پہلے، قریبی زمانے میں نامور ترین بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ سید صاحب کی خطابت کا تعلق ایک خاص حد تک انہی سے قائم کیا جاسکتا ہے۔ حضرت تھانویؒ کی خطابت کا اہم خاصہ وقت کی طوالت کے باوجود دلچسپی کا قائم رکھنا تھا۔ حضرت سید صاحب کے یہاں بھی یہی خصوصیت کارفرما تھی اور اگرچہ حضرت تھانویؒ کی تقریر میں بھی ادب و شعر اور بذلہ و ظرافت کا ایک خاص رنگ تھا مگر آواز کی گرج اور شخصیت کا جوجلال حضرت سید صاحب کو میسر آیا وہ انہی سے مخصوص تھا۔

اس کے علاوہ حضرت تھانویؒ کے موضوعات عموماً ٹھنڈے ٹھنڈے ہوتے تھے۔ ان میں کہانی کا سا لطف ہوتا تھا مگر حضرت سید صاحب کی تقریروں کا موضوع جوش انگیز ہوتا تھا اور اس میں رجز کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

حضرت تھانویؒ کا میاب و اعظ شاہجہانی غیر معمولی خطیب

اسی لئے میں حضرت تھانویؒ کو کامیاب و اعظ کہوں گا اور حضرت سید صاحب کو کامیاب بلکہ غیر معمولی خطیب قرار دوں گا۔ حضرت تھانویؒ کی تقریر صرف اُن کے معتقد سنتے تھے جو پہلے ہی سے ان کے تقویٰ کے قائل و معترف تھے۔

مگر حضرت سید صاحب کو ایسے اجتماعات سے واسطہ پڑتا تھا۔ جس میں اختلاف رکھنے والوں کی موجودگی ایک یقینی بات تھی، اس لئے سید صاحب کی خطابت کو زیادہ سخت

آزمائشوں سے گزرنا پڑتا تھا۔

یہ تفصیل میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ہر چند کہ حضرت سید صاحب ہندوستان کی ایک قدیم روایتِ خطابت کے وارث تھے مگر دراصل ان کی خطابت، ادوار اور فرقوں کی حدوں سے بلند تر اور ارفع تھی..... اور اس میں تاثیر، تفریح اور کوئی موتی لعل نہروکری صدارت سے اچھل پڑے اور سامعین میں بھی بخاری زندہ باد! کا غلغلہ بلند ہونے لگے۔

بذلہ سنخ اور خوش گفتار ایسے کہ محض الفاظ کی الٹ پلٹ سے گفتگو میں طنز و مزاح کے تیمور اور نشتریت کا اثر پیدا کرنا ان کے بانیں ہاتھ کا کام تھا۔

شاہ جی بعض اوقات بڑے بڑے علمی و دینی مسائل کی گرہیں کھولتے ہوئے شعر شاعری سے ایسا کام لیا کرتے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی۔

مثلاً ایک مرتبہ حج کے بارے میں تفصیلات بیان کر رہے تھے کہ اچانک مزاج کا دہار شعر و سخن کی طرف گیا۔ کہنے لگے۔

کوئی تو بات ہے ساقی کے میکدے میں ضرور

جو دور دور سے میخوار آکے پیتے ہیں

بہ فیض میکدہ دیکھو کہ چار ہی دن میں

ہم ایسے رند بھی مینا بتا کے پیتے ہیں

☆ شاد عظیم آبادی کے یہ اشعار شاہ جی کے نفیس لب و لہجہ میں سن کر حاضرین بے ساختہ جھوم اٹھے۔

مقرر نہیں ساحر

میں نے شاہ جی کے سامنے بڑے بڑے ادیبوں اور خطیبوں کا چراغ گل ہوتے دیکھا ہے۔ ایک جلسے میں شاہ جی کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر اور دیگر زعمائے بھی تقریر کیں۔ لیکن شاہ جی کی تقریر کا رنگ و روغن ہی کچھ ایسا تھا۔ اُن کے بعد اس فن کے بعض نامی گرامی لوگوں کی تقریر بھی عوام کو متاثر نہ کر سکی۔

چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے شاہ جی سے کہا:

”بخاری! تم اپنی تقریر میں لوگوں کو جب تورمہ اور پلاؤ فراہم کرتے ہو تو بعد میں انہیں

یہ بھی کہہ دیا کرو..... کہ محمد علی کی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا کریں۔“

اس پر شاہ جی فوراً بولے:

”حضور! ایک جرنیل ایک سپاہی کے بارے میں یہ بات کہہ رہا ہے! سپاہی کی شہرت تو

در اصل جرنیل کی عظمت کا آئینہ ہوتی ہے۔“

یہ الفاظ سن کر مولانا محمد علی نے مزید بحث و تمحیص کی گنجائش نہ پاتے ہوئے

یکسر چپ سادھ لی۔ بخاری جیسے خطیب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مولانا محمد علی جیسے جادو بیان مقرر

نے اپنے اخبار ”ہمدرد“ میں شاہ جی کے بارے میں نہایت جلی طور پر لکھا تھا:

”یہ شخص مقرر نہیں بلکہ ساحر ہے۔“¹

حقیقی معنوں میں درویش

شاہ صاحب ”حقیقی معنوں میں درویش تھے۔ ان کے فقر و غنا کا یہ عالم تھا کہ وہ

امر ترس میں اچھی خاصی جائیداد چھوڑ کر آئے تھے لیکن انہوں نے اس جائیداد کا کوئی کلیمہ کسی

عدالت میں پیش نہیں فرمایا۔ کہ جب اس جائیداد کے بدلے یہاں جائیداد مل گئی تو ہجرت کا

ثواب ہی جاتا رہے گا شاہ صاحب کا یہی کردار ایک دوسرے واقعہ سے بھی اجاگر ہوتا ہے جو

میں نے ایک صاحب سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ شاہ صاحب بہاولپور میں تشریف فرما تھے

نواب صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے پرائیوٹ سیکرٹری کو ڈیرہ نواب صاحب سے شاہ

صاحب کی خدمت میں بھیجا اور ملاقات کی درخواست کی۔ سیکرٹری صاحب نواب صاحب کا

پیغام لے کر شاہ صاحب کے پاس پہنچے۔ شاہ صاحب نے سنا تو فرمایا فقیر بادشاہوں کے

دربار میں نہیں جایا کرتا۔ پھر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اب تو میں ویسے بھی ان کی ریاست میں

بحیثیت مہمان کے مقیم ہوں۔ اب یہ معزز میزبان کا کام ہے کہ وہ مہمان کی عزت و توقیر میں

پیش قدمی فرمائیں چنانچہ سیکرٹری صاحب کا رلے کرواپس چلے گئے۔ اگلے دن نواب

صاحب بہاولپور بنفس نفیس شاہ صاحب سے ملنے آگئے اور دس ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کئے شاہ صاحب مرحوم نے اس خطیر رقم کو قبول کرنے معذوری کا اظہار فرمایا اور کہا کہ: ”فقیر کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صبح شام دو روٹیاں مل جاتی ہیں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں۔“

نواب صاحب نے اصرار کیا تو ان دس ہزار روپوں میں سے صرف دس روپے اٹھائے۔

وفاداری بشرط استواری

جس طرح مولانا ظفر علی خاں کی صحافت کو یہ شرف حاصل رہا، کہ وہ جب تک جوان رہے۔ پنجاب کے کاسرہ لیس خاندانوں اور ان کے ناقوس ہائے خصوصی کے لئے دلچسپ الفاظ اور ترکیبیں وضع کرتے رہے۔

اسی طرح سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس معاملہ میں ممتاز و منفرد تھے، کہ وہ ”وفاداری بشرط استواری“ کے خمیر میں گندھے ہوئے ان خاندانوں کو نہ تو خاطر ہی میں لاتے تھے، اور نہ ان کے دل و دماغ پر ان کی طرف سے حرف اعتبار نقش ہوتا تھا۔

شہروں اور لوگوں کے بارے میں ان کی رائے بڑی نپی تلی ہوتی جس شخص کے بارے میں کوئی بھرپور رائے قائم کر لیتے، پھر اس میں ترمیم نہ کرتے، اس سختی سے اس پر جے رہتے کہ رد و بدل کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قدرت کبھی معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی تھیں اور بہت کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فرماتے، برہنہ گفتن کا موقع نہیں، ورنہ جو کچھ جہد آزادی کے دور میں ہوتا رہا اور برطانوی سرکار نے خود کاشتہ خاندانوں کے لئے جو کچھ کیا، یا ان خاندانوں نے برطانوی سرکار کے لئے کئے وہ روداد اتنی تلخ ہے، کہ عرش و فرش کا نپ اٹھتے ہیں۔

اس سلسلے میں وہ کئی واقعات بیان کرتے تھے۔ مرحوم امرتسر میں ایک بزرگ کرسی نشین، درباری، آنریری مجسٹریٹ، خان بہادر اور کیا کچھ نہیں تھے۔ امرتسر کے مارشل لاء نے سرکار میں ان کا ستارہ چمکا دیا۔ قصہ مختصر کہ تحریک خلافت ختم ہو گئی۔ جلیانوالہ باغ کا حادثہ بھی

اُبھر کر ٹھنڈا پڑ گیا قید و بند کے ابتدائی دن بھی لد چکے تھے۔ شاہ جی خیر الدین کی مسجد میں جمعہ پڑھنے یا پڑھانے جاتے، جب وہ دروازے پر پہنچتے، تو خان بہادر دور دراز سے کھڑے ہوتے اور جھک جھک کر سلام کرتے۔ شاہ جی نے سلام کا جواب کبھی نہ دیا۔ چپ چاپ اندر چلے جاتے۔ شاہ جی کا انداز تھا، کہ وہ اپنے قاتلوں کو بھی بخش دیتے تھے، ان جیسے عفو و درگزر کے عادی اور ہنستے بولتے شخص کا یہ رویہ دوستوں کے لئے معمہ تھا۔ خان بہادر نے اس روش کے باوجود سلام کرنا ترک نہ کیا۔ شاہ جی نے بھی قبول کے لئے نہ کبھی ہاتھ ہلائے، نہ زبان اور نہ اس کی طرف آنکھیں ہی اٹھا کر دیکھا۔

برطانیہ کا دوست میرا دوست نہیں ہو سکتا

ایک دن نیاز مندوں میں سے ایک نے سوال کیا۔ ”شاہ جی..... خان بہادر صاحب آپ کو سلام کرتے ہیں۔ آپ جواب نہیں دیتے، وجہ کیا ہے۔“ فرمایا ”کوئی بات نہیں، کبھی گھر میں ہوں، تو پوچھ لینا، بات آئی گئی ہوگی..... کچھ دنوں بعد گھر میں تنہا تشریف فرما تھے کسی طرح خان بہادر کا ذکر چھڑ گیا، تو واقعہ بھی یاد آ گیا، فرمایا، ”بات کوئی نہیں میں اس شخص کا دوست ہی نہیں ہو سکتا، جسے انگریز دوست رکھتا ہو، یا جو انگریز کو دوست سمجھتا ہے۔ اصرار پر واقعہ بیان کیا، کہ امرتسر کے مارشل لاء میں نیشنل بینک کے فرنگی منیجر کو مشتعل ہجوم میں سے کسی شخص نے چھت سے گرا کر ہلاک کر دیا۔ پولیس نے بہتیرا تلاش کیا، لیکن مجرم کا سراغ نہ ملا..... مقتول کی بیوی نے ملزموں کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا، حکومت نے انعامی اشتہار نکالا، کہ جو شخص ملزم کا پتہ دے گا، اس کو اتنے ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے نجی طور پر بعض ”معززین“ سے یہ بھی کہا، کہ ان کی وفاداری کا امتحان ہے۔

اگر انہوں نے مجرم کے پکڑوانے میں مدد کی، تو موجودہ انعام کے علاوہ خطاب بھی دیا جائے گا، اور آنریری مجسٹریٹ بھی..... مجرم نہ ملا..... ان خان بہادر صاحب نے جو اس وقت تک خان بہادر نہ تھے، اور محض علاقائی تھانیدار کے معاون ہی تھے، اپنے محلے کی ایک غریب الحال بیوہ کے پاس گئے جس کا ایک ہی نو جوان بچہ تھا، اس سے کہا۔ کہ تم اپنے بچے سے کہو کہ وہ پولیس میں یہ بیان دیدے، کہ میں نے بینک کے منیجر کو کوٹھے سے گرا دیا ہے۔

میں تم سے حلفا وعدہ کرتا ہوں، کہ تمہارے بچہ کو دو ماہ کے اندر اندر رہا کرالوں گا، ورنہ حکومت سختی پر تلی ہوئی ہے۔ تمہارے بچہ کا نام لیا جا رہا ہے، پولیس نے پکڑ لیا، تو رہائی ناممکن ہے، وہ جھوٹے گواہ ڈال کر بھی پھانسی پر لٹکوا دے گی..... بڑھیا جھانسنے میں آگئی، نو جوان بھی بے پڑھا لکھا اور بیمار و لاغر تھا، فریب میں پھنس گیا۔ ”خان بہادر“ نے قرآن مجید پر حلف اٹھایا، کہ دو ماہ تک ضرور رہی رہا کرادوں گا۔ غرض نو جوان مذکور نے خان بہادر کی مخبری پر اپنے آپ کو پولیس کے حوالہ کر دیا۔ پھر جیسا کہ اُسے کہا گیا تھا۔ اُس نے اعتراف بھی کر لیا۔

مقدمہ چلا، چٹ منگنی پٹ بیاہ، موت کی سزا ہو گئی، جو اُسے آخر کار دار کے تختہ پر لے گئی..... بڑھیا نے خان بہادر کا دامن پکڑا۔ خان بہادر اثنائے مقدمہ سے لے کر سزائے موت کے اعلان تک یہی کہتا رہا، کہ فکر نہ کرو، تمہارا بیٹا رہا ہو جائے گا۔ یہ صرف قانون کی کاروائی ہے۔ گورنر صاحب نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، شور نہ کرو، وہ رہا ہو جائے گا..... ضرور گھر آئے گا، میں لے کر آؤں گا۔ بڑھیا ان طفل تسلیوں پر جیتی رہی۔

آخر کار ایک دن بیٹا پھانسی پا کر گھر آ گیا..... خان بہادر صاحب پھانسی کے دن تک یہی تسلیاں دیتے رہے کہ فکر نہ کرو تمہارا بیٹا ضرور گھر آئے گا۔ اور بیٹا آ گیا۔ بڑھیا نے بیٹے کی لاش دیکھی تو سر پیٹ لیا۔ چلا اٹھی۔ ہا ہا کار مچ گئی، تب افشائے راز سے بھی کچھ نہ بنتا تھا۔

خان بہادر صاحب انعام و خطاب پا گئے۔ آنریری مجسٹریٹ مل گئی، جائداد بھی ہاتھ آگئی۔ غرض سرکاری دوائر میں ان کا طوطی بولنے لگا۔ لیکن اس بڑھیا کا بیٹا واپس نہ آیا۔ البتہ ایک دن ماں خود ہی اس کے پاس پہنچ گئی۔

مکافات عمل

قدرت کا غائبانہ ہاتھ مسکراتا رہا، مکافات نے بہت دنوں کا چکر کاٹا۔ ایک نو جوان بیٹا، اوباش کے ہاتھوں قتل ہو گیا، آنریری مجسٹریٹ کو ایک ڈپٹی کمشنر کی ناراضی نے ہضم کر لیا۔ کارخانہ کو آگ لگ گئی، خود ٹانگ ٹوٹی۔ اور تصویر عبرت ہو کر موت کی گود میں چلا گیا۔ شاہ جی نے کہا..... جب یہ شخص میرے سامنے آتا ہے تو اس کے ضمیر میں اسی کانٹے کی چھن ہوتی ہے۔ خدا کا خوف نہیں، میرے سامنے اس بچے کی تصویر آ جاتی ہے۔ جیسے وہ اس کو گردن مارنے

کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا رہا ہو، اور میں منہ پھیر لیتا ہوں کیونکہ مجھے اُس کی جھریوں میں اس کی ماں کے آنسوؤں کی تہیں حمسی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور وہ بال کھولے چلا رہی ہے.....

ڈر اس کی دیرگیری سے کہ سخت ہے انقلاب اس کا
یہ واقعہ سنا کر شاہ جی کا ہنسنے لگے، کہ اس دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے..... اور جب
انگریزوں کے لئے غریبوں کے بچے کٹوانے والے ہمیں غدار کہتے ہیں، تو فطرت بھی سرکوبی
کے لئے ہاتھ اٹھالیتی ہے۔¹

سال میں 366 تقریریں

زندگی کیا ہے۔ تین چوتھائی ریل میں کٹ گئی۔ اور ایک چوتھائی جیل میں جتنے
دنوں باہر رہا۔ لوگ گلے کا ہار بنتے گئے۔ آج کلکتہ کل ڈھا کہ سے لکھنؤ۔ لکھنؤ سے بمبئی۔
بمبئی سے آگرہ، آگرہ سے دہلی، پھر لاہور، لاہور سے پشاور، پشاور سے کراچی۔ ہر کہیں گھوما
پھرا ہوں۔ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں کی ہوں گی۔ دن کہیں
رات کہیں۔ صبح کہیں، شام کہیں۔ یہ الفاظ حضرت شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے۔

زندگی کیا ہے۔ ایک حرکت، مسلسل حرکت۔ ایک ایسی قوت جو دوسرے وجود کو بھی
متحرک کر سکے۔ اس معیار کے مطابق اگر شاہ جی کے متعلق نقادانہ خامہ فرسائی کی جائے تو کیا
نظر آئے گا؟ ایک ایسا وجود جو نہ صرف خود متحرک رہا۔ بلکہ اپنی حیات مستعار میں کروڑوں
انسانوں کو متحرک بنا گیا۔ سینکڑوں ایسے چراغ روشن کئے جو دوسروں کو حیات بخش روشنی سے
منور کرتے رہے۔ شاہ جی کی آواز کہاں نہیں پہنچی؟ خیبر سے لے کر اس کماری تک کے میدان
اس بات کے شاہد ہیں۔ آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے سقراط نے یونان میں بھی اپنی
حیثیت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور عدالت کے سوال کے جواب میں کہ وہ کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟
کہا تھا یونان ایک مضبوط مگر کاہل گھوڑے کی طرح ہے۔ اور میں ایک بھڑکھی کی طرح ہوں جسے
دیوتا نے اس گھوڑے کو جگائے رکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل یونان اس بھڑ

مکھی سے ناراض تھے۔ جس طرح نیند کے متوالے جگانے والوں سے خفا ہوتے ہیں۔ یہ ان کا خیال تھا۔ کہ وہ اُسے ایک ہی وار میں ختم کر دیں گے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے آرام سے سوتے رہیں گے۔ لیکن تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ مجھے زندہ رہنے دو۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ میری طرح کا کوئی اور آدمی تلاش کر لو۔

کیا شاہ جی کی زندگی سقراط ہی کے ان الفاظ کی صدائے بازگشت نہیں۔ انہوں نے اپنے عوام کو پوری قوت سے جھنجھوڑ کر جگانا چاہا۔ مگر نیند کا متوالا مسلمان ان کے الفاظ اور اندازِ خطابت ہی کی داد دے کر رہ گیا۔ مولانا آزاد نے ایک دفعہ فرمایا تھا۔ کہ میں عمر بھر بت کدوں میں آذائیں دے دے کر تھک گیا ہوں۔ قوم نے شاہ جی سے بھی یہی سلوک کیا۔ سقراط کو تو زہر پلا کر ایک ہی دفعہ ختم کر دیا گیا تھا۔ مگر شاہ جی کو قوم نے گھلا گھلا کر مارا۔ قید و بند کی صعوبتیں شاہ جی کو اپنے ازلی ابدی دشمن انگریز کے دور میں ہی صرف برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ بلکہ وہ اپنوں کے کرم کے بھی کشتہ ناز تھے۔

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

زندگی کے دو مقصد

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ راہِ حق میں ایثار و فدویت کا وہ ایک مادرِ پیکر تھے۔ ان کی ہوشمندانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوا۔ میرے علم کے مطابق ان کی زندگی کے دو اہم مقصد تھے۔ اول یہ کہ ان کا وطن اجنبی تسلط کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو جاتا اور سامراج کا وجود مٹ جاتا۔ وہ سامراج کے دشمن تھے مگر برطانوی سامراج کی مخالفت خصوصیت سے ان کی زندگی کا نصب العین ہی رہی۔ کیونکہ برطانیہ ہی پاک و ہند پر قابض تھا اور برطانیہ ہی کے قبضے میں اسلامی دنیا کے وسیع ترین اور بہترین خطے تھے۔

دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمان دنیا میں بالعموم اور پاک و ہند میں بالخصوص آزاد تر اور خود دار تر اور خوشحالی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں اور عقیدہ و عمل کے لحاظ سے سچے مسلمان بن جائیں تفصیلات پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں معاملے میں ان

کی رائے صحیح نہ تھی۔ اور فلاں معاملے میں ان سے اندازے میں غلطی ہو گئی۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جن مقصدوں کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ ان کے لئے سعی و کوشش جہاد، ایثار یا فداکاری میں کبھی تامل کیا یا کبھی یہ سوچا کہ قدم آگے بڑھایا تو انہیں قید و بند سے سابقہ پڑے گا اور اہل و عیال کے گزارے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ ان مقصدوں کے لئے لڑنا ان کے نزدیک اسلامی زندگی کا ایک گراں بہا فرض تھا اور فرض اس لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا خوش دلی سے ادا کیا جائے۔ اس لئے نہیں ہوتا کہ اسے پورا کرنے کے لئے قدم اٹھانے سے پیشتر ذاتی، رنج و راحت کا موازنہ کر لیا جائے۔

شرفِ اولیت

چنانچہ اسلامیت و آزادی کے ہر معاملے میں انہوں نے اولیت و سبقت کا شرف برابر قائم رکھا۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے فرائض کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھا اور اس مستعدی و جان فروشی سے انہیں پورا کیا؟ میں اطمینان سے بیٹھا ہوا یہ داستان سرائی کر رہا ہوں اور داستان سرائی سے حقیقی حالات کا اندازہ مشکل ہے۔ اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ہر شخص اپنے کسی محبوب و مرغوب مقصد کے لئے اپنے اوپر ویسی ہی حالت طاری کرے پھر اسے معلوم ہوگا کہ بلند مقاصد کے دیوانوں کی زندگی کیوں کر گزرتی ہے۔ پھر یہ معاملہ دو چار دن، دو چار مہینے یا دو چار برس کا نہ تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا عنقوان شباب تھا۔ جب انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا اور وہ اسی میدان میں میرے سامنے بوڑھے ہو گئے۔

بے نفسی اور بلند ہمتی

پھر آپ نے دیکھا کہ جس عطاء اللہ شاہ بخاری نے راہِ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے توقف نہ کیا، وہ اپنی ذات یا اہل و عیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلب گار نہ ہوا؟ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں بھی وہ چپ چاپ کرائے کے ایک کچے مکان میں مقیم ہو گئے کبھی کوشش نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجے کا مکان ہی الاٹ ہو جائے، حالانکہ اس کے گرد و پیش تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامہ عظیم برپا رہا وہ غیر

معروف فرد نہ تھا۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرط عقیدت سے اس کے لئے برابر تڑپتے رہے
اربابِ حل و عقد میں بھی اس کے شناساؤں اور عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی، مگر اس نے اپنے لئے
زندگی کا جو سانچہ تجویز کر لیا تھا اس میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اہل حق اپنی ہر متاعِ اہل علم کی
فلاح و بہبود کے لئے لٹاتے رہتے ہیں کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے عطاء اللہ شاہ
بخاری کے لئے عزیز ترین متاع اس کی درویشی تھی۔ وہ اس مقام پر وہ اس طرح صابر اور مطمئن
رہا کہ ارباب اقتدار کو اپنی بلند پایہ مسندوں پر بھی بیٹھ کر شاید اس قدر نصیب ہوا ہو۔ اس مقام کے
باب میں عرض کیا گیا ہے۔

اگر دولت این بود کہ بہ درویش سے دہند

باید کریستن جم و کے را بہ تحت خریش

میری زبان اس دعوت پر آمادہ نہیں ہو سکتی یہ ضرور کہتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں
گا کہتا جاؤں گا کہ دوسری نادر شخصیتوں کی طرح اس نادر شخصیت سے بھی خدمتِ اسلام،
خدمتِ ملت خدمتِ ملک اور خدمتِ خلق کے طور طریقے سیکھے پہلے ایسے مبارک وجود اتنے
کمیاب نہ تھے جتنے آج ہیں۔ یہ آئینے ہوتے ہیں جنہیں قدرت اس لئے بھیجتی ہے کہ لوگ
انہیں سامنے رکھ کر اپنے خدو خال درست کر لیں۔ قومیں ایسی ہی شخصیتوں کے بل پر ترقی کرتی
ہیں۔ عزت مندانہ زندگی کے لئے جس قوم کے افراد کی اکثریت یا خاصی بڑی تعداد اغراض کی
گرم بازاری کا ایندھن بن جائے اس کے لئے قدم آگے بڑھانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟
اس کی متاعِ سمت و عمل تو اغراض کے شعلہ زار کی نذر ہو جائے گی۔ جن باتوں کو ہم اب اپنے
نزدیک اہم سمجھتے ہیں اور معیارِ وقعت بنائے بیٹھے ہیں۔ انہیں تو اسلام کے حقیقی معنوں سے کوئی
بھی مناسبت نہیں۔ ممکن ہے میری گزارشیں آپ کو تلخ و ناخوشگوار معلوم ہوں مگر

من آنچه شرط بلاغ ست با تو می گریم

تو خواہ از سختم پند گیر، خواہ ملال¹

www.ahlehaq.org

فتوحات بخاری

● خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی فرماتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی علماء حق اور مجاہدین اسلام کی فہرستیں بنا بنا کر حکومت برطانیہ کی سیاسی خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ جو انگریزی عہد کو دارالحرب کہتے تھے۔ اس دور میں ایک اور مجدد صاحب ”اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام“ لکھ کر خوشنودی فرنگ حاصل کر رہے تھے۔ اور پستی فطرت کا یہ حال تھا کہ انگریز کو سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہاں تک لکھا جاتا تھا۔

اے در بقاءِ عمر تو خیرے جہانیاں

باقی مباد ہر کہ نخواہد بقاءِ تو

اسی دور میں سیف اللہ الباری سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ الباری میدان میں آئے۔ اور لنڈی کوتل سے اس کماری تک متحدہ ہندوستان کے قریہ قریہ بستی بستی میں قرآن کریم کا یہ واضح فرمان علی الاعلان ملک کے ہر باشندے تک پہنچایا۔

يا ايها الذين آمنوا لاتتخذوا اليهود والنصارى اولياء بعضهم

اولياء بعض . ومن يتولهم منكم فانه منهم ان الله لا يهدي القوم

الظالمين .

جس کے نتیجے میں ہزار ہا نوجوانوں نے قید و بند کو لبیک کہا۔ سینکڑوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اور مسلمان قوم باقی اقوام میں شجاعت و شہادت کے میدان میں سرخرو ہو کے بازی لے گئی۔ اور تاریخ کے صفحات پر ان مجاہدین کے لازوال نقوش ثبت ہیں۔

حضرت امیر شریعتؒ کی وہ تمام مقدس مساعی جو انہوں نے ہزار ہا مدارس دینیہ کی سرپرستی، رسومات قبیحہ کے انسداد، اطاعت دین۔ حفاظت دین اور اشاعت دین کی راہ میں

سرا انجام دی ہیں۔ فراموش بھی کر دی جائیں تو ان کی زندگی کا یہی ایک کارنامہ ان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے لئے کافی ہے۔ انگریز معاہدہ اپنی خود ساختہ نبوتوں، ولایتوں کے شکست کھا گیا۔ اور نتیجتاً آج دنیا کے سامنے ہے۔ یہ ہے وہ فتحِ مبین جس پر صحیح العقیدہ مسلمان جتنا فخر کرے کم ہے۔

امیر شریعتؒ کی دوسری فتح

مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنے باپ کی خلافت حاصل کرتے ہی اپنے باپ کے عقائد و عزائم کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ قادیانی فرقہ ایک علیحدہ امت ہے اور واشگاف الفاظ میں کہا کہ:

”حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے ہمارا اور ان کا خدا اور ہے، ہمارا خدا اور ہمارا حج اور ہے ان کا حج اور۔ اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔“ (منقول از اخبار الفضل قادیان نمبر ۱۵ جلد ۵)

مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تصنیف انوار خلافت ص ۹۰ میں واضح الفاظ میں لکھا: ”ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں، اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں۔ کہ کچھ کر سکے۔“

اس قسم کے سینکڑوں حوالہ جات ہیں جس میں مرزا محمود نے پوری ملت اسلامیہ کو کافر کہا ان کے بھائی مرزا بشیر احمد ایم۔ اے جو ان کے قمر الانبیاء تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف ”کلمۃ الفضل“ میں لکھا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان لے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرا دنیوی، دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ تعلقاتِ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے۔ اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناٹھ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ (کلمۃ الفضل ص ۱۶۹)

ان لوگوں کا جذبہ تکفیر یہاں تک ترقی کر گیا کہ مرزا محمود نے ایک کتابچہ لکھا جس کا نام ہے۔ مسلمان وہی ہے جو خدا کے سب ماموروں کو مانے اس کے دیباچہ میں مرزا محمود لکھتے ہیں کہ:

”جب تبت اور سوئٹزر لینڈ کے باشندہ رسول اللہ کہ نہ ماننے پر کافر ہیں۔ تو ہندوستان کا باشندہ مسیح موعود کو نہ ماننے سے کیوں کرمومن ٹھہر سکتے ہیں۔ غرضیکہ یہ خیال بالکل بیہودہ اور عقل سے بعید تھا۔ اس لئے اس کی تردید لازم نظر آئی۔ تاکہ احمدی بھائی دھوکہ نہ کھائیں۔ کیونکہ غیر احمدی اس وقت پورے زور سے ہم کو اندر ملانا چاہتے ہیں۔ اور جب حضرت کی مخالفت کے باوجود تو پھر آپ کی بعثت کا قافہ ہی کیا ہوا۔“

منقول از تشہید الاذہان بابت ماہ اپریل ۱۹۱۱ء

غرض مرزا بشیر الدین محمود تکفیر میں یہاں تک بڑھے کہ جن لوگوں نے مرزا کا نام نہیں سنا ان کو بھی کافر کہا۔ معصوم بچوں کو بھی کافر کہا۔ لیکن حضرت امیر شریعت کی مقدس مساعی بروئے کار آئیں۔ اور ہر وہ باغیرت مسلمان جو ان کے عقائد و عزائم سے واقف ہو تو تحریک تحفظ ختم نبوت کی برکت اور ضربات بخاری کی تاب نہ لا کر وہی مرزا بشیر الدین محمود جو علیحدہ صوبے علیحدہ حکومت غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں ملت اسلامیہ سے علیحدگی کا داعی تھا۔ تحقیقاتی عدالت میں اپنے ان تمام بنیادی عقائد سے منحرف ہو گیا۔ اور یہاں تک تسلیم کیا کہ مرزائیوں کے مسلمانوں سے اختلافات بنیادی نہیں ہیں۔ اور اس کا بھی اقرار کیا کہ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ نہیں مانتا وہ پھر بھی مسلمان رہتا ہے۔ یہ حضرت امیر شریعت کی وہ عظیم الشان فتح ہے۔ کہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی تمام تصانیف پر خط تمسین کھینچ کے اپنے خود ساختہ معتقدات کی تغایط کردی۔ رب العزت اس گروہ کے تمام فریب خوردگان کو راہ ہدایت دکھائے۔ (آمین)

اگر ملت اسلامیہ اس گروہ کے حقیقی عقائد و عزائم سے واقف ہو کر ان کا انسداد کرے تو اندرون ملک اور بیرون ملک اس فتنہ کا انسداد ہو سکتا ہے۔

”لولاک“ اہل پور ۲۸ اگست ۱۹۶۴ء



www.ahlehaq.org

جناب مولانا ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش تھے

جب ہم پہنچے تو جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ برآمدہ میں بیٹھے چاول تناول فرما رہے تھے۔ چہرہ پر وہی سرخی، وہی تبسم، وہی ہنس ہنس کر باتیں کرنا اور نہایت خوش اور بشاش تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں پیغام مبارک پیش کیا۔ آپ نے فرمایا ”الحمد للہ کہ آج عطاء اللہ گو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ پیغام مبارک باد پہنچا“ اور اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے کہ ”اس جادہ عمل پر چلنے کے لئے بفضل خدا کئی احباب کو تیار کیا اور کئی بزرگ مجھ سے کوئے سبقت لے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اعلاء کلمۃ الحق کرتا ہوا مسجد میں وعظ کرنے کے جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ جس شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے اسے سزا ضرور دی جاتی ہے میں اس کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔“¹

میں خوش ہوں مجھے آرام مل گیا

”بھائی تمہیں معلوم ہے کہ سال دو سال سے متواتر مسلسل کام کرتا پھرتا تھا مجھے چین نہیں آتا تھا اور یہ اضطراب اور یہ تڑپ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ مجھے مطالعہ کی فرصت نہ تھی اور اب مجھے مطالعہ کے لئے موقع مل سکے گا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید میں سے فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس قدر آیات پاک مل سکیں، مطالعہ کرنا شروع کر دی ہیں۔ انشاء اللہ جب جیل خانہ سے باہر آؤں گا تو ان آیات پاک کے مطالب و

1 ”مقدمات امیر شریعت“ ص 12، 13

معارف بتا سکوں گا۔ اس وقت میرا وزن ایک من پینتیس سیر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس طرح پھولتا ہوں۔“

خودکشی کا ارادہ

چیف جسٹس: کیا تم نے درخواست میں کہا تھا کہ میں جھوٹی شہادت دینا نہیں چاہتا؟ گواہ: اگر میں لکھتا تو نہ معلوم مجھے کیا دھکے کھانے پڑتے اور نہ معلوم پولیس مجھ سے کیا سلوک کرتی۔

اس مرحلے پر مسٹر سلیم نے ایک سوال دریافت کرنا چاہا جس پر لدھارام نے کہا کہ میری ایک اور درخواست بھی ہے۔ میں تہیہ کئے ہوئے تھا کہ شہادت دینے کے بعد خودکشی کر لوں گا۔ اس کے لئے میں نے سنکھیا خریدا۔ آپ بے شک اس دکان سے دریافت کر سکتے ہیں۔ میرے والد، میری والدہ اور گھر کے تمام آدمیوں کو اس کا علم ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میرے دل میں کیا تھا؟¹

خاتم النبیین ﷺ

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ وہ مانیں مرگئیں جو نبی جنا کرتی تھیں۔ اب وہ سانچے ہی ٹوٹ گئے۔ اب قیامت تک کوئی نبی (بن کر) نہیں آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے خاتم النبیین ﷺ کا ترجمہ کیا ہے ”نبیوں پر مہر“ قادیانیوں نے ترجمہ کیا ہے نبیوں پر مہر لگائی اور نبی بنادیا۔ یہاں شہر اور گاؤں کے لوگ بیٹھے ہیں۔ آپ لوگ کبھی ڈاک خانہ میں گئے ہوں گے۔ وہاں سب چٹھیاں اکٹھی کی جاتی ہیں، سب پر مہر لگتی ہے۔ اس کے بعد ان سب کو ایک تھیلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر ایک شمع جلائی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک سرکاری مہر لگائی جاتی ہے اور لاکھ کو پگھلا کر تھیلے کو بند کر

کے اس پر وہ مہر لگائی جاتی ہے۔ اس مہر کو راستہ میں کوئی نہیں توڑ سکتا۔ جو توڑے گا، اس پر ڈاک خانہ کے قوانین کی دفعہ 52 پوسٹ آفس لگے گی۔

اب اس بات کو سمجھو کہ تمام انبیاء کو نبوتیں آنحضرت ﷺ کے طفیل ملی ہیں۔ گویا کہ سب نبوتیں رحمت عالم میں جمع کر دی گئی ہیں اور جمع کر کے مہر لگا دی گئی ہے۔ اب ترجمہ کرو شاہ صاحب کا کہ نبیوں پر مہر۔“

توہین خاتم النبیین ﷺ کفر ہے

نبی کریم ﷺ کی توہین کفر ہے۔ بعض لوگ ہم پر بھی معاذ اللہ توہین کا الزام لگا دیتے ہیں۔ ارے ہم تو انتظار میں ہیں کہ کب وقت آئے کہ ہم اپنی چمڑی کو آپ ﷺ کے صدقہ کریں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بن سکتا ہے، بنا ہے یا وہ خود ہے تو کیا آپ لوگ اس کے دعویٰ کے دلائل دریافت کریں گے؟

ارے اگر کوئی آپ سے کہے کہ میں آپ کا باپ ہوں تو اس سے دلائل پوچھو گے؟ ہرگز نہیں اس کا علاج دلائل سے نہیں ہوتا۔ اگر اس کا علاج دلائل سے نہیں ہوتا تو پھر نئی نبوت کے لئے دلائل کیسے دریافت کرتے ہو؟ جس نسل میں نبی ہوا کرتے تھے، وہ نسل ختم ہو گئی۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

(سورہ آل عمران)

لوگ کہتے ہیں کہ نبوت ختم ہو گئی لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ نسل ہی ختم ہو گئی۔ جس سے نبی بنا کرتے تھے۔ بننے سے نبی نہیں بنتا بلکہ خدا بناتا ہے۔ پیغمبر جب بھی آیا، ان پڑھ امی آیا۔ کسی پیغمبر کا کوئی استاد نہیں، کسی پیغمبر کی کوئی تصنیف نہیں۔ پیغمبر کتابیں لکھ کر کتب فروشی کے لئے نہیں آیا کرتے۔ اگر کسی استاد سے پڑھتے ہو تو یہ بھی لازماً ہوا کہ شاگرد کا کسی دن سبق یاد نہ ہوتا اور استاد انہیں مرغا بنا دیتا۔ یہ چیز نبی کی شان کے خلاف ہے۔

پھر وہ ہی کل کو اٹھ کر کہتا ماسٹر جی مجھے نبوت مل گئی مجھ پر ایمان لے آؤ۔ ماسٹر جی کہتے کہ میں نے تجھے کان سے پکڑ لائیں ماری تھیں تو تیرا ماتھا لوٹے کی ٹونٹی پر جا لگا تھا اور

ابھی تک اس زخم کا داغ باقی ہے۔ فرمائیے اب نبی صاحب کیا جواب دیں گے؟
نبی کا استاد خدا ہوتا ہے۔ وہ مخلوق کے آگے نہیں، خدا کے آگے جھکا کرتا ہے۔ یہ بات پہلے باندھ لو کہ نبی خدا کا شاگرد ہوتا ہے۔ کوئی نبی دنیا میں نہیں پڑھا کرتا۔ ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ علم کے معنی دانستن کے، جاننے کے ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت سمجھئے!

مسلمانو! ختم نبوت کے عقیدہ کو یوں سمجھو جیسے یہ ایک مرکز دائرہ ہے جس کے چاروں طرف توحید، رسالت، قیامت، ملائکہ کا وجود، صحف سماوی کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت و ابدیت، عالم قبر و برزخ، یوم النشور، یوم الحساب گردش کرتے ہیں۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ دین نہیں بچے گا، بات سمجھ آئی؟ مزید سمجھئے، جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی حضور رسالت پناہ ﷺ کے وجود مسعود پر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت وہ مہر درخشاں ہے جس کے طلوع کے بعد اب کسی روشنی کی مطلق ضرورت نہیں رہی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم ﷺ میں مدغم ہو گئی ہیں۔ جی تو مخبر صادق ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آج بھی موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں ہوتے تو انہیں بھی بجز میری اتباع کے چارہ کار نہ ہوتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ابوبکر و عمر (رضی عنہما) کی طرح امتی اور خلیفہ کی حیثیت سے۔

حضرت کشمیریؒ کی شاباش

قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ جی نے جتنا کام کیا، سب اباجی کے اشارہ و ارشاد پر۔ شاہ جی کی تقریریں پسند کی جاتیں تو اباجی کا سیروں خون بڑھتا، وہ تردید قادیانیت کے لئے لمبے لمبے دورے کرتے تو اباجی کی نگاہ ان کے ہر قدم پر رہتی۔ ڈابھیل میں مسجد مدرسہ میں ان کا معمول تھا کہ جمعہ کو تقریر فرمایا کرتے۔ ایسی تقریر جس میں صرف مغز ہوتا تھا۔ الفاظ بالکل

نہیں، نہ کوئی ابتدا ہوتی تھی اور نہ انتہا۔ تقریر ختم کر چکے۔ مجمع اٹھ گیا۔ خود منبر سے اتر آئے مگر کوئی بات پھر ذہن میں آگئی تو دوبارہ پھر منبر پر جا بیٹھے اور تقریر شروع فرمادی۔ ایک دن خطبہ مسنونہ کے بعد صرف یہی مضمون بیان ہوا کہ پنجاب میں ایک صاحب ہمیں مل گئے ہیں، صاحب توفیق، صاحب صلاحیت، صاحب سواد۔ خوب کام کرتے ہیں، مولویوں کی طرح نہ خواہش زر میں مبتلا ہیں اور نہ خواہش شہرت میں۔ بس بے چارے محض اللہ کے لئے کام کئے جاتے ہیں۔ ہم نے قادیانیت کے متعلق انہیں توجہ دلائی کہ یہ فتنہ عظیم صحیح اسلام کو جڑ سمیت اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کر بیٹھا ہے، آپ کیوں نہ اس فتنہ کے خلاف کچھ کام کر گزریں۔ آپ کا وہ کام دین میں آپ کے لئے نفع رساں ہوگا اور دنیا میں اس سے اہل دین کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ کہہ کر پھر شاہ جی کا نام لیا۔ فرمایا کہ بڑوں بڑوں سے جو کام نہ ہوا، وہ اس غریب نے کر دکھایا (طلبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) آپ تو مدرسہ کی روٹیاں کھا کر ہر وقت بحث مباحثہ میں لگے رہتے ہیں، دین کی کوئی محبت آپ حضرات کے دل میں نہیں۔ عطا اللہ شاہ بخاری اگر یہاں آگئے تو آپ ان سے ملئے، وہ عجیب آدمی ہیں۔¹

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے لئے دُعا

حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ راولپنڈی جیل میں اسیر تھے۔ وہاں مولانا ظہور احمد بگوی بھیروی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ جیؒ نے مولانا کے ہاتھ اعلیٰ حضرت (مولانا احمد خاں بانی خانقاہ سراجیہ کنڈیاں) کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ زندہ ہوں اور میں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند رہوں، یہ بات مناسب نظر نہیں آتی۔ مقصود رہائی کے لئے درخواست کی دُعا تھی۔ حضرت سجادہ نشین نے فرمایا کہ میں ان ایام میں بھیرہ میں درسیات عربیہ کا طالب تھا۔ مولانا موصوف نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جی کا پیغام دیا۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا اگر علالت طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جی کو ایک دن بھی جیل میں نہ

1 یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ ص 66، 67 از مولانا ازہر شاہ قیصر

رہنے دیتا۔ اس کے بعد لہ ہارام والے مشہور کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ یہ اعلیٰ حضرت کی توجہ اور دعا کی تاثیر تھی کہ شاہ صاحب نے اس اسیری اور بھیانک سازشوں پر مبنی مقدمہ سے نجات پائی۔¹

شاہ جیؒ انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں

ایک دفعہ لاہور انجمن حمایت اسلام کی سہ روزہ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ صاحبؒ کی تقریر تھی اور میاں ممتاز دولتانہ کی صدارت تھی۔ شاہ جیؒ نے ملتان سے تشریف لانا تھا۔ کسی وجہ سے وقت مقررہ سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دیر سے پہنچے، مجمع بے تابی سے منتظر تھا۔ بار بار پوچھتے شاہ صاحب ابھی تک کیوں نہیں پہنچے۔ اس لئے اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین کو ہر دس منٹ کے بعد اعلان کرنا پڑتا کہ شاہ صاحب ضرور تشریف لائیں گے۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔ لیجئے اطلاع پہنچی ہے کہ شاہ صاحب دفتر پہنچ گئے ہیں، اب عنقریب تشریف لے آئیں گے۔

آخر یہ اعلان کیا کہ شاہ صاحب دفتر سے جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ بس اب پہنچے کہ پہنچے۔ میاں دولتانہ اگرچہ صدارت کے لئے کب کے آچکے تھے مگر سوائے منتظمین کے عوام میں سے کسی کو خبر نہ تھی مگر جب شاہ جی کا پتہ چلا کہ دہلی دروازہ دفتر سے روانہ ہو چکے ہیں تو تمام پبلک سڑک پر استقبال کے لئے پہنچ گئی۔ شاہ جی اسٹیج پر پہنچے تو جلسہ والوں کی جان میں جان آئی اور انہیں علم ہو گیا کہ دنیا دار کتنی شان و شوکت رکھتا ہو مگر جو عزت و احترام اللہ والوں کا ہے، وہ انہیں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ اتنے میں ایک شخص نے اشتہار جو مرزائیوں کی طرف سے تقسیم ہوا تھا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ انجمن حمایت اسلام ایک تعلیمی ادارہ ہے۔ اس کی کانفرنس میں بخاری جیسے سیاسی اور ”خصوصی مذہبی“ لیڈر کو تقریر کے لئے کیوں بلایا گیا ہے؟

شاہ جیؒ نے جب یہ اشتہار پڑھا تو خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا سب سے پہلے مجھے مرزائیوں کے اس اشتہار کا جواب دینا ہے، پھر اشتہار پڑھ کر سنایا۔ فرمایا جلسہ انجمن حمایت

اسلام کا جس کے نام سے ہی حمایت اسلام ظاہر ہے، تقریر بخاری کی، صدر میاں ممتاز دولتانہ، اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین۔ میں پوچھتا ہوں آپ کو کیوں تکلیف ہوئی۔ بلانے والوں نے بلایا، آنے والا آگیا۔ آپ کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھا۔ انجمن حمایت اسلام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب سے مخاطب ہو کر، کیوں خلیفہ صاحب انجمن حمایت اسلام میں کوئی مرزائی بھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر فرمایا تو پھر آخر انہیں کیوں تکلیف ہوئی، ان کی تسلی یوں نہیں ہوگی۔ پھر خلیفہ صاحب کو بلایا اور مائیک پر کھڑا کر دیا۔ فرمایا آپ اعلان کر دیں کہ ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کافر اور مرتد ہے اور اس کو ماننے والے بھی کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ خلیفہ صاحب نے من و عن اعلان کر دیا۔ پھر شاہ جی نے فرمایا کہ مرزا ابواب تسلی تو ہو گئی ہوگی۔ جلسہ انجمن حمایت اسلام کے صدر اور جلسہ کے اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین نے جو اعلان کر دیا ہے، اس کے بعد بھی کوئی کسر باقی ہے۔ اس معاملہ میں کوئی بھی مسلمان مجھ سے جدا نہیں۔ پھر اصل تقریر شروع فرمائی۔¹

میں تیار ہوں

ایک دفعہ تقریر میں فرمایا قادیان کانفرنس کے خطبہ پر دفعہ نمبر ۱۵۳ کے تحت مجھ پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اس کی سزا زیادہ سے زیادہ صرف دو سال قید ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوں۔ اس جرم میں یہ سزا بہت کم ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ناموس پر ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار ہوں۔ مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ تجھے بجرم عشق مصطفیٰؐ تکلیف دی جا رہی ہیں تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا۔ میرا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے خدا کی قسم ہزار بچے رسول اللہ ﷺ کی کفش پر نچھاور کر دوں۔

اس پیکر علم و عمل کو جانتے ہو.....؟

وہی جس کے ہاتھ پر حجت الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے سب

1. بخاری کی باتیں ص 62 تا ص 64 سید امین گیلانی

سے اول بیعت کی۔

- ☆ وہی جس کے ہاتھ میں پانچ سو علماء نے مجمع عام میں ہاتھ دے دیئے۔
- ☆ وہی جو چالیس برس کی عمر میں پانچ دفعہ حکومت کے عتاب کا شکار ہو چکا ہے۔
- ☆ وہی جو برسوں جیل کی کالی کوٹھڑیوں میں زندگی کی بہاریں لٹا چکا ہے۔
- ☆ ہندوستان کی چالیس کروڑ کی آبادی میں۔
- ☆ جس کی ٹکڑ کا ایک آدمی نہیں۔
- ☆ اس جیسا خوش بیاں نہیں۔
- ☆ اس جیسا جادو بیاں نہیں۔
- ☆ جس کے ایک ایک لفظ پر ہر جمع ہزاروں آدمی آمادہ عمل ہو جاتے ہیں۔
- ☆ یہ ہیں امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری۔

ڈم ڈم جیل کا ایک واقعہ

شاہ صاحب نے فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر خیر سے مجھے ڈم ڈم جیل کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ 1930ء کے ایام اسیری میں ایک شب میں سورہ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں چاند کی چاندنی، رات کا سناٹا، فضا خاموش، بارش اور ژالہ باری کے بعد شدید سرد موسم اور ماحول دم بخود!

اپنی خاص کیفیت اور وجد میں تلاوت کرتے کچھ وقت گزر گیا کہ اتنے میں باہر سے بچکیوں کے ساتھ رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے سلسلہ تلاوت ختم کر کے باہر دیکھا تو دروازے کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل پنڈت رام جی لال کھڑے تھے، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی رندھی ہوئی آواز گلوگیر لہجے میں کہا:

”شاہ جی خدا کے لئے بس کر دو! میرا دل بے قابو ہو رہا ہے، اب تو مجھ میں رونے

کی سکت نہیں رہی۔“

شاہ صاحب نے فرمایا بھائی ٹھیک سے قرآن پڑھا جائے تو آج بھی اس کے اعجاز

دکھائی دیتے ہیں..... پھر آپ نے سکھر جیل کا تذکرہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا میری تو خیر کوئی بات نہیں۔ میں سرد گرم چشیدہ ہوں، پوری زندگی جیل اور ریل کی نذر ہو گئی۔ مجھے تو سب سے زیادہ فکر ان بڑے میاں (مولانا ابوالحسنات کی ہے، یہ بے چارے! اس وادی پر خار میں پہلی مرتبہ قدم رنجاں ہوئے ہیں۔ مجھے ان کی تکالیف کا بے حد احساس تھا..... مگر..... ماشاء اللہ! انہیں میں نے اپنے سب ساتھیوں میں سے صابر و شاکر پایا ہے.....!

راقم الحروف نے استفہاماً عرض کیا شاہ جی! کیا ہمارے ساتھ اس افسوسناک سلوک کا محرک کہیں (مرزائی) انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کا انتقامی جذبہ تو نہیں ہے؟ کیونکہ آپ پر ظلم و ستم کا سلوک ہوا ہے! اس پر شاہ جی نے ایک بار میری جانب دیکھا..... اور پھر خاموش ہو گئے۔¹

ایام اسیری میں کس سے متاثر ہوا؟

ایک دن میں نے شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی زندگی ریل اور جیل کی نذر ہو گئی۔ جس طرح آپ علمی، ادبی، ملی اور سیاسی شخصیات سے متاثر ہوئے ہیں اور ان کا اچھے الفاظ میں تذکرہ بھی فرمایا کرتے ہیں اسی طرح جیل کی زندگی میں آپ کو سب سے زیادہ کس نے متاثر کیا ہے.....؟

میرا یہ سوال سن کر پہلے تو حسب معمول ٹال گئے۔ پھر جب میں نے اپنی معروضات کے جواب پر ذرا صرار کیا تو فرمانے لگے.....!

کیا پوچھتے ہو بھائی.....! میں تو ایک گنہگار انسان ہوں اور گنہگار گنہگار ہی سے متاثر ہو سکتا ہے۔ قید و بند کے دوران سیاسی قیدیوں کے دوش بدوش اخلاقی جرائم، چوری اور ڈکیتی میں ملوث قیدیوں سے بھی ملاقات ہوتی رہتی۔ میں نے انہیں دیکھا کہ ایام اسیری گزارنے کے بعد جب وہ رہا ہو کر باہر جانے لگتے تو ان میں سے پختہ کار مجرم اپنے برتن، چٹائی اور کمرے وغیرہ اپنے جیل کے ساتھیوں کی تحویل میں یہ کہہ کر دے جاتے کہ انہیں جیل کے حکام کے

1 خطبات امیر شریعت ص 32 تا 37 ملخصاً از: مولانا مجاہد الحسنی

پاس ڈیوڑھی میں جمع نہ کرانا بس تھوڑے ہی دنوں کے اندر بہت جلد ہم پھر یہاں آئیں گے۔
یہیں اپنا سامان وصول کر لیں گے اور تمہارا جیل کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

ان گنہگاروں کے عزائم کی بلندی اور اپنی دھن کی پختگی سے میں بہت متاثر ہوا کہ یہ
لوگ گناہ میں اس قدر ثابت قدم اور پختہ کار ہیں اور ہم سراسر نیکیوں، خوبیوں اور محاسن میں کسی
قسم کی کمزوری کا اظہار کریں؟ بھائی..... یہ کفر میں پختگی تو کبھی کبھی انبیاء کرام علیہم السلام کی
خصوصی توجہ اور دعاؤں کا مرکز بن جایا کرتی ہے۔ جیسی تو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے اللہ میاں
سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی تقویت کے لئے مانگا تھا۔ چنانچہ
انہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر استقلال، شجاعت اور جوانمردی کے جو عظیم الشان کارنامے
انجام دیئے ہیں تاریخ اسلام میں سنہری باب کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ درخشندہ و تابناک
رہیں گے۔¹

کچھ تو غور کرو

شاہ جی نے ضعیفی کے عالم میں اتمام حجت کی خاطر قادیانیوں سے خطاب کرتے
ہوئے فرمایا:-

”اے قادیانیو! اگر نیانہی مانے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا، اگر اس کے بغیر تم جی
ہی نہیں سکتے تو ہمارے قائد اعظم ہی کو نبی مان لو، ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹا، کوہ پہاڑ کی
طرح اڑ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے، اشکوں کی گھٹنا چھائی، خون کی برکھا ہوئی، لاشوں کا
سیلاب آیا مگر کوئی چیز قائد اعظم کے عزم کو نہ ہلا سکی۔ اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور
ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ارے تمہاری نبوت کو بھی لٹ پٹ کر جگہ ملی تو اسی کے
قدموں میں۔ تمام عمر زار دی انگریز کی نوکری نہیں کی، حکومت سے خطاب نہیں لیا۔ انگریز
سے کوئی تمنا وابستہ نہیں کی اور ایک تمہارا نبی ہے کہ جس نے حضور گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ
درخواستیں کرتے کرتے پچاس الماریاں سیاہ کر ڈالیں۔“²

تقریر کی لذت

جناب اعجاز چشتی لکھتے ہیں:

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے میری پہلی ملاقات قیام پاکستان کے بعد 1945ء میں راولپنڈی مدرسہ تعلیم القرآن کے سالانہ جلسہ پر ہوئی۔ شاہ جی نے کمپنی باغ میں ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کیا میں اس وقت گارڈن کالج راولپنڈی کا طالب علم تھا۔ تحریک پاکستان سے وابستگی کی وجہ سے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک مخصوص متعصبانہ نکتہ سے جلسہ گاہ میں پہنچا۔ شاہ جیؒ نے تلاوت قرآن پاک سے تقریر کا آغاز کیا جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے، تو شورش کاشمیری کے بوئے گل، کے ان الفاظ پر یقین آیا شاہ جیؒ قرآن پڑھ رہے ہوں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے قرآن نازل ہو رہا ہو۔ اور وقت ٹھہر گیا ہے۔ شاہ جیؒ کا موضوع تھا ”دینی مدارس اور ان کی خدمات“ پہلی بار مجھے ان دینی مدارس اور علماء کی خدمت کا صحیح شعور پیدا ہوا۔ تقریر میں وہ جادو تھا کہ میں متور ہو کر رہ گیا۔ دوسری صبح شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، موضوع سخن کے لئے میں نے جرات کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پڑھا۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شاہ جیؒ نے اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا: دین و سیاست کی جدائی کا ذکر تاریخی واقعات کی روشنی میں اس طرح کیا کہ خلافت راشدہ سے سقوط بغداد تک کی پوری تاریخ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ گیا۔ علامہ اقبالؒ سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا، حاضرین مجلس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ بوڑھا انسان اپنے خدا کے کس قدر قریب ہے؟ اور اپنے نانا کا کس قدر حلقہ بگوش ہے۔ کہنے لگے بھائی میں نے کتابیں نہیں پڑھیں انسانوں کو پڑھا ہے۔ میں مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، حکیم محمد اجمل، مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد کے قافلہ سے ٹکھڑا ہوا ایک راہی ہوں۔ جو اس بڑھاپے میں بھی منزل مقصود کی طرف چلا جا رہا ہوں، سب ساتھی ایک ایک کر کے چھوٹ گئے۔

1951ء میں احرار دفاع کانفرنس اوکاڑہ میں مولانا محمد علی جالندھریؒ کی دعوت پر شریک ہوا۔ آخری اجلاس جس کو شاہ جی نے خطاب کرنا تھا۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ کے حکم سے مجھے بھی تقریر کرنا پڑی۔ شاہ جی کی عظمت اور ان کی شخصیت کا رعب سامنے تھا۔ عرض کیا شاہ صاحب کی موجودگی میں میرے لئے تقریر کرنا مشکل ہے۔

☆ شاہ جی نے فرمایا:

”بھائی میری عظمت یہ نہیں کہ اپنے بھائیوں میں خوف و ہراس پیدا کروں، میری موجودگی نے بہروں کو کان دیئے۔ گونگوں کو قوت گویائی بخشی، لنگڑوں کو چلنا سیکھا دیا، میں باعث زحمت نہیں، باعث رحمت بنا ہوں۔ تم تقریر کرو، میں سنوں گا۔“

شاہ جیؒ کے ان الفاظ نے قوت بخشی، میں نے تقریر کا آغاز کیا، اس سے پہلے بارہا میں بڑے بڑے مجموعوں کو خطاب کر چکا تھا۔ گورداسپور اور دینانگر کے درو دیوار آج تک گواہ ہیں کہ اس پندرہ سالہ مقرر نے دوستوں اور دشمنوں سے اپنی خطابت کی داد لی۔ لیکن اوکاڑہ کے جلسہ کی تقریر زک زک کر ٹھہر ٹھہر کر الفاظ کا خیال رکھتے ہوئے جب میں اس مقام پر پہنچا کہ:

”یہ ملک اسلام کے لئے حاصل کیا گیا ہے، یہاں اسلام ہی ہمارا ضابطہ حیات ہوگا اور اسلام ہی کے لئے اس ملک کا تحفظ کرنا ہے۔“

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ

شاہ جیؒ نے تقریر کی خوب داد دی، جس نے شاہ جیؒ کو کبھی داد دیتے ہوئے دیکھا ہے وہی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں اکثر کانفرنسوں میں شاہ جیؒ کے ساتھ شریک ہوا اور خطاب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آج میں جب سوچتا ہوں کہ شاہ جیؒ ایسا عظیم خطیب اور مجھ ایسے نوآموز مقرر کی تعریف تو صحیح معنوں میں ان کی عظمت نے دین کو محفوظ رکھا، کیا یہی کم ہے اب تم لوگ اسے سنبھالو اور دُور دُور تک پہنچا دو؟“ 1

غیبت سے کنارہ کش

شاہ جیؒ نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور اُن کا مسلک پردہ پوشی تھا۔ ایک بار شاہ جیؒ سے ایک مشہور غزل گو شاعر جو اپنی شراب نوشی کے لئے مشہور ہیں۔ مل کر گئے تو حاضرین میں سے کسی مولوی صاحب نے کہا کہ:

”شاہ جیؒ آپ تو شرابیوں کو بھی منہ لگالتے ہیں۔“

فرمانے لگے:

”بھائی تم نے اُسے شراب پیتے دیکھا ہے؟“

”پھر غیبت کیوں کرتے ہو؟“

”شاہ جیؒ میں نے اُسے شراب کے نشے میں بدست دیکھا ہے۔“

فرمانے لگے:

”پھر پردہ پوشی سے کام لو۔“

ہزار رحمتیں ہوں اُس مردِ درویش پر ان کے اس طرزِ عمل سے بہتوں نے اصلاح پائی اور دشمن دوست بن گئے۔

آسمان خطابت کے نیرِ تاباں

بیسویں صدی کے عشرہ دوم میں مولانا محمد علی جوہر مولانا آزاد اور مولانا ظفر علی خان نے اپنی تحریر و تقریر سے ملک میں آگ لگادی۔ جوہر نے ”کامریڈ“ اور ”ہمدرد“ میں مولانا آزاد نے ”الہلال“ اور ”ابلاغ“ میں اور مولانا ظفر علی خان نے زمیندار کے کالموں میں لاوا بھر دیا۔ کہیں مضامین آرہے ہیں۔ تو کہیں نظمیں کہیں بغاوت کی انگیخت ہے۔ تو کہیں اپنی تعظیم کے کنارے اور پلو سمیٹنے کے لئے ہدایات۔ پھر قدرت نے ان تینوں کو فنِ تقریر کی عظمتوں سے بھی وافر حصہ دیا تھا۔ وہ آسمانِ خطابت کے ماہ و مشتری تھے۔ مگر ابھی اُسے کچھ اور عروج سے ہمکنار ہونا تھا۔ رولٹ ایکٹ ایجنسی ٹیشن، سانحہ جلیانوالہ باغ کے بعد جب تحریک خلافت اپنے جلو میں تحریک ہجرت کا مرغِ ہسمل بھی لائی۔ تو امرتسر کے مردم خیز میدانوں سے ایک گرج اُبھری

س کی گونج سے سارا پاک و ہند گونج اٹھا۔ کسی نے سنا، کسی نے نہیں سنا، مگر سب کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ گرج ایک کڑک بنے گی۔ جسے بہرے بھی سنیں گے۔ اور جس کا مفہوم دیوانے بھی سمجھیں گے۔ اور جس کے بعد فنِ خطابت صرف اس لئے حیات کا طالب ہوگا۔ کہ اپنے شہسوار کا ماتم کناں ہو سکے۔ یہ خطیبِ اعظم کی آواز تھی۔ جسے مولانا جوہر نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ کہ کامیابی کا سہرا اس بے مثل نوجوان کے سر رہا۔ جو عوام میں عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام سے معروف ہے۔ جو عوام کو ہنساتے اور ہنستے ہوئے شگفتہ چہروں کو رولانے پر قادر ہے۔ جو خون کے آنسو رونے والوں کے چہروں پر غضبناکی کی لکیریں بھی کھینچ دیتا ہے۔ اس سے نہ تو پہلے تقریر کی جاسکتی ہے۔ کہ ان کی تقریر سے پہلے مقرروں کی تقریروں کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ اور نہ بعد کہ ان کے بعد کسی کا رنگ جم ہی نہیں سکتا۔ اس ذاتِ گرامی نے ابوالکلام جیسے سحر اللسان اور قادر الکلام کو بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ چنانچہ مولانا آزاد کبھی ایسے جلسے میں تقریر نہیں کرتے تھے۔ جس میں شاہ جی مدعو ہوتے۔ ایک مقرر میں جتنی صلاحیتیں ہونی چاہئیں۔ قدرت نے ان سے انہیں فیاضی سے حصہ دیا تھا۔ قد و قامت، شکل و صورت، قوت و طاقت، شجاعت و جرأت، فراست و معاملہ فہمی، غیرت و حمیت، زکاوت اور شدتِ احساس، رقت و جذبات کا تلاطم۔ بلندیِ آواز اور خوش گوئی 1931ء میں تحریک کشمیر میں اس طرح حصہ لیا۔ کہ گول میز کانفرنس میں انگریز اور وزیر ہند کو کہنا پڑا۔ کہ ہندوستان میں ایک ایسی سحر البیان شخصیت موجود ہے جو بیک وقت دو حکومتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اُن کی آواز میں غضب کا سوز تھا۔ قرآنِ کریم سے والہانہ لگاؤ تھا۔ تلاوت فرماتے تو کسی سحر کا دھوکا ہوتا۔ ڈم ڈم جیل ڈھا کہ میں ایک شب چودھویں کا چاند جو بن پر تھا، موج آگنی اور تلاوتِ فرمانی شروع کر دی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ قرأت سے چاند بھی مسحور ہو کر ٹھہر گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ کہ پیچھے سے ”پنڈت رام جی لال“ سپرنٹنڈنٹ جیل کی آواز آئی۔ پلٹ کر دیکھا۔ تو اُس کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے۔ شاہ جی خدا کے لئے بس کرو۔ دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب رونے کی تاب نہیں رہی۔ چنانچہ اکثر یہ بات مشاہدہ میں آئی۔ کہ شاہ جی کی تلاوت قرآن کریم سننے کے لئے اکثر غیر مسلم بھی دور دراز کا سفر کر کے ان کے جلسوں میں پہنچتے۔ اور ان میں کئی غیر مسلم عورتیں بھی ہوتی تھیں۔

حُب رسول ﷺ ان میں قدرت نے خاص طور پر ودیعت کر رکھتی تھی۔ کہتے تھے۔ خدا معبود ہے۔ محمد محبوب۔ خدا کو جو جی آئے کہو۔ وہ خود محاسبہ کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ عقل کا معاملہ نہیں۔ عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا۔ یہ نہ سوچا جائے گا۔ کہ قانون کیا کہتا ہے اور جو ہونا ہوگا۔ ہوگا۔ اور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

انگریز سے نفرت جزو ایمان

یہی حُب رسول ﷺ کا جذبہ انہیں قادیان لے گیا۔ پھر اس کے بعد 1953ء میں تحریک ختم نبوت میں جو کچھ ہوا۔ وہ ہماری نگاہ سے پوشیدہ نہیں..... کسی ہمدرد نے عرض کیا۔ شاہ جی اب آپ ضعیف ہیں۔ اپنے آپ کو ناقابل برداشت مشقت میں نہ ڈالیں۔ فرمایا۔ ناموس رسالت ﷺ خطرے میں ہے۔ اغیار شمع رسالت بجھانے کے درپے ہیں۔ آپ مجھے آرام کا مشورہ دے رہے یہ کیوں نہیں کہتے کہ خود کشی کر لوں۔ انگریز سے نفرت اُن کا جزو ایمان رہا۔ فرماتے تھے۔ زندگی کی صرف ایک خواہش ہے۔ کہ یا تو انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کروں۔ یا خود اس جدوجہد میں تختہ دار پر لٹک جاؤں یہ اُن کا ایک مخصوص قلندرانہ نعرہ ہوا کرتا تھا۔

ایک دفعہ قید ہوئے۔ تو سپرنٹنڈنٹ جس نے انگریز گورنر کی چھٹی کا حوالہ دیا۔ کہ اگر شاہ صاحب اظہارِ افسوس کر دیں۔ تو انہیں فوری طور پر رہا کر دیا جائے سپرنٹنڈنٹ کو فرمانے لگے۔ جو کہوں گا۔ جواب لکھو گے۔ اور کہا کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ تمہاری جڑوں کو کاٹتا رہوں گا۔ ایک دن انڈین گورنمنٹ کا انگریز ہوم ممبر معائنہ جیل کے لئے پہنچا۔ بولا۔ شاہ جی آپ اچھے ہیں۔ جواب دیا۔ اللہ کا شکر ہے۔ بولا کوئی سوال۔ فرمایا میں سوال صرف اللہ سے کیا کرتا ہوں۔ کہا۔ میرے لائق کوئی خدمت۔ فرمایا۔ ہاں! میرا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ۔ راولپنڈی جیل کا سپرنٹنڈنٹ انگریز تھا۔ وہ آپ سے متاثر ہی نہیں تھا۔ بلکہ مرعوب بھی تھا۔ اُس نے ہندوستان کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ”چند یادیں“ ہے۔ کتاب میں لکھا ہے۔ جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا۔ اُن میں عطاء اللہ شاہ بخاری ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا۔ اُس کا چہرہ مہرہ چرچ کے اُن مقدس راہبوں کی طرح تھا۔ جن کی تصویریں حضرت مسیح علیہ السلام کی سے مشابہ ہوتی ہیں۔ شاہ جی کی ہشت پہلو

شخصیت کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ وہ رندوں میں رند تھے اور فقیروں میں فقیر عمر بھر سفر کے لئے تھرڈ کلاس کو پسند کیا۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو مدد کے لئے تکلیف نہ دی۔

اول و آخر، ظاہر و باطن مسلمان

☆ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

میں اخبار نویس کے میدان میں قدم رکھنے کی، تیاریاں کر رہا تھا۔ اس وقت پہلی مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سنا۔ لوگ ان کے بیان و خطابت کی سحر انگیزی اور زور تاثیر کی ستائش ایسے انداز میں کرتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اس میں حقیقت کی جگہ افسانے کا رنگ غالب ہے۔ میں نے 1922ء میں اخبار نویس شروع کی تو اکثر بڑے بڑے لیڈر اور کارکن قید ہو چکے تھے۔ ان میں خود شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ سزائے قید سنا دینے کے بعد انہیں میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔ جو عام گذرگاہ سے ہٹا ہوا تھا۔ اور وہاں بالقصد جانے والے لوگوں کے سوا کسی کے پہنچنے کا امکان نہ تھا۔ شاہ صاحب کے بعض رفیق اور دوست پہلے سے وہاں موجود تھے۔ بعض بعد میں وہاں پہنچ گئے۔ بہر حال اس وقت مجھے شاہ صاحب کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ اس طرح میرے دل میں شاہ صاحب کے متعلق محبت و عقیدت کا مخلصانہ جذبات پیدا ہوئے اپنے اس مشہور شعر کی حقیقت کا عملی تجربہ پہلی مرتبہ ہوا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کہیں دولت از گفتار خیزد

رشتہ نازی استواری

شاہ صاحب قید کی مدت پوری کر کے رہا ہوئے تو کئی سال تک سیاسی دائرے میں ہم نے اکٹھے کام کیا اور خاصا وقت یک جاتی میں گذرتا رہا۔ میں نے ان کی وہ تقریریں تو زیادہ نہ سنیں جن کی شہرت سے، پاک و ہند کی فضا گونج رہی تھی۔ اور خطابت میں انہیں قدرت کا ایک خاص عطیہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ان کے متعلق جو کچھ تحریر کر مولات کے آغاز سے سنتا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ واقفیت کا محض ایک سرسری بلکہ نامکمل چربہ تھا۔ خطابت شاہ صاحب کے خدا داد جوہروں میں

سے صرف ایک جو ہر تھی۔ جسے ان کے فضائل و کمکارم میں میرے نزدیک اولین درجہ حاصل نہ تھا۔ اگرچہ زمانہ ان سے خطیب ہی کی حیثیت میں روشناس تھا اور اب بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے خطابت ہی کو مرکزی وصف بتایا جاتا ہے۔ مجھے وہ اپنے دور کے بہت بڑے انسان نظر آئے۔ کیوں کہ وہ بہت بڑے مسلمان تھے۔ اول و آخر ظاہر و باطن مسلمان تھے۔ ان کے وجود کی مادیات و معنویات کا ذرہ ذرہ اصلاحیت اور صرف اسلامیت سے سرشار تھا۔ ان کی تمام دوسری خصوصیتیں اسلامیت ہی کے مختلف پر تو تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ عمر بھر ہر حلقے میں محبوب و ہر دلعزیز رہے۔

نادر شخصیت

ان کی سیرت کی چند دلکش جھلکیاں دکھانا چاہتا ہوں۔ صرف چند جھلکیاں۔ شاید اس طرح اندازہ کیا جاسکے کہ وہ کتنی گراں قدر عالی مرتبت اور نادر الاوصاف شخصیت کے حامل تھے۔ اور اسلامیت و انسانیت کی شکل میں ہمارے وطن عزیز کی وہ کتنی بیش بہا دولت و ہمیدانِ نمل میں مصروفِ مجاہدات تھے تو لوگ ان کی زیارت کو باعثِ صد سعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں لاکھوں کے مجموعوں کو اپنے دلاویز خطبات سے سراپا نمل و حرکت بنا دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ حریت و اسلامیت کے لئے جانبازاں جہاد میں گزار دیا۔ عمر کا خاصا بڑا جز و قید و نظر بندی میں گزارا۔ جو صلاحیتیں قدرت نے انہیں عطا کی تھیں۔ وہ سب بے دریغ اسی راہ میں صرف کر دیں۔ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ عمر بھر فقران کے لئے سرمایہ فخر رہا۔ فقر ہی ان کی سب سے زیادہ قیمتی خاندانی میراث تھا۔ اور آج بھی ان کے فقر کا طرہ آسمان بوس ہے۔ کیا وہ عرفی کے اس شعر کی زندہ مثال نہیں!

باخون صد شہید مقابل نہا وہ اند

عمر نے کہ ماہ آتش افسانہ موختیم!

جہاد اسلامیت و آزادی

ہمارے گرد و پیش نفسا نفسی کے جو ہنگامے اور موازنہ خدمات کے جو محشر بپا ہے۔ ان سے کون ناواقف ہے؟ جو لوگ لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتے تھے۔ انہوں نے ہی اپنے

کارناموں کے دفتر تیار کر کے معاوضے میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو ان کے دسترس میں آسکتا تھا۔ حالانکہ ان کے استحقاق کا معاملہ اصولاً محل نظر تھا شاہ صاحب کی تمام عمر اس قاہر حکومت سے لڑنے میں بسر ہوئی۔ جس نے ہماری ہر مادی اور معنوی ثروت غصب کر کے اپنی رگوں کے لئے زندگی کا خون مہیا کیا تھا۔ پھر ان کا پورا جہاد صرف آزادی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اسلامیت و آزادی کے لئے تھا۔ وہ اپنے وطن کو بھی آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اور یہاں مسلمانوں کو بھی آزاد تر خوددار تر و شہنشاہ تر اور مخلص تر مسلمان دیکھنے کے آرزو مند تھے۔ اپنی عمر انہی مقاصد کے لئے ایسی سبقتوں اور دلگیریوں میں گزاری۔ جن کا معمولی سا تصور بھی بڑے بڑے مدعیان ہمت و رأت کو ریشہ بر اندام کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر کیا کسی خدمت کے لئے کوئی صلہ طلب کیا؟ لب کرنا ہر ایک طرف کسی خدمت کا ذکر بھولے سے بھی نہیں کیا۔ خوب سوچو۔ خوب غور کرو۔ ہر بتاؤ کہ ہمارے وطن عزیز میں آج ایسی بلند پایہ شخصیتیں کتنی ہیں؟¹

اسلامی معیار عظمت

شاہ صاحب بہر حال انسان تھے فرشتہ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی زندگی کی وہ تمام ضرورتیں وابستہ تھیں جن سے ہر انسان محصور رہتا ہے۔ لیکن صلے کی طلب میں وہ کیوں لاکھوں سے الگ ہو گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اسلامی زندگی کا ایک اہم فرض تھا۔ اور اہل حق کے نزدیک فرض اسی لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چوں و چرا ادا کیا جائے۔ اگرچہ اسی راہ میں کتنی ہی تکلیفوں، مشقتوں، صعوبتوں اور قربانیوں سے سابقہ پڑے۔ یہاں تک کہ جان بھی دے دینے کی نوبت آجائے تو ایک لمحے کے لئے ادائے فرض سے روگردانی گوارا نہ کی جائے۔ قرآن مجید انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہمیں کیا بتاتا ہے؟ یہ کہ قوم کو دعوت ہدایت دینے کے لئے اٹھے تو فرمایا۔

ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجرى الاعلى اللہ ۝

”ہم تم سے کچھ اجر نہیں مانگتے۔ ہمارا اجر تو اللہ کے پاس ہے جس نے ہمیں پیدا کیا۔“

جن بزرگ ہستیوں نے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنایا وہ بھی ہم قوموں یا

فکروں سے کبھی کسی اجر کے روادار نہ ہوئے۔ انہوں نے جو کچھ کیا فرض سمجھ کر کیا۔ ان کا مقصد ایک تھا۔ اور وہ یہ کہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ اس رضا و خوشنودی کے طلب گار۔ انے کارناموں کی پاکیزہ دولت کو دنیوی صلّوں کی تمنا سے آلودہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں رکھتے کاش ہم لوگ سمجھ سکیں اور اندازہ کر سکیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا تعلق اسی حقانی گروہ سے ہے۔ یہی انسان کی عظمت و برتری کی حقیقی اساس ہے۔ افسوس کہ اسی مقدس گروہ کے افراد آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور ان کی جگہ لینے والے پیدا نہ ہوئے شاہ صاحب اس وجہ سے بھی حد درجہ عزیز ہیں۔ کہ اس گروہ سے متعلق ہیں۔ اور اس وجہ سے بھی قابل احترام ہیں کہ جماعتِ دینی خدمات کے سلسلے میں صحیح اسلامی معیار کے آخری نمائندوں میں سے ہیں۔¹

دولت فقر اور سعادتِ اطمینان

یہی لوگ ہیں جن کے کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا۔ جس طرف ان کے قدم بڑھے۔ گراں قدر عملی جواہرات کے انبار فراہم ہو گئے خود ان پر نظر پڑی تو فقر و درویشی پر اس طرح مطمئن۔ ملے کہ با اقتدار بادشاہ اپنے تختِ سلطنت پر ہی اس قدر مسرور و مطمئن نہ ہوں گے۔ سچ ہے۔

گر دولت آیں بود کہ بہ درویش دادہ اند

باید گریستن جم و دارا تختِ خویش!

جو قلبِ مطمئن اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو عطا کیا تھا۔ وہ ہر جگہ نظر نہیں آ سکتا۔ اطمینانِ قلب دولت، اقتدار، فرمان روائی یا وسعتِ اموال پر منحصر نہیں۔ صرف اللہ کے ذکر اور اس کے فضل و عطا پر موقوف ہے۔ پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس دور میں خدمتِ اسلامیت و آزادی کا بار گراں دوشِ ہمت پر اٹھایا تھا۔ جب اخلاص و ایثار اتنے کمیاب نہ تھے۔ جتنے آج نظر آرہے ہیں۔ یعنی ترکِ موالات یا لا تعاون کے دور میں اس تحریک میں جن جانبازوں نے حصہ لیا تھا۔ ان میں خاصی بڑی اکثریت مخلص اور ایثار کی ایسی مثالیں بہت کم

تحریکیں پیش کر سکتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ کو اس جماعت میں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ اس سے ان کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحبِ دل بنایا تھا۔ اور دل ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں جانیں بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتیں۔ عرفی نے بالکل درست کہا تھا:

ہزار جانِ گرامی بہ نرخِ حو نہ خرن

بہ عالمے کہ دردِ دل بہ کاری آید

آخر جان کی قدر و قیمت بھی تو دل کے ساتھ ہے دل نہ ہو تو جان سے کون سا قابل ذکر کام انجام پاسکتا ہے۔¹

☆ ان جیسا بیدار، مغز، صاحبِ ایمان اسلام کا شیدائی پیدا نہیں ہو سکتا
شیخ حسام الدین لکھتے ہیں:

اس جگہ اس امر کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ مجھے سیاست کے میدان میں لانے کے لئے ہر چند کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا بڑا حصہ تھا۔ لیکن سید عطاء اللہ بخاری کی خطابت کی کشش بھی دراصل اس کی بنیاد تھی۔

مجھے برسوں تک شاہ جی کی رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے میں ہمیشہ اُن کی شخصیت کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اُن جیسا بیدار مغز، صاحبِ ایمان عالم دین، خطیبِ خوش گفتار اور اسلام کا شیدائی پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔

ان کی عالی ظرفی کا اندازہ کیجئے کہ میرا کئی مرتبہ سیاسی مسائل پر اُن سے اختلاف بھی ہوا۔ بات کے مختلف پہلوؤں پر گرما گرم بحثیں بھی ہوئیں۔ مگر..... اس قسم کے حالات ساون کے بادلوں کی طرح نزر کئے۔ شاہ جی کے مزاج اور میرے ساتھ برتاؤ میں کبھی فرق نہ آیا۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے ایک مجھی کو کیا بلکہ ہر دولت دشمن کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا کچھ ایسا ڈھنگ جانتے تھے کہ اس دور کے لوگوں میں وہ بالکل ناپید ہے بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی صفات کی

بھلک کسی انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آئیں گی۔ مجلس میں انتخابات کے موقعہ پر وہ کہا کرتے تھے کہ:

”بھائی! انتخاب دوٹوں کی اساس پر نہ کیا کرو۔ بلکہ مسائل اور ضروریات کی روشنی میں ذمہ داریاں سنبھال لیا کرو۔“

چنانچہ مجلس احرار کے زمانے میں انہوں نے احرارِ زُما کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی تھی۔ کہ وہ کام اور خدمتِ قوم کی لگن میں جماعتی انتخابات کی سطح سے بلند و بالا رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی نظریے کے تحت 1931ء میں مجھے مجلس احرار کا صدر بنایا گیا۔ حالانکہ میں (جونیر موسٹ) تھا۔ لیکن وقت کی ضرورت کے پیش نظر ہم میں اختلافات کو کوئی گنجائش ہی نہ تھی میں مسلسل آٹھ برس تک صدر رہا۔ پھر جب پاکستان بنا تو۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

مجلس احرار کی صدارت کے زمانے میں شاہ جی نے ہمیشہ سیاسی۔ مذہبی، دینی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں درپردہ میری ایسی رہنمائی کی..... کہ اُن کرم فرمائیوں کے سلسلے میں شاہ جی کی روح کو میں جس قدر خراجِ تحسین ادا کروں کم ہے۔ میں نے شاہ جی کے ساتھ اپنی سیاسی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کے مراحل بھی طے کئے۔ لاہور، پٹنہ اور ملتان کی جیلوں میں بہت سے لیل و نہار ہم نے ایک ساتھ بسر کئے..... جیل کی دُنیا میں بھی میں نے شاہ جی کے مزاج کی اُن خوبیوں کو پٹر مردہ نہیں دیکھا۔ جو ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھیں۔

تکالیف، پر مسکراہٹیں نچھاور کرنا تو گویا اُن کا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ اور بے خوف اتنے کہ فرائض کی بجا آوری کے لئے نتائج کی پروا کئے بغیر ہر مقام پر اور ماحول میں دشمنوں سے ٹکرانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ اور خاص طور پر عشقِ رسول ﷺ کے معاملے میں تو ان کے جذبات کی مثال اس دنیا میں ملنا ہی ناممکن ہے۔

پیری مریدی میں شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے

اپنوں، پرانیوں میں میں نے شاہ جی کا جو احترام دیکھا اُس کے پیش نظر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاست کی وادیوں میں قدم نہ ہی رکھتے تو پیری مریدی کے میدان میں وہ بڑی شاہانہ

زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور دنیاوی آسائشیں اور راحتیں اُن کا اوڑھنا بچھونا بن سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے فقر و درویشی کا ایسا شعار اختیار کیا جس پر دنیاوی تکلیفوں کے باوجود وہ زندگی بھر فخر کرتے رہے۔

صاف ستھرا علمی و ادبی ذوق

شاہ جی کی شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بے شمار صفات سے متصف کیا تھا۔ وہاں ایک صاف، ستھرے علمی و ادبی ذوق سے بھی اُن کے مزاج کی آراستگی کی تھی۔ نہ صرف وہ جملوں کی پیوستگی کو خوب سمجھتے تھے۔ بلکہ اشعار کی برجستگی سے بھی کما حقہ آشنا تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ خود شاہ جی نے مجھے سنایا تھا کہ سائنس کمیشن کے سلسلے میں آلہ آباد میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ پنڈت موتی لال نہرو نے شاہ جی کو اس اجلاس میں شرکت کے لئے بہ طور خاص بلوایا اور اپنے ہاں ٹھہرایا۔ رات کو جلے میں، بڑے بڑے راہنماؤں نے دھواں دار تقریریں کیں۔ پنڈت موتی لال نہرو نے سب مقررین کو اس لئے پہلے وقت دیا کہ وہ جانتے تھے کہ شاہ جی کی تقریر کی حدود تو سپیدہ سحر سے جا ملتی ہیں۔ اس لئے جب سب مقرر بول چکے تو شاہ جی کا نام پکارا گیا۔ اتنے میں سائنس کمیشن کے خلاف ایک احتجاجی جلوس بھی جلسہ گاہ میں آگیا۔ لوگوں نے سائنس کمیشن کی ارٹھی کندھوں پر اٹھا رکھی تھی۔ جسے دیکھتے ہی شاہ جی کو تقریر کا سر آغاز ہاتھ آگیا۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ اور ارٹھی کی طرف اشارہ کر کے اپنے مخصوص لب و لہجے میں بولے۔

ہوئے تم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا

نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ادھر الفاظ شاہ جی کے ہونٹوں سے جدا ہوئے ادھر موتی لال نہرو کرسی صدارت سے اچھل پڑے اور سامعین میں بھی بخاری زندہ باد کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔ بس پھر کیا تھا۔ اسی شعر کی اساس پر انہوں نے خطابت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ مجمع لوٹ پوٹ گیا۔ غالب کے اس ایک شعر نے وہ رنگ دکھایا کہ ایک نہایت مشکل مضمون کی باریکیاں حاضرین پر واضح ہو گئیں۔

وہ سائنس کمیشن کے بارے میں شاہ جی کے خیالات کو چند ہی لفظوں میں پوری طرح سمجھ گئے۔ وہ اپنی تقریر کے کسی ایسے موڑ پر برجستہ شعر استعمال کیا کرتے کہ محسوس ہوتا جیسے شعر اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ انہیں اردو۔ فارسی عربی اور پنجابی کے ان گنت اشعار از بر تھے۔ خطابت میں زبان اتنی فصیح و بلیغ ہوا کرتی کہ نثر پر بھی شاعری کا گمان ہوتا۔ بذلہ سنخ اور خوش گفتار ایسے کہ محض الفاظ کی لوٹ پلٹ گفتگو میں طنز و مزاح کے تیور اور نثریت کا اثر پیدا کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

مجسمہ اخلاق

اوصاف حمیدہ اخلاق عظیمہ کا مجسمہ تھے اپنی شخصیت کو ابھارنے کا خیال تک نہ لاتے تھے۔ ہمیشہ دوسروں کے محاسن کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کرتے۔ خود بینی سے احتراز فرماتے۔ اکثر کہا کرتے ”میں تو گندگی کا ڈھیر ہوں۔ اللہ میاں نے سفید چادر ڈال کر اور پر عطاء اللہ لکھ دیا ہے۔ ارے بھائی ہم دوسروں کے عیب کیا دیکھیں ہمیں تو اپنے عیبوں سے فرصت نہیں ملتی۔“

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا



مجموعہ کمالات

ماسٹر تاج الدین انصاری رقمطراز ہیں۔

پروردگار عالم نے ابن آدم کو عجیب عجیب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ مشیتِ خاک مجموعہ کمالات ہے۔ غور فرمائیے کہ انسان حافظے کی کمندیں ڈال کر اپنے ماضی کو کس آسانی سے حال کی جانب کھینچ لاتا ہے۔ تیس چالیس سال پہلے کے گذرے ہوئے واقعات آن واحد میں اس طرح سامنے آجاتے ہیں گویا ابھی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے آج سے قریباً چالیس سال قبل جب میں روزنامہ زمیندار کا مطالعہ کرتا تو ترکوں پر برطانیہ کے مظالم پڑھ کر مجھے دکھ ہوتا تھا۔ پھر رہ رہ کر یہ خیال بھی آتا تھا کہ اسی برطانیہ نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے اور اسی کے ہاتھوں آج ترکوں کی تباہی اور بے آبروئی ہو رہی ہے۔ پھر سوچتا کہ ہم بالکل بے بس ہیں اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ ایک دن مایوسی نا اُمیدی اور بے کسی کے خیالات میں گھرا ہوا گھر سے تھوڑی دور باہر چوک پر پہنچا تو میرے بچپن کے دوست میر محمد فیضی مجھے ملے۔ علیک سلیک کے بعد میر فیضی نے بتایا کہ وہ امرتسر سے آرہے ہیں۔

وہاں گذشتہ رات ایک جلسہ عام تھا۔ اس میں ایک نوجوان مولوی نے ایسی پیاری تقریر کی سبحان اللہ سبحان اللہ ایمان تازہ ہو گیا۔ پوچھا کیا نام تھا مولوی کا؟ میر فیضی نے جواب دیا۔ ”سید عطاء اللہ شاہ بخاری“۔ پھر کہنے لگا۔ مولوی کیا ہے فرشتہ ہے سید زادہ بڑا ہی خوبصورت نوجوان ہے۔ اللہ نے لکھن داؤدی عطا فرمایا ہے قرآن پڑھتا ہے تو سامعین پر وجد طاری ہوتا ہے بولتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں تقریر ایسی دل پذیر کہ دلوں میں اتر جاتی ہے۔ مجھے تو اب تک نشہ ہے امرتسر سے سرور ہو کر آیا ہوں۔“ اس ظالم نے بخاری کی باتیں سنا کر مجھے ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کیا جہاں طبیعتیں نیا راستہ تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

میں اپنے دوست سے حضرت شاہ صاحب کی تعریف سن کر سوچنے لگا کہ ایسی تقریر تو ضرور سننا چاہئے۔ میں امرتسر پہنچوں یا انہیں لدھیانے بلاؤں چنانچہ میر فیضی سے مشورہ کے بعد طے ہوا کہ شاہ صاحب کو لدھیانے بلا کر جلسہ عام کیا جائے۔ جلسہ کیسے ہوگا۔ انتظام کون کرے گا جلسہ کس جگہ کیا جائے؟ جوانی کے جوش نے کچھ سوچنے سمجھنے نہ دیا۔ دوسرے دن میر فیضی کو امرتسر روانہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ شاہ صاحب لدھیانے تشریف لانے کے لئے آمادہ

میر فیضی بڑے ذہین اور جوشیلے نوجوان تھے وہ امرتسر پہنچے اور شاہ صاحب سے دوسرے دن لدھیانے آنے کا وعدہ لے کر واپس آ گئے۔ پہلے جلسے کا اعلان بھی ہم نے خود ہی کیا گیس کے ہنڈے۔ فرش اور ٹھنڈے پانی کا بندوبست غرضیکہ جلسے کے لوازمات اور انتظامات سے فارغ ہو کر ہم نے دوستوں کو ہمراہ لیا اور شاہ صاحب کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ گاڑی لدھیانہ اسٹیشن پر آ کر رکی۔ میں تو شاہ صاحب کو پہچانتا تھا، فیضی نے انہیں دیکھا ہم سب لپک کر ان کے کمپارٹمنٹ کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ سڈول جسم کا خوبصورت نوجوان جس کی پیشانی شرافت، نجابت اور شجاعت کا پتہ دے رہی تھی نہایت سادہ لباس میں گاڑی سے مسکراتا ہوا پلیٹ فارم پر اترا۔ میں نے معزز مہمان کو غور سے دیکھا بھرپور جوانی کی خوبصورت آنکھوں میں مستی کے بجائے حیا کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ یہ تھے بخاری جن سے میر فیضی نے میرا تعارف کرایا۔ بخاری خراماں خراماں دوستوں، عقیدت مندوں اور اجنبیوں کے جھرمٹ میں ریلوے اسٹیشن سے باہر تشریف لائے۔ ہم انہیں گھوڑا گاڑی میں بٹھا کر میر فیضی کے مکان پر لے گئے۔ انہیں کمرے میں بٹھا کر میں نے اپنے دوست سے کہا۔ فیضی میرے دل پر سیدزادے کو دیکھ کر اتنا اثر ہوا ہے تقریر سنوں گا تو کیا ہوگا؟ فیضی نے ہنس کر کہا جلسے کے بعد دیکھنا کیا ہوتا ہے ہم نے شاہ صاحب کو کھانا کھلایا اور عشاء کی نماز کے لئے سامنے والی مسجد میں چلے آئے اور نماز سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ کی طرف چل دیئے!

لدھیانہ میں شاہ جی کا پہلا جلسہ

خلوص میں کتنی برکت ہے۔ ہمارے ساتھ کون تھا ہم نوجوانوں کی حیثیت ہی کیا تھی مگر لدھیانے میں پہلا جلسہ اس ٹھاٹھ کا ہوا کہ دریا کے کنارے کا بہت وسیع میدان ہندو اور مسلمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا لوگوں کے دلوں میں نیا نیا شوق اور جوش تھا وہ بخاری کی تقریر سننے کے لئے جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ جلسہ شروع ہوا۔ بخاری نے خطبہ مسنونہ پڑھا قرآن

پاک کی تلاوت شروع کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے آیات ابھی ابھی نازل ہو رہی ہیں مجمع سکوت طاری تھا۔

قرآن پاک کی تلاوت دل کی آلودگیوں کو صاف کر کے نور ایمان سے جگمگا رہی تھی سامعین پر وجد طاری تھا جلسہ گاہ میں مکمل سکوت تھا جب بخاری نے بولنا شروع کیا تو گویا لالہ زار کھل گیا اور جب اپنے خاص انداز اور ترنم سے بر محل شعر پڑھتے تو سامعین پھرک اٹھتے۔ سبحان اللہ اور جزاک اللہ کی صدائیں بلند ہوتیں۔ تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھتی۔ رات کے ایک بجے تک جلسہ جاری رہا۔

بخاری نے اپنی پہلی تقریر ہی سے اپنی دھاک بٹھادی۔ تحریک کے لئے میدان ہموار ہو گیا تھا تقریر بخاری نے کی مگر اپنے شہر میں ہمیں عقیدت اور محبت کی زنگاہوں سے دیکھا جانے لگا یعنی لکڑی کے ساتھ لوہا تیرنے لگا۔ ہزار ہا لوگوں کی زبانوں پر بخاری کا قصیدہ تھا۔ میرے ساتھیوں اور ہاتھ بٹانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ بہادر اور مخلص نوجوان میرے گرد جمع ہو گئے۔ شہر والوں نے پھر تقاضا کیا کہ بلاؤ بخاری کو۔ ہم نے دوبارہ درخواست کی جسے بخاری صاحب نے قبول فرمالیا۔ بخاری کی بار بار تشریف آوری سے ہمارے ہاں کے اکثر نوجوان صحیح رنگ میں رنگے جا چکے تو ایک روز جلسے کے اختتام پر وہ مجھے الگ لے گئے اور فرمانے لگے کہ لدھیانہ تو علماء کا زبردست تاریخی مرکز ہے۔ یہ دوسرا دیوبند ہے۔

تم مولوی حبیب الرحمن کو جانتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عرض کیا کہ ہم تو ایک ہی محلے کے رہنے والے ہیں بچپن میں ایک ساتھ کھیلتے رہے ہیں۔ بخاری نے فرمایا کہ پھر مجھے کیوں بلاتے ہو وہ تو بڑی خوبیوں کے مولوی ہیں خاندانی وجاہت کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے مقرر ہیں ان کا خاندان تو انگریز دشمنی میں نمبر ایک پر شمار ہوتا ہے۔ تم ان سے ملو۔ اب میں یہیں نہیں آؤں گا۔ تم ہر ہفتے مجھے لیتے ہو۔ مجھے امرتسر اور لاہور ہی میں کام کرنے دو۔

شاہ جی کی صحبت نے زندگی کا رخ بدل ڈالا

مگر مجھے چونکہ بخاری سے بے پناہ عقیدت اور غایت درجہ کی محبت تھی، میری درخواست پر وہ لدھیانے آہی جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے سیاسی میدان میں کھینچ کر لانے اور غلامی سے نفرت اور بیزاری پیدا کرنے میں انہی کا ہاتھ ہے ورنہ میں تو قطعاً دنیا دار اور کھلنڈرانو جوان تھا۔ شکار سے فرصت ملی تو کرکٹ کھیل کر دن ضائع کر دیا۔ بخاری کی محبت بھری ملاقاتوں نے میری زندگی کو یکسر بدل ڈالا آزادی وطن کے لئے قربانیوں کا جذبہ بخاری نے میرے دل میں اس طرح کوٹ کوٹ بھر دیا کہ مجھے حال کے درپے سے ماضی کو جھانکنے ہی کی فرصت نہ ملی۔ جیل۔ جس کے تصور سے دل کانپ اٹھتا تھا کو چہ محبوب بن گیا۔



www.ahlehaq.org

شاہ جی! کی خطیبانہ خصوصیات

جن لوگوں نے شاہ صاحب کی تقریروں اور خطبوں سے براہ راست استفادہ نہیں کیا، ان کے سامنے ان کے خطیبانہ کمالات کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے ہاں اگر دریا کی روانی کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ پھولوں کی نزاکت اور مہک سے آپ آشنا ہیں، آگ کے شعلوں کو آپ نے دیکھا ہے، اور کسی ایسے ذکار کو سنا ہے جو نغموں کے ساتھ ساتھ اثر سحر اور کیف و وجد کی کیفیات کو بھی سامعین کے دلوں میں اتروا سکتا ہو۔ تو آپ کو شاہ صاحب کی جامعیت تقریر کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

مگر ٹھہریے! ابھی نقشہ کے تمام رخ آپ کے سامنے نہیں آپائے۔ شاہ صاحب کی تقریروں میں شیر کی گرج، شاعر کے احساسات اور صوفی و عارف کے اخلاص و سرمستیوں کو بھی شامل کیجئے جب کہیں جا کر ان کی خطیبانہ خصوصیات فہم و فکر کی گرفت میں آسکیں گی۔ شروع سے زندگی کا جو نقشہ انہوں نے تجویز کیا اس سے منحرف ہوئے؟ اور جو خیالات و تصورات کو انہوں نے اپنایا۔ ان کی پوری پوری قیمت ادا کی یا نہیں؟ اس سے بھی زیادہ جو چیز ان کی شخصیت کو نکھارنے والی ہے وہ ان کی بے نظیر جرأت و بے باکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس جگر داری کے ساتھ انہوں نے انگریز سے ٹکر لی ہے، جس بہادری اور حوصلہ کے ساتھ انہوں نے قید و بند کی سختیوں کو جھیلا ہے اس کوئی مثال ان کے حریفوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔؟

شاہ جی کی عظمت کا راز ان کی عزیمت میں ہے ان کے ایثار میں ہے، ان کی درویشی

فقیر میں ہے، ان کے غنا اور بے نیازی میں ہے۔ ملک سے وفا شعاری میں ہے۔ اور راہ و رسم دوستی کی استواریوں میں ہے۔ شاہ جی اپنی ان خداداد قابلیتوں کے بل بوتے پر اگر پیری مریدی کا کاروبار اختیار کرتے تو لاکھوں ہاتھ بیعت کے لئے آگے بڑھتے اور اگر اپنی اس محبوبیت و شخصیت سے کوئی مالی فائدہ اٹھانا چاہتے تو سیم و زر کی کانیں ان کا خیر مقدم کرتیں۔

دنیا جانتی ہے شاہ صاحب نے یہ دونوں کام نہیں کئے کیا یہی ایک چیز ان کی عظمت کے لئے کافی نہیں؟ ایک اور پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ آزادی و حریت کی روشنی کسی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتی ہے۔ یا تخت و اورنگ کی بزم آریاں تنہا کسی ایک ہی شخص، یا جماعت کی کوششوں کی رہن منت ہوتی ہیں۔ روشنی کئی دروازوں سے صحن تک آتی ہے اور تخت و اورنگ کی بزم آریوں کے پیچھے کئی تاریخی عوامل ہوتے ہیں جو کارفرما ہوتے ہیں۔ اگر واقعات عالم و تاریخ کا یہ تجزیہ صحیح ہے تو پھر حصول پاکستان کی کامرانیوں کا انتساب ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں کی طرف ہوگا جنہوں نے براہ راست یا بالواسطہ۔ انگریزی استعمار کو ختم کرنے کی کوششیں ہیں۔ یا ہندو کی اجارہ دارانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ترتیب اشیاء کو اگر اس انداز سے دیکھئے تو حصول پاکستان کے ضمن میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا حصہ کسی طرح بھی کم اہم نظر نہیں آئے گا، اس لئے کہ:۔ انہوں نے اس وقت انگریز کے قلعہ اقتدار میں شکاف ڈالے۔ جب اس کے خلاف لب کشائی کی جرات کرنا آسان نہیں تھا۔ اس وقت سلطان جابر کے سامنے آزادی حریت کا کلمہ حق بلند کیا۔ جب اس کے طوق و سلاسل کی گراں قیمت ادا کرنا لازمی تھا۔

پاکیزہ نورانی صورت، نورانی سیرت کی ترجمان

شاہ جی کی پاکیزہ نورانی صورت ان کی پاکیزہ سیرت کی ترجمان تھی..... ان کا شگفتہ چہرہ ان کے کھلے ہوئے اور کھلے دل کا آئینہ تھا۔ ان کی رسیلی آواز، چمکدار آنکھوں سے ان کی طباعی اور ذہانت کا پردہ فاش ہوتا تھا اور ان کے بشرہ کی صفائی ان کے اخلاق کی صفائی اور طبیعت کی ستھرائی کا نشان تھی۔ جس کا ظہور ان کے مجلسی کام اور اجتماعی بیان بلکہ ان کی ایک ایک ادا اور ہیئت کدائی سے ہوتا تھا۔

بے نظیر خطابت، اسلامی مقاصد کی ترجمان

مرحوم کے چھوٹے چھوٹے فقرے طباعی اور ذہانت کے ساتھ بہت سی حقیقتیں اور دل کی صداقتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہوتے تھے۔ جن سے فہیم انسان دور تک پہنچ جاتا تھا۔ ان کی بے نظیر خطابت جہاں اسلامی مقاصد کی ترجمان تھی وہاں اسلامی مدافعت کے لئے مضبوط ترین سپر بھی تھی۔ جماعت احرار کے پلیٹ فارم سے انہوں نے قادیانیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کی مساعی انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہی تھیں۔ جماعت احرار کی قیادت کے زمانہ میں سید عطاء اللہ کے ہاتھ میں چمکدار تبر اور منہ میں دو دھاری زبان اور باطن میں جوار قلب تھا جس نے جماعت احرار کی قیادت کرتے ہوئے پنجاب سے قادیانیت کا جنازہ نکال دیا جو پھر نہ ابھرسکی، قادیانیت کا ابطال درحقیقت ختم نبوت کا اثبات تھا اور ختم نبوت عطاء اللہ کا ایمان اور ایمان کا بھی ختم تھا، جس سے ایمان کو نشو و نما ملتا ہے اس لئے انہیں قادیانیت کو نیچا دکھانے اور اسے زیر و زبر کر دینے کا ایک خاص شغف تھا۔ باطل ازم اور بھی ہیں لیکن قادیانیت ہمیشہ ان کی تلوار کی نوک پر رہتی تھی۔ کیونکہ اس کی زد اسلام کی اصلی جڑ بنیاد (ختم نبوت) پر تھی۔ سیاسی لائن میں انگریزی قوت کو توڑنے اور ملک کو آزاد کرانے میں ان کی خدمات نہ سرف یہ کہ کسی لیڈر سے کم نہ تھیں بلکہ عام سیاسی ایجنسیوں اور مقاومت مجہول کے اقدامات میں روح کا درجہ رکھتی ہیں۔ عطاء اللہ نے اپنی جوشیلی اور ہوشیلی تقریروں سے لاکھوں کے مجموعوں کو ہلا ہلا دیا اور برطانوی اقتدار کے ایوانوں میں زلزلے ڈال ڈال دیئے۔ عوام کے ٹھنڈے قلوب ان کی تقریروں سے آتشیں بن کر لوٹتے تھے اور ان کی امر وہہ والی تقریر جو جمعیت العلماء کے پلیٹ فارم پر ہوئی آج تک ضرب المثل کے طور پر یاد کی جاتی ہے جس نے جنگ آزادی کا ایک نیا موڑ پیدا کیا۔ پھر اردو پارک دہلی کی آتش فشاں تقریریں آج تک اس میدان میں گونج رہی ہیں جہاں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا شوکت علی مرحوم آرام فرما ہیں، اس وقت یہ لوگ بخاری کی تقریروں سے جذباتی روح پیدا کرتے تھے اور آج ان کی تقریروں کی گونج سے جو انہیں کے قیام گاہ پر ہمہ وقت موجزن ہیں عرفانی روح لے رہے ہیں۔

مولانا محمد علی مرحوم کراچی جیل میں محبوس تھے اور کراچی میں جمعیت العلماء کا اجلاس

مولانا آزاد صدارت میں ہوا اس وقت جمعیت کی مجلس تنظیمین میں حضرت شاہ جی کا پہلا چلبلا بن، تیزی طبع، کنوینگ کے لئے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر قلبی جذبات کے ساتھ دوڑ دھوپ کا نقشہ گویا آج تک آنکھوں میں ہے۔ اس وقت وہ خلاف معمول ”کھدر“ کا پتلون پہنے ہوئے تھے جو اس وقت کی لیڈر انہ فضا میں تو کھپ رہا تھا مگر شاہ صاحب پر اوپر معلوم ہوتا تھا اور غالباً بعد میں انہیں بھی اس کا اوپر اپن محسوس ہوا تو پھر کبھی ان پر دیکھنے میں نہیں آیا شاید یہ بار اس پتلون کے لئے پہلی بار ہی تھی اور آخری بار بھی، پھر ہمیشہ انہیں لنگی یا شلوار ہی میں دیکھا گیا اور وہی انہیں زیب بھی دیتی تھی۔

انقلاب سے پہلے جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کے ایک جلسہ میں میں نے تقریر کرتے ہوئے قطبی کی کوئی مثال پیش کی تھی تو مجھے یاد ہے کہ شاہ صاحب نے قطبی سے قطبیت کے مقام کا ذکر چھیڑ کر اقطاب امت کا تذکرہ شروع کیا اور دریا کی طرح تقریر رواں ہو گئی۔ ان کی تقریروں میں بار بار ایسا ہوا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد خطابت کے اسٹیج پر کھڑے ہوئے خود بھی تقریر میں محو ہو گئے اور سامعین کو بھی از خود وارفتہ کر دیا یعنی عطاء اللہ شاہ بخاری تو اپنے اندر گم ہو گئے اور سامعین ان کی تقریر میں گم ہو گئے، ہاں آئندہ اس گم گشتگی کو صبح کی اذانوں نے چونکایا کہ رات ختم ہو چکی ہے اور صبح صادق نمودار ہو گئی ہے، نہ سامعین کو رات کی خبر ہوئی، کہ کہاں گئی نہ تنظیمین جلسہ کو پتہ چلا کہ وقت کہاں سے کہاں پہنچا اور خطیب کے ہوش میں رہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

حسن صورت، حسن صوت، حسن طبیعت

حسن صورت کے ساتھ عطاء اللہ کو خدا نے حسن صوت کی دولت بھی عطا فرمائی تھی وہ جب قرآن حکیم کی آیتیں تلاوت کرتے تو ان کے نغمہ قرآنی سے قلوب کھینچ کر گویا باہر آ جاتے تھے آواز گونج دار ہونے کے ساتھ بلند بھی تھی اس لئے لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی صورت میں بھی ہجوم و اجتماع کی آخری صف اول ہی کی طرح لذت سماع سے بہرہ یاب ہوتی تھیں۔ اثناء تقریر میں موقعہ بموقعہ اشعار کا ترنم باغ و بہار ہوتا تھا۔ موزون صورت اور موزوں صوت کے ساتھ طبیعت کے غیر موزوں ہونے کے کوئی معنی نہ تھے طبیعت بھی اتنی ہی حسین تھی جتنی صورت و سیرت اور صوت و مدوح موزونیت طبع سے کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ بالخصوص

فارسی کا کلام دلکش ہوتا تھا جس کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ان بے علم خطباء میں سے نہ تھے جن کی خطابت میں علم نہ ہو، یا محض لفاظی ہی ان کی خطابت کا مادہ ہو بلکہ باضابطہ درس نظامی پر مشکوٰۃ شریف تک عبور کئے ہوئے تھے۔ تعلیم و تعلم کے کوچہ سے نا آشنا نہ تھے۔ قدرت کو ان سے خطابت کا اور خطابت کے راستہ سے اسلام کا کام لینا تھا جو تعلیم و تعلم کے راستہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ اگر وہ ادھر لگ جاتے تو اس میں لگ جانے کی بھی ان میں صلاحیتیں تھیں۔ مگر دین کی خدمت تعلیم و تعلم میں منحصر نہیں جس راہ سے ان سے کام لیا جانا طے شدہ تھا وہ خطابت کی راہ تھی تو اس کا ان میں میلان پیدا کر دیا گیا۔

تاہم علمی قوتیں بھی ان میں موجود تھیں اور موجزن رہتی تھیں۔ اس لئے وہ علم کے کوچے سے نابلد نہ تھے۔ قرآن کریم کے مضامین پر بہت خاصا عبور تھا اور اس کے حقائق و اشکاف کرنے کا خاص سلیقہ اور ملکہ تھا جس نے من بھر علم کو وہ من کر کے دکھلادیا تھا۔

بہر حال سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، عالم، عارف، خطیب، شاعر، زعمیم، قائد اور درویش صفت انسان تھے جن میں قدرت نے بہت سی خوبیاں ودیعت کی تھیں، وہ دنیا سے کیا گئے کہ بہت سی خوبیاں رخصت ہو گئیں۔



جواہر خطابت

مدح صحابہؓ کے لئے یہ زبان کھلتی تو دلوں پر نقش ہو جاتی، ”میرے غیرت مند بھائیو ایسا نہ ہو کہ تم تلوار اٹھاؤ صحابہ کرام پر اور گھر برباد ہو جائے محمد رسول اللہؐ کا۔ یاد رکھو! صحابہ کرامؓ دیکھتے وقت دامن نبوت اور عصمت نبوت کو بھی دیکھ لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ صحابہ کے دامن پر حملہ کرتے وقت دامن نبوت تار تار کر دیا جائے۔“

”میں بخاری ہوں، مودودی نہیں ہوں، آج وہ کہتا ہے کہ میں تحریک ختم نبوت میں شامل نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں شامل تھا۔ اگر مودودی شامل نہیں تھا تو میں ان سے حلفیہ بیان کا

مطالبہ نہیں کرتا، صرف یہ مطالبہ کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے لڑکوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر اعلان کر دیں، سچ جھوٹ سامنے آجائے گا۔ مودودی صاحب تحریک کی ذمہ داری سے ہزار دامن بچائیں۔ لیکن میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ میں تحریک میں شامل تھا۔ جو شامل تھا اس نے سال کاٹی۔ جب میں رہا ہوا تو جیل کی ڈیوڑھی پر آکر کہا کہ جنہوں نے تقریریں کیں وہ رہا ہوئے جنہوں نے سر ہلایا وہ پھنسے رہے کیا یہی ہے دیانت کہ ہزاروں کو مردا کر کہا جائے کہ میں شامل نہیں تھا؟ ارے تم سے تو کافر گلیسکو ہی اچھا تھا، جس نے زہر کا پیالہ پی لیا تھا۔

دلوں کا حکمران

آج خطیب اعظم کی یہ زبان ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی تھی۔ جس شیر نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے عروج و زوال کا..... دیکھا جہاں حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی اور شاہ رکن عالم جیسی ہستیاں جلو افروز ہوئیں۔ آج اس سر زمین پر ایسا شخص دفن ہو رہا تھا جس نے اپنی خطابت، حاضر دماغی، برجستگی بذلہ سخی اور قرآن خوانی کی بدولت کروڑوں دلوں پر حکمرانی کی تھی۔ جس نے برطانوی سامراج کو لاکارا۔ جرم حریت کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جو شہر شہر قریہ قریہ گاؤں گاؤں غلام قوم کو نغمہ آزادی سناتا رہا۔ جنہوں نے شاتمِ رسول راج پال کا تعاقب کیا اور علم الدین باعزت نو جوان پیدا کئے۔ آج وہ جسد پیوند خاک ہو رہا تھا۔ ملتان کے حکام نے تاریخی قلعہ میں مرقدہ کے لئے جگہ پیش کش کی۔ شاہ جی زندگی بھر کبھی سرکار کے زیر بار احسان نہ ہوئے تھے۔ لہذا اور ثنائے قبول نہ کیا۔

لوگ دھاڑیں مار مار کر رورہے تھے۔ اللہ اللہ کیسی کیسی شخصیتیں پیوند زمین ہو گئیں۔ غالب نے ایسے ہی موقع پر کہا تھا کہ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لیئم

تو نے وہ گنج ہائے گرانما یہ کیا کئے!

لیلیٰ کے باپ کی خیر

● البصار فکری لکھتے ہیں:

۱۹۵۱ء کے الیکشنوں میں مجلس احرار اسلام نے نہایت جوش و خروش سے اور ہر اُس حلقہ میں زور شور سے کام کیا جہاں مرزائی امیدوار حصہ لے رہے تھے۔ مسلم لیگ نے جناب لیاقت علی خانؒ و مغفور کی رہنمائی میں بھی الیکشن کی مہم میں زندگی بھر دی تھی۔ اور مجلس احرار کے اس موقف سے مسلم لیگ کے ارباب اقتدار خوش تھے اور کئی ایسے حلقوں میں حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی معیت میں کام کر رہے تھے۔ قاضی جی!، مولانا محمد علیؒ نے جس ہمت اور خلوص سے کام کیا اس کے سبب ہی ان مخصوص قادیانی امیدوار کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ امیدوار ظفر وال، چک جھمرہ، سمبڑیال کے دیہاتی حلقہ پرور سے حصہ لے رہے تھے۔

الیکشن کے نتائج میں ہر محاذ پر قادیانیوں کو شکست ہوئی۔ اور مجلس احرار اسلام نے یوم تشکر منانے کے لئے بیرون دہلی دروازہ عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ ایک سیشن حضرت لاہوریؒ کی زیر صدارت بعد از نمازِ عشاء منعقد ہوا۔ جس میں حضرت امیر شریعتؒ اور علامہ علاؤ الدین صدیقی کی تقاریر ہوئیں۔ شاہ جیؒ قادیانی امیدواروں کی شکست سے از حد خوش تھے۔ اور اسی خوشگوار جذبہ سے انہوں نے یادگار تقریر فرمائی کہنے لگے!

”تمہیں ایک بات بتادوں کہ ہندوستان کے معاملے میں قادیانی ہمیشہ

مجنوں کا کردار ادا کریں گے۔“

اس کے ساتھ تشریحی طور پر قصہ بیان کیا کہ مجنوں اپنی بستی والوں کو آرام نہیں کرنے دیتا تھا۔ اور ہر وقت جنونی حالت میں لیلیٰ لیلیٰ (استعاراً فرمایا کہ قادیان قادیان) پکارتا رہتا تھا۔ لوگوں کو نہ رات کو سونے دیتا تھا اور نہ دن کو کام کرنے دیتا تھا۔ ہر وقت بس لیلیٰ لیلیٰ کی رٹ لگاتا رہتا تھا لوگ بہت تنگ آ گئے۔ آخر اُس بستی کے معززین اکٹھے ہوئے اور اس مسئلہ کے حل کے لئے سوچنے لگے انہوں نے خیال کیا کہ لیلیٰ کا باپ آخر اپنی دختر کو کہیں نہ کہیں بیاہ دے گا ادھر قیس اس کا عاشق زار ہے۔ کیوں نہ لیلیٰ کے باپ کے پاس جا کر قیس کے لئے اس

کی دختر لیلیٰ کا رشتہ طلب کیا جائے۔ اس تجویز کو سب نے قبول کیا۔ اور چند نمائندے قیس کو لیکر لیلیٰ کے باپ کے ہاں پہنچے۔ مردِ قلندر نے اپنی خوب صورت لٹوں کو جھٹکاتے ہوئے، لوگوں کو ہنساتے ہوئے رلاتے ہوئے آگے فرمایا!

”لیلیٰ کے باپ نے مہمانوں کی دن رات بہت خدمت کی (استعاراً فرمایا کہ قادیان میں ۳۱۳ موجود ہیں) اور ۴/۵ روز کے بعد لیلیٰ کے باپ نے مہمانوں سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا۔ تو معززین نے کہا کہ ”ہم آپ کی دختر لیلیٰ کے رشتہ کے لئے حاضر ہوئے ہیں..... قیس اس کا عاشق زار ہے اور دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں.....“ اتنا کہا تھا لیلیٰ کا باپ غصے میں آگیا کہنے لگا۔ ”اس پاگل کے لئے میری لڑکی کا رشتہ..... مجھے ہرگز منظور نہیں..... اس پر بات بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ دونوں گروہوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے..... (شاہ جیؒ نے اس مرحلہ پر نہایت بلند اور رقت آمیز آواز میں فرمایا) کہ دونوں گروہوں کی لڑائی چھڑتے ہی مجنوں الگ ہو گیا۔ اور پرے ہٹ کر دُعا کرنے لگا یا اللہ لیلیٰ کے باپ کی خیر، لیلیٰ کے باپ کی خیر شاہ جیؒ! نے مجنوں کی یہ دُعا لیلیٰ کے باپ کی خیر کئی بار اپنے مخصوص انداز میں سنائی تو حاضرین بات سمجھ گئے اور فضا ”پاکستان زندہ باد“ ”اللہ اکبر“ ”امیر شریعت زندہ باد“ کے نعروں سے گونج اٹھی..... مردِ قلندر نے فرمایا:

”مجنوں گیا تو اپنے گاؤں والوں کے ساتھ وہاں جا کر لیلیٰ کے باپ کے

ساتھ مل گیا اور اپنی بستی والوں کے دشمنوں کی خیر مانگنے لگ گیا۔“

سنو! شاہ جیؒ! نے فقیرانہ وار رنگ دی ”کہ اگر تم نے قادیانیوں کو اقلیت قرار نہ دیا تو ہندوستان کے ساتھ ہر معاملے میں یہ مجنوں کا پارٹ ادا کریں گے۔

”لولاک“ لائل پور ۲۸ دسمبر ۱۹۷۱ء



ساری زندگی علماء کی پکڑیاں سنبھالتے ہوئے گزاری

● شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی لکھتے ہیں:

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے چند ماہ قبل غالباً جہلم میں ایک جلسہ پر حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں راقم الحروف بھی شریک تھا۔ علامہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو حضرت شاہ صاحب کا ذکر چھڑ گیا علامہ صاحب نے فرمایا چند دن ہوئے میں عیادت کے لئے ملتان گیا۔ تو شاہ صاحب جیسے ”شیر نستان“ کو عاجز و بے بس بستر علالت پر دیکھ کر جی بھر آیا، میں نے کہا شاہ صاحب خدا آپ کو زندگی اور صحت عطا فرمائے آپ نے بہت کام کیا اور ابھی آپ کی ضرورت ہے۔ تو فرمانے لگے، مولانا میں کس قابل تھا کہ کچھ کام کر سکتا۔ ہاں البتہ ساری عمر علماء حق کی پکڑیاں سنبھالنے میں گزاری، شاید یہی ذریعہ نجات ہو جائے یہ بھی محض اس کا فضل و کرم ہوگا۔

علامہ صاحب نے شاہ صاحب کا یہ فقرہ دہرایا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر فرمایا یہ بھی ان کی انکساری کی شان ہے کہ باوجود اس کے کہ ساری عمر جہاد میں گزار دی۔ مگر اس کا اظہار تک گوارا نہیں کیا۔

علماء سے مال لے کر چھا بڑی میں رکھ کر صدا گاتا ہوں

مولانا عبد المجید صاحب انور ساہیوال فرماتے ہیں:

کہ حضرت شاہ صاحب کی وفات سے قریباً ایک سال قبل ملتان میں مدرسہ قاسم العلوم کا سالانہ جلسہ تھا۔ استاذ محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب ”شاہ جی“ کی عیادت کے لئے

تشریف لے چلے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ مکان پر پہنچے تو بیٹھک میں تشریف فرما تھے پاس ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور دیگر احباب بیٹھے تھے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا کو بیٹھک میں قدم رکھتے دیکھا تو معاً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ چہرہ پر خوشی کے آثار پیدا ہو گئے۔ فرمانے لگے حضرت آج کئی دن کے بعد اٹھ کر کھڑا ہوا ہوں، یہ آپ کی برکت معلوم ہو رہی ہے۔ ورنہ گھٹنے تو جواب دے چکے ہیں۔ پھر وجد کی کیفیت میں مولانا سے مخاطب ہو کر یہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھنے لگے۔

صدرا بہ تو حاجت است چوں من صدرا
بدرا، بہ تو رونق است نیک و بدرا
از دیدان تو قامت من راست شد
چوں است کنی بلند قدرا قدرا

مولانا عبدالمجید صاحب انور ہی فرماتے ہیں:

شرکائے مجلس میں سے کسی نے حضرت مولانا بنوری صاحبؒ کے درس قرآن کا ذکر کیا جو اسی صبح مدرسہ قاسم العلوم میں ہوا تھا۔ شاہ جی فرمانے لگے مجھے پتہ دیا ہوتا تو گرتا پڑتا حاضر ہو جاتا۔ آخر میں بھی تو چھابڑی فروش ہوں جب تک زندگی کی رمت باقی ہے یہ دھندا بھی باقی ہے۔ ان ہی حضرات کے ہاں سے مال حاصل کر کے اپنی چھابڑی میں رکھ کر صدا لگالیتا ہوں۔

مدارس دینیہ دین کی حفاظت کے قلعے ہیں

مولانا عبدالمجید صاحب نے ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ شاہ جی مدرسہ خیر المدارس میں تشریف لائے شاہ جی کو اچانک دیکھ کر طلباء کا ہجوم گرد ہو گیا۔ شاہ جی بھی طلباء سے بڑی محبت اور شفقت سے باتیں کرتے رہے پھر مدرسہ کے احاطہ کی طرف نگاہ دوڑائی اور فرمایا مدارس دینیہ دین کی حفاظت کے قلعے ہیں۔ ان کی بقا سے دین کی بقا ہے۔ پھر طلباء سے مخاطب ہو کر ایک کیفیت میں یہ اشعار پڑھے۔

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است

عالم نہ بود ویراں تا میکده آباد است
تادل کہ توای برون تا جاں کے تواند داد
دل برون دجاں دادن این ہر دو خدا داد است

گھی لے کر پہنچو جوتے تیار ہیں

مولانا محمد احمد (موضع میاں علی ڈوگراں) ضلع شیخوپورہ نے بتایا ہم ایک دفعہ شاہ جی کی خدمت میں ملتان حاضر ہوئے وہاں ایک شخص کا ملتان جوتا (کھسہ) بہت پسند آیا شاہ جی نے فرمایا ایسے جوتے بنانے والا ہمارے قریب ہی رہتا ہے۔ ہماری خواہش پر شاہ جی نے اسے بلوا بھیجا ہم نے پاؤں کا ناپ دیا، دوسرے دن جب واپس ہونے لگے تو ہم نے عرض کیا شاہ جی آج کل خالص گھی ملنا دشوار ہے۔ ہم آپ کے لئے جب آئے تو کچھ گھر کا گھی لیتے آئیں گے۔ شاہ صاحب نے منظور کر لیا کچھ دنوں کے بعد شاہ جی کا خط ملا۔

عزیزم مولوی محمد احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

”گھی لے کر پہنچو، جوتے تیار ہیں۔“

والسلام

عطاء اللہ بخاری

جگر پر چوٹ لگائی کہ آنکھیں کھل گئیں

قاری سید غلام رسول شاہ صاحب میانوالی، فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت مدنی اور حضرت شاہ صاحب میانوالی تشریف لائے، صبح ناشتہ پر شاہ جی نے حضرت مدنی سے کہا۔ حضرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ نماز میں جو ایک خاص لذت ہوتی ہے اس سے محرومی ہو جاتی ہے جیسے آج تہجد کے نوافل میں کچھ مزا نہیں آیا۔ حضرت مدنی نے فرمایا دعویٰ عبودیت کے بعد بھی مزے کی تلاش ہے، عبد کا کام یہ

ہے کہ معبود کی عبادت کرتا رہے مزا آئے یا نہ آئے، عبدیت اسے نہیں کہتے کہ مزا آئے تو عبادت کرے نہ آئے تو عبادت نہ کرے یہ عبادت تو نہ ہوئی مزے کی بات ہوئی۔ شاہ صاحبؒ بے اختیار رونے لگے اور فرمایا حضرت! جگر پر وہ چوٹ لگائی کہ آنکھیں کھل گئیں۔

حکماً کوئی چیز منگوا کر پیسے نہ دینا کمینگی ہے

بابو بشیر احمد صاحب چوہان (لاہور) نے بتایا:

کہ میں شاہ جیؒ کی عیادت کے لئے ملتان گیا جب عادت خوشی سے ملے چائے پلائی، کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ اچھا شاہ جیؒ میں ذرا گھوم پھر آؤں کچھ اشیاء خرید لوں فرمایا بازار جا رہے ہو تو میرے لئے ایک جوڑا جراب لیتے آنا ذرا مضبوط ہو۔ میں بہت خوش ہوا کہ زندگی میں پہلی دفعہ شاہ جیؒ نے فرمائش کی، واپسی پر جرابیں لا کر پیش کر دیں شاہ جیؒ نے پسند فرمائیں پوچھا کتنے کی آئی ہیں میں نے عرض کیا حضرت آپ پیسے رہنے دیں۔ لیکن شاہ صاحبؒ مصر ہوئے اور فرمایا تم پیسے بتاؤ میں تمہیں ایک قیمتی بات بتاؤں گا، میں نے ناچار قیمت بتادی۔ آپ نے وہ قیمت میری جیب میں ڈال کر فرمایا اب سنو! جس کے پاس کوئی ہدیہ لائے اور وہ شخص ہدیہ رکھ کر پھر اس کی قیمت اسے ادا کرے وہ بھی بڑا کمینہ ہے اور جو شخص کسی سے کہہ کر اپنے لئے کوئی چیز منگوائے اور پھر اس کی قیمت ادا نہ کرے وہ بھی بڑا کمینہ ہے۔

باسی روٹی اور ساگ

مولوی غلام محمد صاحب مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے ہیں:

کہ ایک دفعہ خوشاب میں جلسہ پر حضرت شاہ صاحب تشریف لائے اور ایک غریب کارکن کی خواہش پر اس کے ہاں قیام کیا جب صبح ناشتہ کا وقت تھا تو اسے بلا کر فرمایا یا مدت ہوئی رات کی باسی روٹی اور ساگ کا لطف نہیں لیا آج وہی کھلاؤ لطف آجائے گا۔ میری بیٹی سے کہو ساگ بنا کر کھلائے میزبان نے ایسا ہی کیا جب کھانا آیا شاہ جیؒ ہر لقمے پر تعریف کرتے فرماتے کیا مزیدار ساگ ہے بھی مزا آ گیا بڑی مدت کے بعد یہ نعمت حاصل ہوئی اللہ میری بیٹی کو خوش رکھے میزبان تعریف اور دعائیں سن کر پھولا نہیں سماتا تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ

شاہ جی نے اس کے حسب حال فرمائش کر کے اس کو زیر باری اور تکلیف سے بچالیا۔

میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا بے تو میری ٹور ویکھنی

مولانا مقبول احمد صاحب (جامعہ رشیدیہ منٹگمری) فرماتے ہیں:

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور ادھر حضرت امیر شریعت بھی باوجود بیماری کے اپنے مرشد حضرت رائے پوری کی ملاقات کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ ان دنوں جمال عبدالناصر نے شدید جنگ کے بعد فرانس اور برطانیہ سے نہر سویز واپس لے لی تھی اور ان کو ذلت کے ساتھ وہاں سے فرار ہونا پڑا تھا۔ انگریز کی اس شکست فاش پر شاہ جی بڑے خوش تھے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت دین پوری سے فرمانے لگے حضرت دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے ایک دفعہ پھر بولنے کی قوت عطا فرمادیں تو میں اپنے وطن والوں کو بتاؤں کہ اہل مصر نے کس طرح ذلیل کر کے فرنگیوں کو نہر سویز سے بے دخل کر دیا۔

ایک دفعہ ان کی ذلت و خواری کا نقشہ کھینچ کر دکھاؤں کہ میرے اللہ نے انہیں کس طرح خاسر و رسوا کیا۔ پھر حضرت مرشد کا گھٹنا تھام کر ایک عجیب کیفیت میں فرمایا حضرت جی میری قوت گویائی کے لئے دعا فرمائیں پھر دیکھئے اور جھوم جھوم کر پنجابی کا یہ مصرع دہرانے لگے ”میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا دے بے توں میری ٹور ویکھنی۔ حضرت جی میری گھگھری نوں گھنگھر ولوا دے بے توں میری ٹور ویکھنی (یعنی) اگر یہ دیکھنا ہو کہ میں کیسی بانگی تال پر چلتی ہوں تو میرے لہنگے کو گھنگھر و لگوا دو۔“

احسان دانش کی ایک غزل پر سر دھنتے رہے

تقسیم سے قبل ہندو مسلم فسادات کا دور دورہ تھا، شاہ جی لاہور دلی دروازے مجلس احرار اسلام کے دفتر میں تھے راقم الحروف بھی دفتر گیا شاہ جی سے ملا تو فرمایا آؤ بھائی گیلانی آج تمہارے استاذ یعنی (حضرت احسان دانش) کی غزل نے بڑا مزادیا واہ بھئی واہ، واقعی استاذ ہیں پھر وہ روز نامہ سامنے پڑا تھا جس کے سرورق پر وہ غزل تھی بڑے مزے سے پڑھ کر سنائی ہر شعر پر سر دھنتے اور داد دیتے۔

وہ شاخ گل پہ زم زموں کی دھن تراشتے رہے

نشینوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک

وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

نفس نفس پہ رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں

جدھر جدھر سے وہ شفیع عاصیاں گذر گیا

ان اشعار کو خصوصاً کئی کئی بار پڑھا، باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک کسی ضروری کام

کے لئے شاہ جی کو اٹھ کر دوسرے کمرے میں جانا پڑا میں موقع پا کر جلدی سے مکتبہ دانش سے

احسان دانش صاحب کو ساتھ لے کر دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ شاہ صاحب اندروالے کمرے کے

دروازے کی چوکھٹ میں کھڑے ہیں دونوں ہاتھوں سے اوپر والی چوکھٹ کو تھامے بار بار یہ شعر

پڑھ رہے ہیں۔

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک

وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

ہم ایک دو منٹ خاموشی سے کھڑے رہے پھر احسان صاحب نے بلند آواز سے

السلام علیکم کہا، شاہ جی فوراً پلٹے اور علیکم السلام کہہ کر حضرت احسان سے لپٹ گئے اور میری

طرف دیکھ کر فرمایا اچھا ستارہ سحر کو بھی لے ہی آیا۔ بھی تم احسان کو لے آئے مجھ پر احسان

کیا، اب کچھ وقت خوب گذرے گا پھر کافی دیر تک احسان صاحب سے کلام سنتے رہے۔ اور

والہانہ داد دیتے رہے۔

حضرت شرق پوریؒ کی خدمت میں

راقم الحروف کو ایک دفعہ شاہ جیؒ نے حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرق

پوری سے ملاقات کا واقعہ سنایا۔

فرمایا ایک روز میں شیخ حسام الدین صاحب اور غازی عبدالرحمن صاحب ایڈوکیٹ امرتسری شرق پور حضرت میاں صاحب کی زیارت کو گئے ملاقات ہوئی تو پوچھا کیسے آئے، غازی صاحب نے کہا زیارت کے لئے، تو اس پر سخت ناراض ہوئے پھر ایک اور ملنے والے شخص نے ”پیر جی“ کہہ کر مخاطب کیا تو ان سے بھی سخت ناراض ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے میں نے ایک شخص سے پوچھا حضرت اب کب تشریف لائیں گے تو اس نے کہا پتہ نہیں، میں نے یہ سن کر کہا ابھی آئیں گے اور انشاء اللہ ضرور آئیں گے۔ یہ کہہ کر میں نے توجہ دی تو میاں صاحب فوراً تشریف لے آئے اور آتے ہی میرے زانو کے ساتھ زانو ملا کر بیٹھ گئے اور پھر پوچھا کیسے آئے ہو میں نے کہا کہ اگر، پھر یہی عرض کیا کہ زیارت کو تو آپ ناراض ہوں گے، مگر میاں صاحب نے بڑی نرمی کے لہجہ میں فرمایا نہیں، اب نہیں ہوں گا۔

شاہ جی فرماتے ہیں میں نے پھر کہا کہ صفائی قلب کے لئے حاضر ہوا ہوں میاں صاحب نے میرا نام پوچھا میں نے کہا عطاء اللہ سن کر یک دم وجد میں آ گئے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے مستی کے عالم میں بیسیوں دفعہ فرمایا ”بڑا نام ہے“ ”بڑا نام ہے“ پھر کچھ دیر کے لئے مراقبہ میں چلے گئے۔ پھر میں نے کہا حضرت یہاں تو اس جھٹکے کی ضرورت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا میں ”اکفر الناس“ ہوں، یہ دل بڑا کافر ہے اسے ویسا ہی جھٹکا دیں تو بات بنے گی۔ حضرت میاں صاحب پھر مراقبہ میں چلے گئے کچھ دیر کے بعد سر کو اٹھا کر فرمایا میرے بس میں ہوتا تو ایسا ٹھیک کرتا کہ دنیا دیکھتی، مگر ہائے میرے بس میں نہیں۔ بالآخر ہم اجازت لے کر واپس ہوئے ایک دفعہ راقم الحروف ملتان شاہ جی کی خدمت میں بیٹھا تھا ایک شخص نے دعا کے لئے درخواست کی، فرمایا میں خود ایک عرصہ سے بیمار ہوں اگر میری دعا سے کام بنتا تو اپنے لئے کر چکا ہوتا۔ اس کے اصرار پر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے ”رَبِّ اغْفِرْ لِي“ تم بھی یہی دعا کیا کرو پھر تشریح فرمانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ”رَبِّ اغْفِرْ لِي“ جب کہتے تو اس کا کیا مطلب ہوتا تھا۔ فرمایا ”غفر“ کا مطلب ہے پردہ یا ڈھانپنا تو میاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ”رَبِّ اغْفِرْ لِي“ کے معنی یہ تھے کہ میرے اور گناہوں کے درمیان پردہ ڈال دے نبی معصوم ہوتے ہیں اس لئے وہاں گناہ کا تصور تک ناگوار

ہے، اس لئے اپنے اور گناہوں کے درمیان پردہ ڈال دینے کی التجا ہے اور ہمارے لئے ”رب اغفر لی“ کے معنی ہیں جو گناہ ہو چکے ان کو ڈھانپ دے ان پر پردہ ڈال دے یعنی معاف کر دے۔ انبیاء کا مقام اور ہے ”معصومیت“ وہاں اس کے معنی بھی اور ہیں۔ ہمارا مقام اور ہے لہذا مغفرت کے معنی اور ہیں۔

زندوں اور مردوں کے درمیان سفارت کار

● ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز مدیر ”ایشیا“ لکھتے ہیں:

ایک روز کا ذکر ہے کہ مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ (حضرت شیخ الہندؒ) کے انتقال کے غم انگیز سانحے کی اطلاع سے گجرات کے درودیوار پر غم اور افسردگی کی تاریکی چھا گئی۔ اعلان ہوا کہ شہر کے باہر آزاد ہائی اسکول کی مسجد میں فاتحہ خوانی کے لئے مسلمان جمع ہوں، وہاں میں بھی تھا۔ قرآن خوانی کے بعد یکا یک ایک صاحب مجمع میں کھڑے ہو گئے، چھریہ بدن، نوجوان، سر پر کھدر کی پگڑی، خلافتی کرتہ، کندھے پر رومال، ہاتھ میں ڈنڈا، روشن آنکھیں، چھوٹی سی داڑھی، وہ پاٹ دار آواز میں خطبہ پڑھنے لگے خطبے کے ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے کو تکرار کے ساتھ اس خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کہ تمام مجمع پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی، میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ یہ لحن اور قرآن پڑھنے کا یہ انداز دیکھا تھا، قاری نے لوگوں سے کہا کہ آپ نے جتنا قرآن مجید پڑھا ہے کیا مجھے اجازت ہے کہ اسے مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی روح پاک تک پہنچانے کے لئے اللہ پاک سے دعا کروں لوگوں نے خوشی سے یہ خدمت سپرد کی۔

میں نے پاس کے ایک دوست سے پوچھا یہ کون ہیں جو زندوں اور فوت شدوں کے مابین سفارت کے فرائض ادا کر رہے ہیں جواب ملا یہی تو ہے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، میں نے کہا خوب!

مولانا عزیز ہی آگے چل کر فرماتے ہیں:

عجیب بات یہ ہے کہ شاہ جی کو اپنے کمال فن پر ناز ہے نہ فخر نہ غرور غالباً ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے میں فیروز آباد ضلع آگرہ سے بمبور آ رہا تھا گجروں کے اسٹیشن پر گاڑی بدلتی پڑتی تھی۔ میں اپنا سامان دوسری گاڑی میں رکھوا کر کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا کہ کچھ فاصلے پر ایک ”دغا

روڑا، نظر پڑا جو خاکی شلوار اور کتھی کرتا پہنے سر پر پٹکا لپیٹے سامان سے لدا پھندا چلا آرہا ہے۔ ایک ہاتھ میں جستی چادر کا سوٹ کیس اسی بغل میں بستر دوسرے میں لوٹا اور لمبے دستے کی کلہاڑی میں حیران تھا کہ یو۔ پی کے اس نواح میں یہ پٹھان کہاں سے آگیا۔ قریب آیا تو معلوم ہوا حضرت شاہ صاحبؒ ہیں علیک سلیک مصافحے اور معافے کے بعد میں نے کہا شاہ جیؒ بجنور کے لوگ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں فوراً فرمایا مجھے کون یاد کرتا ہے پھر گول مول سرخ اور نوکدار زبان دکھا کر فرمایا سب اس کم بخت کو یاد کرتے ہیں میں اس باکمال محبوب اور سحر انگیز واعظ کے اس فقرے سے متاثر بھی ہوا اور افسردہ بھی، شاہ صاحبؒ کے انکسار سے اور افسردہ قوم کی بد مذاقی کے باعث.....

سکھوں کے گوردوارے میں قرآن سنایا

مولانا عبداللطیف صاحب خطیب جامع مسجد گنبد والی (جہلم) فرماتے ہیں:

کہ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو کٹھیالہ سیداں، منڈی بہاؤ الدین کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں وعظ کے لئے بلوایا، جلسہ سے قبل ہی جلال پور کے پیر فضل شاہ صاحب نے لوگوں کو اکسایا کہ یہاں وہابی کا وعظ مت ہونے دو، بخاری وہابی ہے وہ آرہا ہے لوگوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالے گا۔ لہذا کچھ بھی ہو جائے اس کا وعظ مت ہونے دو۔ لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔

جس تاریخ کو وعظ ہونا تھا شاہ صاحبؒ حسب وعدہ منڈی بہاؤ الدین اترے تو اس وقت تک پریشانی اور خطرہ کے باعث داعی اڈہ پر شاہ جیؒ کو لینے نہیں آئے تھے۔ کچھ وقت گزرا تھا کہ چند داعیان گھبرائے ہوئے پہنچے اور عرض کیا کہ شاہ جی وہاں تو یہ قصہ ہو چکا ہے شدید خطرہ ہے اس لئے مجبور ہیں کہ جلسہ ملتوی کر دیں۔ شاہ جیؒ نے فرمایا تم مجھے ٹانگہ میں بٹھا کر پہلے روانہ کر دو اور خود پیچھے آؤ تم پر کوئی ذمہ نہیں اگر وہ وعظ کہنے پر ماریں گے تو میں مار کھاؤں گا اگر مسلمان قرآن نہیں سنیں گے تو میں وہاں کے سکھوں کو سنا کر آؤں گا شاہ جیؒ ٹانگہ میں بیٹھے شاہ جیؒ کی جرأت کو دیکھ کر وہ لوگ بھی اللہ کے بھروسے پر ساتھ چل پڑے۔ جب آگے آگے شاہ صاحبؒ گاؤں پہنچے تو وہاں ایک گروہ فساد کی نیت سے کھڑا تھا شاہ جیؒ نے گرج دار آواز میں

کہا۔ ”السلام علیکم“

دوسری طرف ساتھ ہی کچھ سکھ بغرض تماشہ کھڑے تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں قرآن سنانا چاہتا ہوں گوردوارہ میں کچھ دیر کے لئے جگہ دو گے خدا کی قدرت سکھوں نے خوشی سے منظور کیا اور شاہ صاحب کو ساتھ لے کر گوردوارہ میں چلے گئے پہلے سکھ تماشائی تھے اب مسلمان تماشائی کی حیثیت سے یہ دیکھتے کہ یہ گوردوارہ میں کیسے قرآن سنائیں گے۔ وہاں تک چلے گئے شاہ جی نے قرآن سنایا سکھ ادب سے سننے لگے پھر نور بھری والا قصہ سنایا، شاہ صاحب کے خلوص نے وہ اثر کر دیکھا یا کہ اب سب مسلمان نادم تھے۔ اور آنسو بہا رہے تھے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی حرکت پر معذرت خواہ ہوئے اور حضرت شاہ صاحب کامیاب و کامران واپس لوٹے۔

”ولاتنا بزوا بالالقباب“ کی تشریح

● جناب ابو بکر شبلی لکھتے ہیں:

میانوالی جیل کا ایک واقعہ یوں ہے، ایک دن سید عطاء اللہ شاہ بخاری ”ولاتنا بزوا بالالقباب“ کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان کر رہے تھے کہ کسی کی چڑ مقرر کرنا بھی تنابز ہے۔ اسی تعلق میں انہوں نے ایک تحصیلدار کا ایک واقعہ (جو کہ شلجم کے اچار سے چڑتے تھے) سنایا۔ ہم نے شاہ صاحب کا یہ لطیفہ پلے باندھا اور دو تین دن کے بعد سازش کی سب سے پہلے صوفی صاحب (صوفی اقبال پانی پتی) شاہ جی کی کوٹھڑی کے دروازے سے پہنچے اور انگشت شہادت کی پہلی پوری کی جڑ سے اٹھوٹھا لگا کر شاہ جی سے پوچھا ”حضرت آپ کے پاس پن ہے“ شاہ صاحب نے جواب دیا نہیں بھائی۔ ایک منٹ کے بعد لقاء اللہ پہنچے ”کیوں شاہ جی پن ہے؟“ شاہ جی نے جواب دیا نہیں بھائی میرے پاس پن نہیں ہے“ پھر میں پہنچا، شاہ جی پن ہے، شاہ جی اب ذرا تیز ہوئے ارے تم لوگوں کے کیا ٹانگے ٹوٹ گئے۔ اتنے میں ایک اور پہنچ گیا ”کیا شاہ جی پن ہوگی؟ غرض دو تین سائل اور جو پہنچے تو شاہ صاحب بالکل آپے سے باہر ہو گئے اور ہمیں وہ ناشنیدہ ملا حیاں سنائیں کہ ہم انگشت بدندان تھے:

حضرت شاہ جی کی آواز میں قدرت نے عجب رس بھرا تھا ترنم سے غزل یا نعت پڑھتے

تو لوگوں پر جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی تلاوت قرآن کرتے تو کل کائنات ہمہ تن گوش ہو جاتی اور تقریر کرتے تو لوگ مسحور ہو جائے دل کی گہرائی سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد آپ نے نہ راشن کارڈ بنوایا اور نہ مکان الاٹ کروایا تا حیات کرایہ کے مکان میں رہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کسی سے کچھ نہیں مانگا کرتا۔ سوائے خدا کے میں نے مالک حقیقی کے سوا کسی کے سامنے فدوی بن کر درخواست نہیں گزاری اب کوئی ایسی ضرورت ہے جو مالک حقیقی سے منہ موڑوں یہ تھے وہ مردِ درویش حضرت امیر شریعتؒ۔

ہفت روزہ ”لہ لہ لے“ ۷ جولائی ۱۹۷۷ء



www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

ایک عہد ایک ادارہ، ایک انجمن

آغا شورش کشمیری لکھتے ہیں:

فی الحقیقت وہ ایک عہد، ایک ادارہ، ایک انجمن، اور ایک تاریخ تھے۔ گفتگو طرازی میں ان کا مثیل ملنا مشکل ہے، وہ خاص صحبتوں میں بالکل ایک ادیب، ایک فقیر ایک شاعر، ایک درویش، ایک متکلم، ایک صوفی، ایک نقاد، ایک عالم اور ایک دوست ہوتے تھے۔ ان میں سے جس تار کو بھی چھیڑ لو، وہی نغمے پھوٹنے لگتے..... پھر گلشنِ افغانی، بہار کی طرح پھیلتی چلی جاتی تھی۔ ایک نقص یہ ضرور تھا، کہ اپنی گفت گو لکھنے نہیں دیتے تھے۔ حکمتوں اور بذلہ بنیوں میں تو وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد تھا، کہ..... شاہ جی کی باتیں عطاء اللہی ہوتی ہیں۔

پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست فرنگی کی ایجاد

1..... شاہ جیؒ کی ساری زندگی سیاسیات کے چکر میں بسر ہوئی، گو عمر کا غالب حصہ دین ہی کی خدمت میں گزارا، مگر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیاسیات سے دستبردار ہونے کی خواہش کے باوجود چودہ اگست 1947ء تک اپنے آپ کو سیاسیات سے الگ نہ کر سکے، لیکن شہید گنج کے انہدام کے بعد ان کا یہ عقیدہ پختہ ہو چکا تھا، کہ سیاسیات کا مطلب فتنہ خیزی، فتنہ پروری اور فتنہ انگیزی ہے..... فرماتے، سارے قرآن میں، پالیٹکس کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں؟ اس کے معنی ہی مکر کے ہیں۔ اور فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے..... سیاسیں کے وعدے پورا ہونے کے لئے نہیں کئے جاتے، بلکہ ٹالنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

شہادت حسینؑ پر کبھی تقریر نہیں کی

2..... حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر کبھی تقریر نہیں فرمائی۔ اُن جیسا لسان جو خطابت کے سحر سے وقت کو گوش بر آواز کر لیتا تھا سانحہ کربلا پر بولنے سے طرح دیتا رہا۔ کئی دفعہ دوستوں نے اصرار کیا، کہ عاشورہ کے دنوں میں سانحہ کربلا پر تقریر فرمائیے، انکار ہی کرتے رہے۔ ایک دن میں نے سبب پوچھا، تو کہا..... کس طرح بیان کروں کہ نانا کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں نو اسوں پر کیا ہوتی؟ مجھ میں حوصلہ نہیں کہ اس سانحہ کو بیان کر سکوں..... اپنے اندر طاقت نہیں پاتا البتہ اپنے حال پر غور کر کے دل کو تسلی دے لیتا ہوں، کہ مسلمانوں کی ”پرانی سنت“ (عادت) ہے۔

3..... جن دنوں بعض سیاستین کی بدولت مدح صحابہ اور تبرائیگی ٹیشن کا زور بندھا ہوا تھا۔ شاہ جیؒ نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب کیا، اور فرمایا قدح صحابہ کرنے والو، خدا کے خوف سے ڈرو۔ اتنے میں کسی نے دُور کونے سے آواز دی۔

”شاہ جی! خدا کا خوف کریں۔ سید ہو کر خلافت کے غاصبوں کی (معاذ اللہ) مدح کرتے ہو۔“

بس یہ ایک جملہ بخاری کو جلال پر لے گیا۔ فرمایا کیا کہتے ہو؟ میں علی کا بیٹا ہوں، اور صدیق، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کرتا ہوں، پہلے بھی کرتا رہا ہوں، اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا، تم کون ہو؟ ہائے وہ لوگ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جگہ ملی ہو، تم انہیں گالی دیتے ہو۔ ظالمو! حشر کے دن آقا کو کیا جواب دو گے؟ پھر اس کے بعد خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب پر وہ تقریر کی کہ جیسے شہپر جبریل ان کی خطابت کا ہالہ کئے ہوئے تھے۔

علیؑ و عمرؓ میں فرق

4..... کسی شیعہ نے سوال کیا۔ ”علیؑ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے فرمایا، بڑا فرق ہے، علیؑ مرید تھے، عمرؓ مراد حضور ﷺ نے خود ان کی آرزو کی، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی میں علیؑ کا بیٹا ہوں۔ نفس (جی) میرا بھی چاہتا ہے کہ سب کچھ انہیں کی جھولی میں ڈال دوں، مگر عمرؓ چھوڑتے نہیں، وہ خود منواتے ہیں، عمرؓ کو نکال دو، اور سوچو کہ تاریخ اسلام

میں رہ کیا جاتا ہے؟

5..... درگاہ امام ناصر جالندھر کے جلسے میں کسی نے اس وقت کے اختلافی مسئلے زیارت قبور کا مسئلہ چھیڑ دیا، مخالفوں نے شاہ جی کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہابی ہیں سوال کیا گیا، کہ آپ کا زیارت قبور کے بارے میں کیا خیال ہے، فرمایا۔

اپنے اپنے ظرف اور ذہن کی بات ہے۔ کچھ لوگ انکو نعمت خداوندی سمجھ کر کھاتے ہیں، کچھ اس میں شراب نکالتے، اور عقل کی بازی بدلتے ہیں..... میں بھی اس مزار کی زیارت کر کے آیا ہوں، اور تم بھی زیارت کرتے ہو، میں خدا کے فضل و کرم سے کچھ لے کر آیا ہوں، اور تم ایمان میں سے کچھ دے کر آتے ہو۔ ع

سب اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

سیرت کا موضوع نازک

6..... سیرت کے ایک جلسہ میں فرمایا: یہ بڑا نازک مضمون ہے سیاسی تقریر ہو، ایک آدھ جملہ نیچے اوپر یا ادھر ادھر ہو جائے تو ڈرنہیں لگتا، زیادہ سے زیادہ قید ہو جاتی ہے۔ سال، دو سال پانچ سال، لیکن سیرت یا حدیث کے مضمون پر بولتے ہوئے ایک آدھ جملہ بھی کم و بیش ہو جائے تو ایمان کا ضیاع ہے، اور دوزخ کی آگ، اس میدان میں بخاری بزدل ہے جہنم کے قید خانے کی تاب اس میں نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی بشریت کا انکار کیا جائے تو سادات کس کی اولاد ہیں

7..... حضور ﷺ کی بشریت کے منکرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بیروں کی بھی..... لیکن ایک ہم سید ہی ایسے ہیں، کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو، تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟“

8..... فرمایا: (بحوالہ مولانا قاری محمد طیب) علماء اسلام کی پولیس ہیں، ان کا فرض ہے کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں۔ اگر وہ کھلم کھلا

قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، تو ہم انہیں پکڑ لیں گے، خواہ عدالت میں چھوٹ ہی جائیں۔

سماع موتی سے متعلق عجیب و غریب جواب

9..... کسی نے سوال کیا..... شاہ جی یہ مردے سنتے ہیں کہ نہیں، فرمایا، ”سنتے ہوں گے جن کی سنتے ہوں گے، ہماری تو زندے بھی نہیں سنتے ہیں۔“

☆..... اس نے دوسری مرتبہ پوچھا آپ نے فرمایا جب ہم مریں گے تو پتہ چل جائے گا اگر سن لیں گے تو اور بھی سنتے ہوں گے۔ اس کی پھر بھی تسلی نہ ہوئی اس نے چوتھی مرتبہ مذکورہ بالا سوال دہرایا تو آپ نے فرمایا مردے تین قسم پر ہیں۔ جو ہر وقت یا ہر جگہ سے، ہر حال میں سنتے ہیں بعض وہ ہیں۔ جو کسی وقت کسی حالت میں، کسی جگہ سے نہیں سنتے۔ تیسرے وہ ہیں جو کبھی کبھی سن لیتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے۔ جب اس نے وضاحت طلب کی تو فرمایا:

☆..... کہ بریلویوں کے مردے ہر وقت، ہر حالت میں، ہر جگہ سے سنتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے کسی وقت، کسی حالت میں، کسی جگہ سے نہیں سنتے، دیوبندیوں کے کبھی کبھی سن لیتے ہیں اور کبھی نہیں سنتے۔ (عجیب قسم کی تعریض ہے)..... حاضرین ہنس پڑے مسئلہ ختم ہو گیا۔

10..... موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے جسے عام لوگ گھد و شاہ کہتے ہیں، اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا، جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے، سائمن کمیشن کے زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی..... سرکاری لوگوں نے اس تکیے کے چرسیوں، بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اکسایا، وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی مدد کے نعرے لگانے لگے۔۔۔۔۔

☆..... شاہ جی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ او چرسیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علی علیہ السلام کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے باپ دادا انہیں ہیں..... (کیا بات کس شگفتگی سے کہی ہے۔)

11..... ایک وکیل نے رمضان کے دنوں میں شاہ جی سے بزم خویش مذاق کرتے ہوئے

کہا حضرت علماء تعبیر و تاویل میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیے کہ آدمی کھاتا پیتا رہے، اور روزہ بھی نہ ٹوٹے..... فرمایا سہل ہے، قلم و کاغذ لے کر لکھو!

”ایسا مرد چاہئے، جو اس وکیل صاحب کو صبح صادق سے مغرب تک جوتے مارتا جائے، یہ جوتے کھاتے جائیں اور غصے کو پیتے جائیں اسی طرح کھاتے جائیں اور پیتے جائیں۔“
☆..... فرمایا۔ جاؤ اس طرح کھاتے پیتے رہو، روزہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔

چندہ کھاتے ہیں سو تو نہیں کھاتے

12..... اسلامیہ کالج کے طلبہ نے کہا۔ شاہ جی، کالج میں دائرہ رکھ کر جانا مشکل ہے فرمایا ”ہاں بھائی اسلامیہ کالج میں مشکل ہے خالصہ (سکھوں کا) کالج میں آسان ہے۔“
☆..... مسلم کانفرنس کے ٹوڈیوں کا زمانہ تھا کسی تحریک میں لوگ جیل جا رہے تھے۔ شاہ جی، مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں تقریر کر رہے تھے۔ ”زمیندار“ کی ضبطی پر چندہ کی فراہمی کا ذکر آگیا۔ ایک شخص نے دور سے کہا یہ چندہ کھا جاتے ہیں۔

☆..... فرمایا بھائی چندہ ہی کھاتے ہیں، سو تو نہیں کھاتے، اور مجمع زعفران ہو گیا..... پھر فرمایا:
☆..... ”ان تنظیموں کو چندہ دو، یہ لوگ قربانی کے بکرے ہیں۔ کھائیں گے تو جیل جائیں گے، پھانسی پر چڑھیں گے۔ قربانی کے بکروں کو بھوکا مارنا چاہتے ہو“.....

☆..... کسی نے کہا شاہ جی! مجلس کے بعض لوگ اب لیگ میں چلے گئے ہیں، یعنی اس سے تعاون فرما رہے ہیں۔ فرمایا، ہاں بھائی، کچھ حسینؑ کے پیروکار تھے۔ کربلا میں ذبح ہو گئے کچھ حسنؑ کے پیروکار ہیں، انہوں نے صلح و آشتی کی راہ اختیار کی، دونوں کے اسوہ حسنہ کی پیروی ہو گئی پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ شاہ جی بھی مدعو تھے۔ راجہ غنفر علی خاں تب وزیر تھے، اور جلسہ کے صدر انہوں نے شاہ جی کو دعوت تقریر دیتے ہوئے کہا کہ:

☆..... شاہ جی جس لیگ کے مخالف تھے، اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طنزیہ جملہ تھا، شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا..... ہاں بھائی، یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی۔ اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے، میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی۔

☆..... اور مجمع پر یکا یک سناٹا چھا گیا۔ فرمایا، ہمارے ہاں نو جوانوں کا عجیب مزاج ہو گیا ہے، بلکہ فطرت..... جوڑ کا میٹرک میں فیل ہوتا ہے۔ ہاٹا شو کمپنی میں سیلزمین ہو جاتا ہے یا سی، آئی، ڈی کے ملائکہ، مقدسین کا انفارمر بن کر ٹاپتا پھرتا ہے۔ ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں سندھ کی کسی جیل میں محبوس تھے، ایک بہت بڑا سرکاری افسر ملنے کے لئے گیا باتوں باتوں میں کہنے لگا..... شاہ جی، اب اسلامی حکومت ہے، پہلے جیل جاتے تھے، تو لوگ قدر کرتے تھے، اب تو وہ دن نہیں رہے، لوگ بھول جائیں گے..... چھوڑیے اس قضیہ کو، باہر آ کر کوئی اور کام کیجئے۔ فرمایا ٹھیک ہے بھائی، لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا ہوں۔ رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ مگر یہ نہ بھولو، کہ اسلامی حکومتوں میں کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے ہیں اور کچھ لوگ تخت پر کچھ گوالیار کے قلعہ میں، کچھ دہلی کے قلعہ میں۔

☆..... کسی نے ایک بڑی گدی کے سالانہ عرس میں سوال کیا، مزاروں کے بارے میں کیا رائے ہے، فرمایا..... میں اس سوال کی بنیاد کو سمجھتا ہوں۔ بہر حال ایک مزار اقدس میرے آقا، میرے ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ میں بن چکا ہے، اب دوسرا مزار میرے نزدیک شرک فی البدوۃ ہے۔¹

مجموعہ محاسن

☆..... مولانا تاج محمودؒ لکھتے ہیں:

شاہ جی کی ذاتِ گرامی بے شمار محاسن کا مجموعہ تھی۔ وہ نظریہ ظاہر ایک انسان تھے۔ لیکن حقیقت میں قدرت نے انہیں کئی انسانوں کے کمالات و اوصاف سے نوازا تھا۔ وہ عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے عالم۔ بے مثال مفسر قرآن۔ فصیح اللسان مبلغ اسلام۔ بڑے دل گردے کے مجاہد۔ ہمتن ایثار۔ سراپا اخلاص۔ وجیہ صورت۔ مضبوط ڈیل و ڈول۔ سرفروش غازی۔ سحر طراز مقرر۔ انقلاب انگیز خطیب۔ پرسوز قاری۔ باخدا مرد مومن اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک عظیم انسان تھے۔

ان کے خیالات میں آسمانوں کی بلندی۔ عقائد میں پہاڑوں کی پختگی۔ زبان میں دریاؤں کی روانی۔ جلال میں تلواروں کی کاٹ اور جمال میں صبا کی لطافت پائی جاتی تھی۔ وہ نبی نہ تھے بلکہ ان کی زندگی حضور سرور کائنات ﷺ کے اس ارشاد کی شہادت و اشاعت میں گزری کہ:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ۝

لیکن شکل و صورت سے لے کر نشست و برخاست تک ہر بات میں پیغمبرانہ انداز رکھتے تھے۔ اُن کے جس کمال اور جس خصوصیت پر غور کیا جائے۔ حافظ شیرازی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر جا کہ مے نگر

کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا اینجا است

ہم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا نہیں ان کے حالات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں پڑھے ہیں۔ شاہ جی کی زندگی عبادت و ریاضت سے لے کر لطافت و ظرافت تک انہیں اکابر کی زندگیوں کا عکس جمیل تھیں۔

اگرچہ فیاضِ ازل نے بڑی فیاضی سے انہیں بے شمار ملکات و صفات و دیعت فرمائے تھے لیکن ان کمالات میں جو چیز سب سے نمایاں تھی اور جس کی بدولت شاہ جی آسمان شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے وہ ان کی خطابت تھی معلوم ہوتا ہے کہ حسب و نسب کی شرافت و نجابت سے لے کر آواز کی سحر طرازی اور الفاظ کی فصاحت و بلاغت تک کی تمام نعمتیں انہیں خطابت کے لئے عطا کی گئی تھیں۔ لاکھوں کے مجمع میں جب تشریف لاتے تو لوگوں کی گردنیں اٹھنے لگتیں۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔ مجمع سے منظم اور غیر منظم نعرے بلند ہونے شروع ہوتے۔ ایک ہی وقت میں ایک گوشہ اللہ اکبر پکار رہا ہوتا۔ دوسرا زندہ باد کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیتا غرض مجمع میں ایک غلغلہ پیا ہو جاتا۔ بیٹھ جائے۔ بیٹھ جائے، سٹیج پر تشریف لا رہے ہیں۔ آپ انہیں بخوبی دیکھ سکیں گے۔ ذرا بیٹھ جائے۔ لیکن کون سنتا آدھے کھڑے آدھے بیٹھے ہیں۔ کھڑے ہونے والے بیٹھ رہے ہیں اور بیٹھے ہوئے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایک عجیب دارنگی اور شوق معلوم ہوتا۔ شاہ جی بڑے عجیب و

عرب انداز سے آتے، پنڈال نعرہ تکبیر سے گونج اٹھتا اور جب وہ اسٹیج پر پہنچ کر ستاروں میں چاند کی طرح بیٹھ جاتے تو لوگوں کا شور و غل اور جلسے کی افراتفری سکون و سکوت میں بدل جاتی، ہو کا عالم طاری ہو جاتا۔

اب شاہ جی مجمع کے سامنے آتے تھوڑی دیر کھڑے رہتے کچھ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلی پر بھونکتے ہاتھ منہ پر پھیر لیتے۔ میرا زندگی بھر یقین رہا کہ جب شاہ جی مجمع کے سامنے کچھ پھونکتے تھے تو آپ کے دل کا تعلق کسی اور ہی جگہ ہو جاتا تھا ۸

سیماب لفظ لفظ اترتا ہے عرش سے
ایک دفعہ سامنے پھر دائیں بائیں غور سے مجمع کو دیکھتے۔ پھر خطبہ کی آیات¹

حجازی لے میں قرآن پڑھنا

اور درودِ پاک حجازی لے میں پڑھتے۔ عوام کے دل و دماغ مسحور ہو جاتے عناصر پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ عالم ارواح اور عالم ملکوت بھی شاہ جی کی آواز پر متوجہ ہو گئے۔ تقریر شروع ہوتی، منہ سے پھول جھڑنے لگتے۔ ہاتھ اٹھاتے ہلاتے تو محسوس ہوتا کہ عوام پر جادو کر رہے ہیں۔

آیات و احادیث کا ایک ذخیرہ اور ان کی ایسی اچھوتی تشریح و تفسیر کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ عربی فارسی اردو پنجابی کے شعرا ایسے بر محل پڑھتے گویا انگشتی میں گننے جڑ رہے ہیں۔ لطائف و ظرائف بیان کرتے تو مجمع کشف زعفران بن جاتا۔ کبھی ہنسا دیتے کبھی رلا دیتے۔ رات ڈھل جاتی، بحر قریب ہو جاتی اور وہ پڑھ رہے ہوتے۔

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک تر زمواں بجاست
نہ ہر کہ سر بترشد قلندری داند

نہ کسی کو سردی گرمی کا احساس رہتا۔ نہ کسی کو نیند و آرام کا خیال۔ اگر کسی کو کوئی فکر دامن گیر ہوتی تو صرف یہ کہ کہیں رات ختم ہونے کے ساتھ ہی شاہ جی کی تقریر بھی ختم نہ ہو جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ شاہ جی کی تقریر میں صبح کی اذان ہوئی اور شاہ جی چونک کر موذن کو پکار اٹھے۔

تری آواز کے اور مدینے
تب تقریر ختم کر دیتے۔ لوگ اصرار کرتے شاہ جی کچھ اور فرمائیں۔ ”بھائی رات ختم ہوگئی“ اور شاہ جی عموماً اس شعر پر ختم کر دیتے۔

وسعت دل ہے بہت، وسعت صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے 1

دل و دماغ مسخر کر لیتے

شاہ جی کی تقریریں لوگوں کے دل و دماغ کو کیونکر مسخر کر لیا کرتی تھیں یہ ایک لمبی داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت سے بڑے بڑے طوفانوں کو روکا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معرکے سر کئے۔

صرف چند واقعات عرض کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ کئی طرح لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا کرتے تھے۔

خان غلام محمد خاں لونڈ خور نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ان کا خاص معتقد تھا میرا سیاسی مسلک بھی ان سے جدا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رُک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اُسے پانچ منٹ سن لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسہ میں ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا۔ خود اپنے جلے بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں۔ میں پانچ منٹ تک شاہ جی کی تقریر سنتا رہا پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں۔ ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔

بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی شاہ جیؒ نے تقریر کے خاتمے کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ اوہو! ساری رات ختم ہو گئی یہ شخص تقریر نہیں کر رہا بلکہ جادو کر رہا تھا۔¹

قتل کے لئے آنے والا گر کر ٹپنے لگا

حاجی قائم دین لائل پور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین و دنیا دونوں بڑی فیاضی سے عطا کی ہیں۔ شاہ جی کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ تقسیم سے قبل آگرہ میں تھے انہوں نے واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقدہ جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ حجازی لے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں تو ایک نوجوان ٹپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا، مرنے سے تو بچ گیا لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہی بے آب کی طرح ٹپنے لگا۔ لوگوں نے اٹھایا تو اس کے چہرہ ابرآمد ہوا، اسے شاہ جی کے پاس لایا گیا۔ شاہ جی نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت نے پاس بٹھالیا جب اسے ہوش آیا تو اس نے انکشاف کیا کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سن کر میں بے تاب اور بے ہوش ہو کر گر پڑا پھر اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں۔

ایک دفعہ شاہ جیؒ علی گڑھ کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ کالج کے طلبہ نے تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ ایسا ہنگامہ ہوا کہ تقریر کرنا محال ہو گیا۔ شاہ جیؒ نے دیکھا کہ بچے برا فروختہ ہیں۔ کوئی اور نصیحت کار گر نہیں ہوتی تو فرمایا اچھا بیٹا قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ دیتا ہوں اور جلسہ تمہارے احترام میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ طلبہ خاموش بیٹھ گئے شاہ جی نے انتہائی دلسوزی سے نیم خورد آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ چشم و گوش اور درود یوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی تو فرمایا بیٹا کیا خیال ہے اس کا ترجمہ بھی کروں۔ آواز آئی ضرور ترجمہ بھی کر دیجئے۔ اب ترجمہ شروع ہوا پھر ترجمے کے بعد تفسیر و تشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ شاہ جی نے تقریر ختم کی طلبہ نے شور

مچایا، شاہ جی خدا کے لئے کچھ اور بیان کیجئے۔ فرمایا بیٹا کبھی پھر آؤں گا تو تقریر سناؤں گا۔ 1

ان کی خطابت میں تمام مسائل زیر بحث آتے

شاہ جی ایک صاحب طرز خطیب تھے ان کی خطابت میں سیاست مذہب معاش اور معاشرت سمیت ہر قسم کے مسائل زیر بحث آتے۔ لیکن ان کی خطابت کا مرکزی نقطہ جس کے گرد نہ صرف ان کی خطابت بلکہ ان کی پوری زندگی گردش کرتی تھی وہ عشق رسول تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ جی کے کل محاسن ان کی خطابت کے لئے تھے اور ان کی خطابت عشق رسول کے لئے تھی۔ انہی کی ایک نعت شریف کا مطلع اور مقطع ہے۔

سُبحان مَنْ یَّریٰ چہ شانِ محمد است
لولاک ذرہ ز جہانِ محمد است
سرِ قضا و قدر ہمین است اے ندیم
پیکانِ امر حق ز کمانِ محمد است

حضور سرور کائنات ﷺ کے فضائل کو عشق و محبت میں ڈوب ڈوب کر بیان کرتے۔ حضور ﷺ کے لئے الفاظ و القاب کا انتخاب خاص اہتمام سے کرتے تھے۔ اگر کوئی معیاری نعت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو اس کے الفاظ و آواز پر سر دھنتے۔ ایک دفعہ لاہور میں ایک رضا کار نے نعت پڑھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے ہوئے جھومنے لگے میری آنکھوں میں ابھی تک وہ نقشہ ہے۔ شاہ جی جذب و مستی کے عالم میں جھوم رہے تھے حتیٰ کہ ان کے گھنگھریالے بالوں پر بھی اسی جذب و مستی سے ”وجد“ کی حالت طاری تھی۔

ایک شعر پر جس میں سرور عالم ﷺ کے فقر و فاقہ اور سیدۃ النساء (رضی اللہ عنہا) کی ردائے مبارکہ کی کہنگی (پرانا) کا ذکر تھا کھڑے ہو گئے، اور کھڑے کھڑے جھومتے رہے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا، کہ سید دو عالم ﷺ کے ذکر مبارک پر قیام کرنے کا مقام تھا۔



www.ahlehaq.org

مردِ مومن و مجاہد کی زندہ تصویر

..... مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ۔ ناظم جمعیت العلماء ہند دہلی لکھتے ہیں:

اُن کی شخصیت اس دور کی ایک عظیم اور باکمال شخصیت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو مخصوص و ممتاز صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ انتہا درجہ سادگی پسند، قناعت گزین اور توکل شعار انسان تھے۔ ان کی طبیعت حد درجہ بے لوث و بے غرض واقع ہوئی تھی۔ اپنے رہن سہن.. وضع قطع، بول چال۔ میل جول اور ہر ادا میں وہ سادگی کا پیکر اور ”مردِ مومن و مجاہد“ کی زندہ تصویر تھے۔ شاہ صاحبؒ بجا طور پر اس صدی کے اُن علماء حق میں شمار کئے جائیں گے جنہوں نے اپنے فکر و عمل کی تمام صلاحیتیں انسانی سماج کی بے لوث و بے خوف خدمت کے لئے وقف کیں اور اُن کی پوری زندگی جہادِ عمل کا ایک نمونہ بنی۔

شاہ صاحبؒ کو دین و ملت سے وہ شغف تھا جو مردِ مومن کا شعار ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو خطاب و بیان کی بے مثال صلاحیت بخشی تھی اور ساتھ ہی دل بھی وہ عطا فرمایا تھا جو سعی و عمل کے جذبات اور حق پسندی و حق گوئی کی سدا بہار امنگوں سے معمور تھا۔ اُن کی یہ مخصوص صلاحیتیں سر تا سر خدا داد صلاحیتیں تھیں جن میں کسب و تصنع کو کوئی دخل نہ تھا۔ زہے سعادت! کہ شاہ صاحبؒ نے اپنی یہ تمام صلاحیتیں خدمتِ دین و ملت اور خیر خواہی وطن کی راہ میں صرف کیں اور یہی اُن کی شخصیت و کردار کا نشانِ امتیاز ہے۔¹

خدا ساز مقرر و خطیب

ملک کی زندگی میں شاہ صاحبؒ ایک سحر آفرین خطیب اور بے مثال مقرر کی حیثیت

سے نمودار ہوئے اور بہت ہی جلد عوام و خواص کے دلوں پر چھا گئے۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں اس شان کے خطیب کم بہت کم ہو سکتے ہیں کوئی دینی اور مذہبی عنوان ہو یا کوئی سیاسی اور سماجی موضوع وہ جس سلاست، روانی، بر جستگی اور بے تکلفی کے ساتھ گھنٹوں تقریر کرتے اور اپنے مافی الضمیر کو سامعین کے رگ و پے میں سمودیتے تھے اس کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ وہ ایک پیدائشی اور خدا ساز مقرر اور خطیب ہیں۔

عشقِ رسول ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا

سیرتِ پاک اور اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا خاص موضوع اور ذہنی شغف تھا اور نہ صرف وعظ و تبلیغ کی حد تک..... بلکہ شاہ صاحب اُن خوش نصیبوں میں تھے جن کو خدا تعالیٰ نے اسوۂ رسول کی سچی لگن اور عمل کی توفیق و سعادت سے بھی نوازا تھا۔

”ختم نبوت“ کی راہ میں جب قادیانیت نے رخنہ پیدا کرنے چاہے اور ایک گمراہ تحریک نے سر اٹھایا اس وقت حق پرستوں کی جو صفیں اس کے مقابلے پر سینہ سپر ہوئیں شاہ صاحب ایک قائد کی حیثیت سے اُن میں پیش پیش تھے اور آخر تک پیش پیش رہے اس راہ میں اُن کو بڑے بڑے خطرات و مصائب کا سامنا ہوا۔ مگر عشقِ رسول کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔¹

قائد تحریک آزادی و خلافت

پہلی جنگِ عظیم کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ”خلافت“ کا تھا۔ تحریکِ خلافت کی ہماہمی نے مسلمانانِ ہند میں جو بیداری اور جرأت عمل پیدا کی وہ خود ملک کی تحریکِ آزادی کے لئے ایک بڑی کمک ثابت ہوئی اور اُسی وقت سے آزادی کی تحریک نے اپنی ملک گیر اور مضطرب شکل اختیار کی۔ ناممکن تھا کہ شاہ صاحب جیسا الوالعزم اور باعمل انسان اس تحریک کی صفِ قیادت سے پیچھے رہ جاتا۔

مجھے یاد ہے کہ 1920ء میں مولانا حسرت موہانی مرحوم نے دہلی میں ایک اہم سیاسی اجتماع بلایا تھا۔ اس اجتماع میں پہلی بار مجھے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کی مسرت

حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد مسلسل پچیس سال پھر اس طرح گزرے کہ فکر و عمل کا ایک میدان تھا اور ایک ہی لگن۔ تحریکِ آزادیِ شانہ روز سرگرمیوں کا محور تھی۔ اس طویل رفاقت اور شعور و جذبات کی ہم آہنگی نے دلوں میں خلوص و تعلق کی جو گرہیں لگائیں، آج جب کہ شاہ صاحب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اُن کا ذکر بھی دل پر شاق گزرتا ہے۔

نہیں آتی اگر ان کی یاد تو گھنٹوں نہیں آتی

مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں اس دور کی آزمائش اگرچہ بہت کٹھن اور ہمت شکن تھی۔ لیکن وطن کے قدم کا مردانہ ہمت کا جو قافلہ ہر خیف و خطر سے بے نیاز..... یہاں تک کہ خود اپنی عزت و آبرو اور جان و مال سے بے فکر ہو کر اس عہد کے ساتھ اپنے گھروں سے نکلا تھا کہ:

یا تن رسید بجائوں یا جان زتن برآید

اُس کا عزم و ثبات بھی ناقابلِ تسخیر تھا اور بالآخر وہی کامیاب ہوا مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسی قافلہ کے ایک سالار اور انہی مردانِ ہمت کی صفِ اول میں تھے۔ آزادیِ وطن کی خاطر انہوں نے جس تندہی کے ساتھ کام کیا۔ ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک کی خاک چھانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ قدم قدم پر خطرات کا مقابلہ کیا۔ پامردی کے ساتھ ہر تعاقب اور قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ اور اس پورے دور میں جو قائدانہ اور مجاہدانہ کردار پیش کیا وہ تاریخِ آزادیِ وطن کا ایک سنہرا ورق ہے جو ہمیشہ قدر و اعجاب کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور مکمل آزادی کی فضاؤں میں سانس لینے والی آئندہ نسلیں اس احسان سے گراں بار رہیں گی۔ حق یہ ہے کہ شاہ صاحب کی شخصیت۔ اُن کا جوشِ عمل، اُن کی قربانیاں اور سب سے بڑھ کر اُن کی ساحرانہ خطابت، تحریکِ آزادیِ وطن اُس کی پرورش اور ترقی کے لئے ایک بڑی مدد اور بیش قیمت اثاثہ تھی جس کے بغیر اس عظیم تحریک کی کامیابی اور اس کا نشوونما بروقت مکمل نہ ہوتا۔

قَدْ سَأَلَ اللَّهَ سِرَّهُ وَاسْكَنَهُ فَنَسِيَ جَنَّتَهُ



www.ahlehaq.org

اقبال و بخاری

آغا شورش کشمیری لکھتے ہیں:

کہ شاہ جی ایک مرتبہ علامہ اقبال کے ہاں تشریف لے گئے اثنائے گفتگو میں فرمایا۔

”ٹھیک ہے مرشد! میں نے تو کبھی اپنی کتابوں کی گرد بھی نہیں جھاڑی ہے۔“¹

”اوشاہ جی! تساں تے دلاں دماغاں دیاں مٹی جھاڑ دے او۔“

(شاہ جی! آپ تو دلوں اور دماغوں کی گرد جھاڑتے ہیں)

شاہ جی نے یہ بیان کیا، تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا ہائے کیا انسان تھا،

جدید دانش اور قدیم حکمت کا نقطہ معراج، چونکہ میاں رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کرتے تھے، اس لئے اللہ

نے ان پر علم و دانش اور فکر و نظر کی بھی راہیں کھول دی تھیں۔ وہ میدان کا کھلاڑی نہیں تھا لیکن علم

اس کا خانہ زاد تھا۔

آج جو پشتینی وفادار (شاہ جی نے فرمایا) اس کا نام لے لے کر اُس کے ہمنشینوں کی

فہرست میں اپنا نام لکھوار ہے ہیں، کسی علمی مسئلے پر اقبال نے کبھی ان سے مخاطبت کی؟ کبھی ان

سے کوئی دینی سوال کیا، کبھی ملی امور پر ان سے از خود گفت گو کی، کبھی مسلمانوں کے مستقبل کا

سوال ان سے زیر بحث لاتے رہے؟ ان کے ساتھ تو ان کے زیادہ سے زیادہ لاغر قسم کے مجلسی

روابط تھے۔ شاہ جی نے کہا یہی وہ لوگ، جو اقبال کی راہ میں ہمیشہ مزاحم ہوتے رہے انہی لوگوں

نے اقبال کے خلاف مخبریاں کی تھیں اور انہیں کسی منصب پر فائز نہیں ہونے دیتے تھے۔ اقبال

1 شاہ جی علامہ اقبال کو مرشد کے نام سے پکارتے

نے مجھ سے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا تھا۔

شاہ صاحب، ان خاندانوں کی سیاہ دلی کی حد ہو گئی، خوفِ خدا سے بھی مایوس ہو چکے ہیں۔ میرے بارے میں ہائیکورٹ کے چیف جسٹس اور گورنر صوبہ کو عرضداشت بھجوائی ہے، جس میں مجھے ایک ایسے ق سے متہم کیا ہے، جس کا تصور بھی شرافت کو جھڑپنے کے لئے کافی ہے۔

شاہ جی نے بتایا، یہ بیان کرتے ہی اُن کا بدن کانپنے لگا کہ انسان مخالفت اور مناصبت میں کس حد تک سنگدل، سیرو، اور گندہ ضمیر ہو جاتا ہے۔ شاہ جی کی روایت ہے، کہ انہی اثنی سے ان کے خون کا قطرہ قطرہ انگاروں میں ڈھلا ہوا تھا، وہ یورپی تہذیب، یورپی دانش، یورپی سیاست اور یورپی سچ و سچ کے سخت دشمن تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ہمارا مغرب زدہ بہت اپنے خصائص کھو چکا ہے، اس کے اندر مشرق کی روح بالکل نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کی خودی اپنی قیمت کھو بیٹھی ہے۔ لوگ علم کی سنجیدگی سے ہاتھ اٹھا کر نٹوں کا تماشا دیکھنے میں غلام ہیں۔ کاسرہ لیس خاندانوں کا ذکر بڑی حقارت سے کرتے، یہ طغتنہ میں نے صرف انہی میں دیکھا، کہ جن سے نفرت کرتے، انہیں اپنے گھر میں بھی گھسنے نہیں دیتے تھے، اور اگر کوئی کسی بہانے چلا آتا، تو اسے دھتکار کر نکال دیتے، اور منہ نہیں لگاتے تھے؟

ایک دفعہ فرمایا، شاہ جی میں مطمئن ہوں کہ میرا کلام لوگوں کے رگ و پے میں اتر رہا ہے۔ لیکن ابھی کاروان تیار ہو رہا ہے ابھی کاروان بنا نہیں..... سفر راستہ اور منزل تو دور کی چیزیں ہیں۔ جب تک مشرق، مغرب کی ذہانت کو لاکارے گا نہیں، اس وقت تک مشرق کی عظمت کا سورج نہ کبھی ابھر سکتا ہے۔ اور نہ اس کے نصف النہار پر پہنچنے کا سوال ہی زیر غور آ سکتا ہے۔

شاہ جی یہ عموماً فرماتے:

”کاش اقبال آج زندہ ہوتے، ان کا دماغ ایک عظیم الشان تنہائی کا عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ جب کبھی ان کی ہم نشینی کا موقع ملتا معلوم ہوتا تھا کہ لالہ زار کھل گیا ہے۔“



شاہ جی کی معرکہ آرائیاں

..... ڈاکٹر سید محمد عبداللہ لکھتے ہیں:

توہین رسالت ﷺ کے خلاف احتجاج سے بھرا ہوا ایک ہجوم بے پناہ شاہ محمد غوثؒ والی سڑک اور باغات میں جمع ہو گیا۔ گویا ایک تقاضا عام تھا کہ احرار اس احتجاج کو عملی شکل دینے میں قوم کی رہنمائی کریں۔ اس صورت حال میں مجلس احرار کے دفتر کی بالائی منزل پر احرار کے بڑے بڑے رہنما سراپیمگی اور پریشانی کے عالم میں جمع ہوئے اور مسلمانوں کے جذبات کو کم کرنے اور منظم کرنے کے وسائل پر غور کرنے لگے۔ اس موقع پر میری یاد کے مطابق منجملہ دیگر اصحاب کے چوہدری افضل حق، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا داؤد غزنوی، شیخ حسام الدین، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا غلام غوث ہزاروی اور سب سے اہم اور ممتاز سید عطاء اللہ شاہ بخاری موجود تھے۔ بحث کے جو نقاط تھے وہ یہ تھے۔

اول: کہ توہین رسول ﷺ کے مسئلہ کو عدالت میں لایا جائے۔

دوم: آریہ سماجیوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی جائے۔

یہ بحث بڑے معرکہ کی بحث تھی۔ ایک طرف وضع اور احتیاط کا انداز تھا اور دوسری طرف جرات غازیانہ کا مظاہرہ تھا۔ اندرون خانہ اس بحث میں ہر قسم کی باتیں ہوئیں اور یہ خصوصیت احرار میں ہی دیکھی گئی تھی کہ سخت سے سخت بحث کے باوجود احرار برادری کا احساس کبھی کمزور نہیں ہوتا تھا۔

امیر شریعت کی اہل لاہور کو یقین دہانی

شاہ محمد غوثؒ والی سڑک پر ہجوم اور زیادہ ہوتا گیا اور اب شاید مخالفوں کے لوگ بھی ہجوم میں شامل ہو گئے۔ تھے اور نعروں کا انداز کچھ ایسا تھا کہ گویا اگر کوئی جلد فیصلہ نہ ہو تو دفتر احرار اور راہنمایان احرار کی بھی خیر نہیں۔ اسی شور و شغب کے عالم میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بالکوئی سے اپنا چہرہ دکھایا اور کہا:

اے باشندگان لاہور! معاملہ عزت رسول اللہ ﷺ کا ہے اور اس کے لئے ہماری جماعت ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اس مقدس جہاد میں وہ لوگ شریک نہیں جن کو اپنے دعوے کے مطابق اب تک میدان میں آچکنا چاہیے تھا۔ ہم عزت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سردھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ مگر جاؤ ان رہنماؤں کو بھی لے آؤ جو ہم سے الگ مسلک رکھتے ہیں تاکہ یہ جہاد آخری جہاد ہو اور اس میں پوری قوم شریک ہو۔

سول نافرمانی کی تحریک

سید عالی مقام کی اس تجویز سے دو اثر مرتب ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ جھوٹ کہہ رہے ہیں، بعضوں نے کہا۔ آخر کار احرار ہی قوم کے کام آئی، یہ خان بہادر، سر اور نواب اب کہیں نظر نہیں آتے۔

احرار کی مینگ پھر شروع ہوئی، شاطروں کی پہلی چال ذرا سی ناکام رہی، مگر شاطروں کی قوم حوصلے والی قوم ہوتی ہے۔ ہجوم پھر مشتعل کر دیا گیا۔ مینگ کے اندراب بحث اس نکتے پر آ کر رک گئی کہ عدالت میں چارہ جوئی اب بہانہ جوئی کے مترادف سمجھی جائے گی۔ اس لئے سول نافرمانی کے بغیر کوئی چارہ نہیں مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ ایسی سول نافرمانی میں پوری قوم کو شریک کیوں نہ کیا جائے مگر اس کے لئے پھر التوا ضروری تھا۔ اس لئے یہاں بحث بند ہو جانی تھی۔

چودھری افضل حق کی رائے

چودھری افضل حق کا خیال تھا کہ سول نافرمانی کا مسئلہ طے شدہ ہے مگر شہر کے دوسرے رہنماؤں سے بھی اشتراک کی درخواست ضروری ہے تاکہ نقصان کی صورت میں یہی

دوسرے رہنما قوم کہ یہ کہہ کہ نہ بھڑکائیں کہ دیکھا ہم عدالت کے ذریعے سارے مسائل حل کرالیتے۔ یونہی مسلمانوں کا خون کرا دیا اور بات ٹھیک تھی مگر بڑا مسئلہ یہ تھا کہ باہر کے ہجوم کو کس طرح مطمئن کیا جائے۔ عالی مقام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بڑے راست پسند آدمی تھے۔ مگر سیاست میں باہر کے شاطروں کی ماریں کھا کھا کر یہ ضرور جاننے لگے تھے کہ شاطروں کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنائیں چاہئے۔ تاہم مسئلہ کے حل کی جو صورت بھی سامنے آتی وہ خطرناک اور نازک معلوم ہوتی تھی۔

امیر شریعت کا فیصلہ اور بحث کا خاتمہ

اب سہ پہر ہو چکی ہے اور چار بج چاہتے ہیں اور ہجوم اور بھی بڑھتا جا رہا ہے، نعروں کی آوازیں اتنی بلند اور گونج دار ہوتی جا رہی ہیں کہ مجلسی بحث میں لوگ ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دیر تک سجدے میں رہے اور جب سجدے سے اٹھے تو ان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان پر یہ الفاظ:

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ لَمُنْكَامٌ

کہتے ہوئے پھر مجلس میں داخل ہوئے اور فرمایا: ”آج ہمارا طریق کار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ شہر کے سرکاری رہنماؤں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اور ہر مصلحت سے آنکھ بند کر کے ناموس رسول اللہ ﷺ کے لئے ہر وہ اقدام کیا جائے جس کی ضرورت ہو۔ یہ فرمانے کے بعد فرمایا۔ بس میری یہی رائے ہے۔ فقط۔“

جلسہ عام کا اعلان اور دفعہ 144 کا نفاذ

حضرت سید صاحب کے اس نعرہ حق کے بعد بحث و استدلال کا چراغ کُل ہو گیا اور ساری جماعت نے سید عالی مقام کی پیروی کرنے کا اعلان کیا اور فیصلہ ہوا کہ دہلی دروازے کے باہر جلسہ عام کی فوری منادی کرا دی جائے۔ مہر علم دین (جن کی اسیری کی مدت میری

دانت میں بالاقساط پندرہ برس سے کم نہ ہوگی) کی آنکھیں چمک اٹھیں اور چہرہ غیرت دینی سے متمماٹھا۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے اطراف شہر میں پھیل گئے۔

اب ہجوم شہر کی کوتوالی سے لے کر اکبری دروازے تک پھیل گیا اور احرار کے رضا کار باغ میں پلیٹ فارم جمانے میں مصروف ہو گئے۔ اب لوگ کوتوالی سے سرک سرک کر باغ میں پلیٹ فارم کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ اس اثناء میں شاطران شہر نے حکام سے مل کر ان پر اثر ڈالا کہ فرقہ وارانہ فساد کا سخت خطرہ ہے۔ جلسہ روکا جائے ورنہ بڑا خون خرابا ہوگا۔ احرار ابھی اپنے انتظامات درست کر رہی رہے تھے کہ پولیس ایک مسلح گارڈ (انگریز) کے سمیت اور شاید مسٹر فیلبوس سٹی مجسٹریٹ کی معیت میں دفتر احرار کے سامنے پہنچی اور اپنے خاص ایچی کے ذریعے احرار رہنماؤں کو مطلع کیا کہ حکومت کے نزدیک مجوزہ جلسہ عام نقص امن کا باعث ہوگا۔ اس لئے جلسہ ممنوع قرار دیا چکا ہے اور اس تاریخ سے ایک ماہ تک کے لئے دفعہ 144 نافذ کی جاتی ہے۔

عزمِ امیر شریعتؒ

اب احرار رہنماؤں کو ایک نئی مشکل پیش آئی۔ موضوع یہ تھا کہ اگر اس حکم کے باوجود جلسہ کیا جائے تو فائرنگ کا ہونا یقینی ہے اور اس صورت میں نقصان جان کی ذمہ داری کا سوال ہے۔ ایک تجویز یہ ہوئی کہ سارے احرار لیڈر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔ مگر سوال پیدا ہوا کہ ہجوم کی تسکین کے علاوہ اس سے اصل مسئلہ کا حل کس طرح نکلے گا۔

بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ مگر اب سید عالی مقام فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے فرمایا آج جلسہ ہوگا اور ضرور ہوگا البتہ چودھری افضل حق کی تجویز پر یہ اتفاق ہوا کہ کھلی جگہ جلسہ کرنے کی بجائے وطن بلندنگ کے احاطے میں جلسہ کیا جائے اور حکومت کے رویہ کے خلاف احتجاج کے علاوہ توہین رسول ﷺ کے مسئلہ پر مسلمان قوم کی کسی متحدہ روش کی تجویز پر غور کیا جائے۔

چودھری افضل حقؒ اور مجسٹریٹ کے درمیان گفتگو

احرار رضا کار اس فیصلہ کو لے کر ہجوم میں پھیل گئے اور اب لوگوں کا اجتماع وطن بلندنگ میں ہوتا گیا۔ شام ہو چکی تھی۔ احرار رہنماؤں نے مسجد شاہ محمد غوث میں نماز ادا کی اور بعد از نماز

معمولی سی مشاورت کے بعد جلسہ گاہ کا رخ کیا۔ یہ رہنما احاطہ کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ شی مجسٹریٹ نے احاطے کے اندر کے جلسہ کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اس پر ان کے اور چودھری افضل حق کے درمیان دیر تک بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہجوم سے بات کرنے کا موقع ضرور دیا جائے تاکہ لوگ پر امن طریقوں سے گھروں کو واپس چلے جائیں مگر مجسٹریٹ نے ضد کی۔

سول نافرمانی کا فیصلہ اور شاہ جی کی تقریر

اس صورت حال کو دیکھ کر سید عالی مقام نے احرار رہنماؤں کو مشورہ دیا کہ اب حکومت سے ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا ہے۔ چنانچہ سول نافرمانی کا فیصلہ کر لیا گیا اور بشرط ضرورت جلسہ شروع ہو گیا جس کی صدارت چودھری افضل حق ایم۔ ایل۔ اے نے کی۔

میں نے مرحوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیسیوں تقریریں سنی ہیں مگر اس رات کی تقریر کچھ ایسی تھی جس کا نقش کبھی مٹ نہ سکے گا۔ مگر تقریر سے زیادہ سید صاحب کی تدبیر کا بھی اسی روز قائل ہوا، احاطہ مختصر تھا اور ہجوم زیادہ۔ اور خطرہ یہ تھا کہ باہر کا ہجوم کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے پولیس کو فائرنگ کا بہانہ مل جائے۔ میں نے دیکھا کہ اکثر احرار رہنما (ہر چند کہ وہ بھی شعلہ بیان تھے) بے بسی کے عالم میں تھے۔ اس لئے صدر جلسہ نے اغراض و مقاصد اور صورت حال پر معمولی سی روشنی ڈالنے کے بعد فرمایا کہ آج ہماری باگ دوڑ سید عالی مقام کے ہاتھ میں ہے اس لئے آپ انہی کے احکام کی سماعت کیجئے۔ سید صاحب نے سب سے پہلے باہر کے ہجوم سے خطاب کیا ”اے شمع رسالت کے پروانو! میں جانتا ہوں کہ آج تم شوق شہادت میں یہاں بے تابانہ آئے ہو، مگر حفاظت ناموس رسول ﷺ کی لڑائی تم سے نظم و ضبط کا تقاضا کرتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شہر لاہور بلکہ مسلمانان ہندوستان کا بچہ بچہ اپنی اپنی باری سے قربانی پیش کرے، لہذا جو لوگ دروازے پر باہر کھڑے ہیں۔ دو دو چار چار کی ٹولیاں بنا کر اور بکھر کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔ ان کی باری کل آئے گی اور جو لوگ احاطے کے اندر ہیں وہ پولیس یا فائرنگ کے خوف سے اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں اور ایک نظم اور قاعدہ کے تحت اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیں۔“

شاہجہی کی تقریر

دروازے پر نعل ہوا، معلوم ہوا کہ شاطران شہر کے کچھ کارندے لوگوں کو سید صاحب کی تقریر کے خلاف مشتعل کر رہے تھے اور اس پر ملک لال دین اٹھے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے اور باہر کے ہجوم کو سید صاحب کے اعلان سے باخبر کیا۔ ملک لال دین قیصر موقعہ پر گرفتار ہو گئے، مگر باہر کا ہجوم منتشر ہو گیا۔ اب سید صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ تقریر کیا تھی آنسوؤں اور شعلوں کا اجتماع تھا۔ جوش کی انتہا تھی اور آہ کراہ کی آوازیں ہر طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے سید صاحب کی تقریر کے الفاظ یاد نہیں رہے مگر ایک دو فقرے ابھی تک دماغ میں کبھے ہوئے ہیں۔

”اے مسلمانان لاہور آج جناب رسول ﷺ کی آبرو تمہارے شہر کے ہر دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ اے امت رسول ﷺ آج ناموس محمدی کی حفاظت کا سوال درپیش ہے۔ جو پارہ پارہ ہو گئی تھی، مگر توہین رسول ﷺ کے سانحہ سے آسمانوں کی بادشاہت متزلزل ہو رہی ہے۔“

تقریر سید صاحب کی تھی مگر اس روز سید صاحب اپنی معمول کی تقریر کے موڈ میں نہ تھے اور یہ معلوم ہے کہ سید صاحب کی عام تقریروں میں ظرافت اور بذلہ کا عنصر اصل موضوع کے برابر ہوا کرتا تھا۔ مگر اس روز پانی اور آگ کی ترکیب سے یعنی سرد آہوں اور گرم آنسوؤں کے ملاپ سے ان کی تقریر ڈھل رہی تھی یہ اور ہی طرح کی تقریر تھی۔

شاہجہی کا پولیس سے خطاب

احاطے کے اندر تقریر ہو رہی تھی اور باہر پولیس کی جمعیت زیادہ سے زیادہ صف آرا ہوتی جاتی تھی۔ رات گزری جا رہی تھی اور پولیس والوں کا دل قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ آخر سید صاحب نے پولیس والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ”اے پولیس والو! ہم یہاں صرف انظہار غم کے لئے جمع ہوئے ہیں تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم ہمیں گرفتار کرنا چاہتے ہو تو ہم حاضر ہیں اور اگر ہمارے ساتھ وہ سلوک مطلوب ہے جو ایک سید زادے کو وراثت میں ملا ہے تو ہمارے

سنے اس کے لئے بھی حاضر ہیں۔“ اس پر جلسہ میں شدید زور کی لہر اٹھی اور لوگوں نے کہا ہماری جانیں بھی حاضر ہیں شہر کا کوتوال زیرک آدمی تھا اس نے جلسہ گاہ کے قریب آکر سید صاحب سے کہا کہ آپ جلسہ جاری رکھئے۔ دفعہ 144 صرف باغ کی حدود تک ہے۔ مگر اب پبلک کا جوش بہت بڑھ چکا تھا۔ سینکڑوں آدمی شہادت کے شوق میں بے تابانہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر چودھری افضل حق نے کہا (جو آئینی حدود کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے) صاحبو! وہ وقت بھی آنے والا ہے جب ہمیں تمہاری جانوں کی ضرورت ہوگی مگر ابھی وہ وقت آیا نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہم اس قانون کے پر نچے اڑادیں جو ہمیں توہینِ رسول ﷺ پر اظہارِ غم سے روکتا ہے۔ چنانچہ عام سول نافرمانی کا اعلان ہو گیا۔

شاہِ جی کی گرفتاری

دس دس اور پھر پانچ پانچ آدمیوں کے دستے پلیٹ فارم کے پاس جاتے تھے اور سید صاحب کی قدم بوسی کر کے باغ کی طرف جا کر گرفتار ہو جاتے تھے۔ ہزاروں آدمی اس شب گرفتار ہوئے۔ میرے پاس میرا دوست مولوی خدا بخش کھڑا تھا۔ اس کا بھائی اور اس کے بھانجے سب گرفتار ہو چکے تھے۔ میں نے اس کو روک رکھا تھا کہ تمہارے لوگ جا چکے ہیں۔ تم سب لوگوں کے گھروں میں ایک مرد بھی اب باقی نہیں جو خبر گیری کرے۔ تمہارا جانا مناسب نہیں مگر وہ دیوانہ وار اٹھا اور سید محترم کے قدموں میں جا گرا اور پھر پانچ آدمیوں کے ہمراہ باہر چلا گیا اور گرے کا ڈنڈا کھانے کے بعد گرفتار ہو گیا اور میں (اس وقت بھی صید لاغر کی طرح بے مصرف ہی رہا)

نے خون آنکھوں سے بہا نک نہ ہوا داغ

اے خون شدہ دل تو کسی کام نہ آیا!

جب سول نافرمانی کرنے والوں کی آخری ٹولی بھی چلی گئی تو احرار لیڈروں کی جماعت سید صاحب مرحوم کی سرکردگی میں باہر نکلی اور سید صاحب کے پرورد طریق سلام و صلوة کی گونج میں باغ کے قریب جا پہنچی اور وہیں گرفتار ہو گئی اور اس طرح یہ شب ختم ہو گئی اور

میرے ذہن پر سید عالی مقام کا انٹ نقش چھوڑ گئی۔ احرار کے بڑے بڑے لیڈر تو گرفتار ہو گئے مگر سول نا فرمانی اضلاع میں پھیل گئی اور آخر یہ اثر ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف زبان کشائی کرنے والوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔¹

• بنت امیر شریعتؒ محترمہ سیدہ ام کفیل صاحبہ فرماتی ہیں:

خانقاہ سراجیہ کا نسخہ

سر سکندر والے کیس میں خانقاہ سراجیہ کنڈیاں والے حضرت مولانا احمد خاں صاحب کو جب اباجی نے دعاء کے لئے پیغام بھیجا تو انہوں نے وظیفہ پڑھنے کے لئے بتایا اور ساتھ فرمایا تھا۔ ”جے میں دل ہوندا تے میرا اک رات داکم سی ہن شاہ نوں آکھوتن راتاں پڑھے تے ہوئے گا تماشا“۔

پھر رپورٹ کرنے ہی جعلی تقریر کا بھانڈا برسرِ عدالت پھوڑ دیا۔ اباجی فرمایا کرتے تھے کہ میں بیٹھا پڑھ رہا تھا آنکھیں بند کیں تو تلوار چلتی دیکھی۔

آتا قلندروں کو جس وقت جلال
شاہوں کے سروں سے تاج گر پڑتے ہیں

حضرت رائے پوری اور حضرت امیر شریعتؒ

• جناب حفیظ رضا پُرسورئی لکھتے ہیں:

گو حضرت امیر شریعتؒ، حضرت رائے پوریؒ مرید تھے مگر حضرت رائے پوریؒ ان کو اہم مقام دیتے تھے اور امیر شریعت کے ساتھ انہیں خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔ حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ جدوجہد آزادی میں کئی ایسے مشکل مقام آئے جہاں زندگی اور موت میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ جاتا تھا۔ مگر حضرت رائے پوریؒ کی خاص روحانی توجہ سے وہ مرحلے آسانی سے طے ہو جاتے۔ شاہ صاحب کو جب کبھی فرصت ملتی تو وہ حضرت کی خدمت میں رائے پور تشریف لے جاتے اور ان کے فیضانِ نظر سے مستفید ہوتے رہتے۔

جب 1950ء میں حضرت رائے پوری بیماری کی حالت میں بغرض علاج لاہور تشریف لائے تو شاہ جی بھی ملتان سے لاہور پہنچ گئے اور شب و روز حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔

حضرت رائے پوری اکثر انہیں دعا کے لئے کہتے اور شاہ جی نظریں جھکا لیتے۔ میں ان دنوں لائل پور تعینات تھا۔ ایک دن قاضی جی (قاضی احسان احمد شجاع آبادی) بھاگے بھاگے آئے، فرمانے لگے۔ لاہور چلنا ہے۔ حضرت رائے پوری کی حالت تشویشناک ہے۔ ہم بذریعہ کار لاہور پہنچے۔ حضرت کا قیام ڈیوس روڈ کے قریب اپنے عقیدت مند حاجی عبدالمبین کے ہاں تھا۔ ہم وہاں پہنچے۔ حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور مشتاقانِ دید کا ہجوم ارد گرد محدود تھا۔ اندر ایک کمرے میں شاہ بی اور شیخ حسام الدین بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ ساتھ کے کمروں میں آغا شورش کاشمیری، ماسٹر تاج الدین انصاری، جناب عبدالوحید وزیر مغربی پاکستان، سابق جنرل حق نواز، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبید اللہ انور، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عزیز الرحمن لدھیانوی اور دہلی سے آئے ہوئے کچھ اور بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں باہر صحن میں بیٹھا تھا اور حضرت رائے پوری بسترِ علالت پر تھے۔ سب لوگ بارگاہ رب العزت میں حضرت کی صحت کی دعا کر رہے تھے۔ حضرت نے آنکھیں بند کر رکھیں تھیں۔ میں نے ایک بار یہ شعر پڑھا:

خوابہ من نگہدار
آبروئے گدائے خویش

میری حیرانی کہ حد نہ رہی۔ کہ حضرت نے آنکھیں کھول کر میری طرف مختصر ادیکھا اور پھر محوِ استراحت ہو گئے۔ قاضی جی نے دیکھا تو حیران ہوئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ شعر پڑھا تھا۔ فرمانے لگے کہ حضرت کا روحانی تصرف تھا۔ اب نہ پڑھنا۔ حضرت کو آرام کی ضرورت ہے۔ پھر میں اور قاضی صاحب۔ اندر شاہ جی کی خدمت میں جا بیٹھے۔ شاہ جی حضرت سے اپنے تعلق کے واقعات سن رہے تھے۔ فرمانے لگے:

آپ کی تقریر نفلی عبادت کی ضرورت پوری کر دیتی ہے

آزادی برصغیر اور تحریک ختم نبوت کی مسلسل جدوجہد کے دوران انہوں نے محسوس کیا کہ جب وہ رات کے پچھلے پہر تہجد کے لئے اٹھتے ہیں یا اٹھنا چاہتے ہیں تو اکثر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے اذ حد پریشان تھے۔ انبالہ کی ایک ملاقات میں انہوں نے اپنی اس مشکل کا تذکرہ حضرت رائے پوری سے کیا تو انہوں نے پڑھنے کے لئے ایک وظیفہ بتا دیا۔ شاہ جی نے پڑھا تو اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی کہ نیند بالکل غائب ہو گئی۔ اور اشد ضرورت کے وقت بھی نیند نہ آتی تھی۔ رات گئے تقریر کے بعد جب قیام گاہ پر آتا تو بقیہ وقت کروٹیں بدل بدل کر گزر جاتا مگر تہجد ضرور ادا ہو جاتی۔ اس سے اذ حد پریشانی رہی۔ کچھ دوائیاں بھی استعمال کیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جماعتی کاموں میں بے پناہ مصروفیت کے سبب حضرت رائے پوریؒ سے جلد ملاقات نہ ہو سکی۔ آخر دو ماہ بعد سہارنپور میں ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے کہ مجھے بھی اس کا بے حد فکر رہا۔ آپ (شاہ جی) کے اصرار پر وظیفہ بتا دیا تھا۔ وگرنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ حقیقتاً آپ کی جدوجہد اور تقریر ہی عبادت کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ کسی نفلی عبادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آپ کی تقریر ہی عبادت نفلیہ کی ضرورت پوری کر دیتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ تقریر کے بعد نماز فجر تک آرام کیا کریں۔ اس کے بعد نیند کی حالت معمول کے مطابق ہو گئی۔ میں سو بھی لیتا تھا۔ تہجد بھی ادا کر لیتا تھا اور بروقت نماز فجر کے لئے تیار بھی ہو جاتا تھا۔ تھکاوٹ یا نیند کی کمی کا پھر کبھی احساس نہ ہوا۔¹

شاہ جیؒ! اور ٹوپی

ایک مرتبہ شاہ جیؒ بنگال کے ضلع دیناج پور کی جیل میں بھیجے گئے۔ وہاں اندرون جیل مولانا عبداللہ الباقی اور دیگر علماء اور رہنمایان بنگال پہلے سے موجود تھے۔ شاہ جی کے سر پر مراد آبادی ٹوپی تھی۔ ان لوگوں نے بھی دیکھا دیکھی مراد آبادی ٹوپیاں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ جیل کے انگریز افسروں کو یہ ٹوپیاں سخت ناگوار تھیں اور سب سیاسی قیدیوں نے یہ

1. ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ امیر شریعت نمبر، حصہ دوم، ص 188-187

فیصلہ کر لیا کہ انگریزوں کو یہ ناگوار ہیں تو ہم ان کا استعمال ہرگز ترک نہ کریں گے۔
ایک دن سپرنٹنڈنٹ جیل اور مسٹر سمپسن (Simpson) انسپکٹر جیل خانہ جات
معائنہ کے لئے آئے اور تمام سیاسی قیدیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

یہ گاندھی کیپ ہیں، انہیں آپ لوگ نہ پہنا کریں۔

شاہ جی نے آگے بڑھ کر فرمایا:

یہ گاندھی کیپ نہیں بلکہ مراد آبادی کیپ ہیں۔

مگر گاندھی کیپ کے متعلق اصرار جاری رہا۔ شاہ جی نے غصہ میں فرمایا تو پھر یہ قمیض
بھی گاندھی ہے اور یہ پاجامہ بھی۔

اس پر سمپسن بہت چڑا، اس نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو حکم دیا کہ ان سب کی ٹوپیاں
اتر والو۔

یہ حکم سنتے ہی اکثر اصحاب نے ٹوپیاں خود بخود اتار کر جیل سپرنٹنڈنٹ کے حوالے کر دیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل شاہ جی کی طرف بڑھا اور کہا کہ آپ بھی ٹوپی اتار دیں۔

شاہ جی نے فرمایا: سر اترنے سے پہلے یہ ٹوپی نہیں اتر سکتی۔ پہلے سر اتارو پھر

ٹوپی اتار لینا۔ شاہ جی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر میری ٹوپی پر اس نے ہاتھ ڈالا تو

دونوں افسروں کو گرا کر آج میں سمپسن کا خون پیوں گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ

اس وقت میرے سامنے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کا خون تھا اور میری صحت بھی

ماشاء اللہ بہت اچھی تھی۔ جب سپرنٹنڈنٹ جیل نے شاہ جی کی طرف ہاتھ بڑھایا

تو آپ نے اس کی کلائی پکڑ لی اس پر کچھ اس قسم کی ہیبت طاری ہوئی کہ چوٹی

سے لے کر ایڑی تک وہ پسینہ میں لت پت ہو گیا اور وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ شاہ جی نے

اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ دونوں افسر بڑھاتے ہوئے احاطے سے باہر چلے گئے۔

اس کے بعد ادھر تمام رفقاء جیل سمجھے کہ شاہ جی پر بڑی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹے

گا اور جب سمپسن دفتر پہنچا ابھی آرام سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ دو پستولوں سے مسلح

ٹیریرسٹ جو ان آئے اور انہوں نے سمپسن کو لاکر کر کہا:

تیار ہو جاؤ مسٹر سیمپسن (Resdy mr. Simpson) پھر بیک وقت دونوں نے فار کئے چشم زدن میں سیمپسن خاک کا ڈھیر تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب شاہ جی اور ان کے رفقاء کو اطلاع ملی تو شاہ جی نے مارے خوشی کے زور سے کہا۔ وہ مارا گیا ان کی اس گرج پر رفقاء گھبرا گئے کہ کہیں اس سازش میں ہم پر مقدمہ نہ قائم ہو جائے۔ شاہ جی نے فرمایا ظالم دشمن مارا ہے۔ اب بھی خوشی نہ منائیں۔¹

عشق رسول ﷺ

شاہ صاحب کو رسول اکرم ﷺ سے حد درجہ عشق تھا جو بات بات میں زبان پر آتا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:

”خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت، انگریز کی بغاوت، یہ میرا ایمان ہے اور رہے گا۔ خدا معبود ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ محبوب اور انگریز مغضوب۔ خدا کو جو جی میں آئے کہو اس کا محاسبہ خود کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں، عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا اور نہ اپنے پر اختیار۔ پھر یہ نہیں سوچا جائے گا کہ قانون کیا کہتا ہے اور زمانہ کیا چاہتا ہے۔ پھر جو ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔“²

اور حج لا جواب ہو گیا

حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ نے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے پوچھا کہ تحقیقاتی عدالت میں حضرت شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ) نے مرزائیوں کے بارے میں کیا بیان دیا تھا۔ قاضی صاحب نے جواباً عرض کیا کہ جب چیف جسٹس مسٹر محمد منیر نے شاہ صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب مجھ پر لدھارام والا مقدمہ چلایا گیا تھا اور لدھارام کے بیان پر مجھے بری کر دیا گیا تھا تو آخری پیشی پر سرکاری وکیل نے یہ سوال بھی اٹھایا تھا کہ یہ مرزا کو کافر کہہ کر منافرت پھیلاتے ہیں۔

1. شاہ جی کے علمی و تقریری جواہر پارے ص 340 تا ص 242 از اعجاز احمد سنگھانوی

2. شاہ جی کے علمی و تقریری جواہر پارے ص 156، 157

اس پر انگریز چیف جسٹس مسٹرینگ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا آپ مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں تو میں نے کہا تھا ہاں۔ میں ایک دفعہ نہیں کروڑوں دفعہ اسے کافر کہا ہے۔ اب بھی کہتا ہوں اور مرتے دم تک کہتا رہوں گا۔ یہ تو میرا دین و ایمان ہے۔ اس پر مسٹرینگ نے سرکاری وکیل سے کہا تھا کہ لو ان سے اور سوال کرو۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ آپ کا مرزا کو کافر کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ قصہ مسٹر محمد منیر کو سنا کر شاہ صاحبؒ نے کہا کہ عیسائی حج نے تو اس طرح کہا تھا۔ اب معلوم نہیں مسلمان عدالت کیا کہتی ہے۔ یہ سن کر مسٹر منیر نے بھی آپ کو یہی کہا کہ آپ تشریف لے جائیں۔¹



www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

الہلال کی زبان کا عوامی ترجمان

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے الہلال کے ذریعہ قوم میں حریت و آزادی کی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ لیکن الہلال سے پڑھا لکھا طبقہ استفادہ کر سکتا تھا۔ جب کہ ان پڑھ اس کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اسے عوامی زبان مہیا کرتے۔ شاہ جیؒ نے اسے عوام کی زبان میں ڈھال کر قوم کو انگریز کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔

..... چنانچہ جناب عبداللطیف ایم اے رقمطراز ہیں:

1926ء کا زمانہ تھا کہ الہلال نے ہندوستان کے مطلع صحافت پر طلوع ہو کر مسلمانوں کو خواب غفلت سے جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ نیند کے ماتے آنکھیں ملنے ہوئے اٹھے۔ ایک انقلابی انگڑائی لی اور کلکتہ سے بلند ہونے والی صدا پر گوش برآواز ہو گئے۔ یہ صدا دل نواز تو تھی۔ لیکن اس کا مکمل ادراک ہر ایک کے بس کا روگ نہ تھا۔ الہلال کی زبان ابوالکلام کی زبان تھی جسے پوری طرح سمجھنا تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے ہی ممکن تھا۔ وقت مقتضی تھا، کہ اس انقلابی پیغام کا کوئی ترجمان ان عوام تک پہنچے۔ جو ابوالکلام آزادؒ کی انشاء پر دازانہ عظمت کا صحیح شعور نہ رکھنے کے باعث اس کی روح تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ اور ان کی زبان میں انہیں یہ پیغام پہنچائے۔

چالیس برس تک آزادی کی شمع جلائے رکھی

اسی دور میں امرتسر کے چھوٹے سے شہر سے ایک لاکار گوچی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک

عظیم خطیب کے روپ میں برصغیر کے طول و عرض پر چھاگئی ایک بوریائشیں طالب علم نے بیک وقت اپنے غیر معروف مدرسے اور معمولی مسجد کی امامت سے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی اقلیم پر حکومت کی طرف قدم بڑھایا۔ کم و بیش چالیس برس تک، قریہ، قریہ، بستی بستی میں آزادی کی پکار بلند کی اور مسلمانوں کے دل میں جذبہ حریت بیدار کرنے میں کسی بھی واحد شخصیت سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ پڑھے لکھوں نے سنا تو جھوم گئے۔ عوام نے سنا تو برستی گولیوں اور چلتی لائھیوں کے سامنے سینے تان دیئے۔ انگریزی استعمار کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی اور حریت پسند کی طرح اس شخصیت کو بھی مرحلہ دارورسن سے روشناس کر گئی اور اس کے بعد یہ سعادت اس کی زندگی کا اہم حصہ بن گئی۔

عہد نبوی ﷺ کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت

یہ لاکار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تھی جو بلاشبہ اس صدی کے عظیم ترین خطیب تھے۔ اور جن کی ذات گرامی پر کسی بھی قوم کو فخر ہوتا، جو اس نفس پرستی اور خود غرضی کے دور میں ایثار و قربانی، فقر و بے نیازی اور غذا پرستی اور تقویٰ کا ایک ایسا نمونہ تھے۔ جو عہد نبوی کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت معلوم ہوتا ہے جب ہندوستان میں جذبہ حریت اور ناموس حفاظت رسالت کی تاریخ لکھی جائے تو شاہ جی کا نام نامی سرفہرست آتا ہے اس دور میں کسی مقصد سے لگن اور اس کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینے کا کوئی عمل مکمل نمونہ اگر ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ شاہ صاحب کی ہی ذات گرامی ہے۔ ان پر کون سی مصیبت نہیں آئی اور دنیوی تکالیف کا کون سا ایسا مرحلہ ہے جس میں وہ نہ گزرے ہوں۔ لیکن کہیں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ ہوئی، نہ فاقہ مستی ان کے لئے باعث رکاوٹ بن سکی اور نہ ہی قید و بند کی صعوبتوں نے انہیں اپنے مقاصد سے روکنے میں کامیابی حاصل کی۔

یوں تو ہندوستان میں بیسوں لیڈر گزرے ہیں اور ان میں سے کسی کے مقام سے بھی انکار کرنا غلط ہوگا۔ لیکن یہ سعادت کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ کہ کلکتہ سے پشاور اور کشمیر سے اس کماری تک اسے ایک ہی جیسے احترام اور خلوص سے سنا گیا ہوا..... دیہات کے عوام میں آزادی کی لہر دوڑانے میں جو کردار شاہ صاحب نے ادا کیا ہے اس کا بھی کوئی جواب

ہندوستان میں نہیں ملتا۔ شاہ صاحب سچ گوئی کی ایک مثال تھے انہوں نے جس قدر درست سمجھا اسے برسر دار بھی کہا۔ اور پابہ زبخی ہو کر بھی کہا جب برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ انہوں نے انگریزی استعمار کو لاکار۔ یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے لیڈر بھی مکمل آزادی کا نام نہ لیتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر انہوں نے اس وقت انگریزوں سے عدم تعاون اور فوجی بھرتی نہ دینے کا اعلان کیا۔ جب سورج اور آزادی کی مالا چلنے والی اشیاء کی عظیم جماعت کانگریس بھی سوچ بچار میں مبتلا تھی۔

شاہ صاحب اپنی ذات میں ایک تحریک تھے۔ وہ تھا ایک عوامی تحریک برپا کر سکتے تھے۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کشمیر اور تحریک ختم نبوت ان کی خطابت کا ایک اعجاز ہیں۔ وہ جس مسئلے کو چاہتے عوام کے دل کی آواز بنا سکتے تھے۔ انہیں اس بات پر قدرت حاصل تھی کہ سامعین کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیں وہ اگر اپنے مخاطبین سے چٹانوں سے ٹکرا جانے کو کہتے وہ بلا جھجک کر گزرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جو لوگ گھر سے شاہ صاحب کا ایک لفظ نہ سننے کی نیت سے آئے جلسہ میں اپنے جیب و داماں کی آخری متاع شاہ صاحب پر نثار کر گئے ان کی تقریر کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ پوری جلسہ گاہ کو قرون اولیٰ کے ماحول میں لے جاتے ان کو جادو کر دینے والی شخصیت جب اسٹیج پر نمودار ہوتی تو دل خراج عقیدت پیش کرتے اور جب حجازی لہجے میں خطبہ مسنونہ پڑھتے۔ تو بدترین مخالف بھی موم ہو جاتے اور پھر چند لمحوں میں یہ کیفیت ہوتی کہ۔

دیکھنا تقریر کی لذت کو جو اس نے کہا

میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

شاہ جی اگر کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتے تو ان کے نام پر متعدد ادارے وجود میں آتے اور ان کے مجسمے چوراہوں کی زینت بنتے۔ لیکن وہ جس قوم میں پیدا ہوئے وہ لعل و جواہر کو مٹی میں ملا دینے والی قوم ہے۔ اس میں جوہر قابل کی شناخت ہے نہ قدر، ورنہ وہ جس قوم کی قیادت تھے اگر اسے پہچان لیا جاتا تو اس کیفیت میں زندگی بسر نہ کرتے جس طرح کے شب و روز ان پر بیت گئے۔

حلم، عجز اور تواضع کا پیکر

شاہ صاحبؒ کے خلوص سے ان کے دشمنوں کو بھی انکار ممکن نہیں۔ لیکن ان کے کردار کا سب سے اہم پہلو یہ تھا۔ کہ عوام میں جو مقبولیت انہیں اپنے دور میں نصیب ہوئی۔ اور جس چاہت اور اشتیاق سے عوام نے انہیں سنا اور جان و مال کی قربانیاں دیں وہ کسی اور لیڈر کو یقیناً نہ ہو سکی اس کے باوجود شاہ صاحب کو غرور اور تکبر چھو نہ گیا تھا۔

انہوں نے پیشہ و سیاست دانوں اور نام نہاد مشائخ و علماء کی طرح اپنے گرد و پیش جاہ و حشم کا کوئی اہتمام نہیں کیا، اس کے بالکل برعکس وہ انکسار، تواضع اور حلم کا پیکر تھے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ رضا کار اور وزیر و امیر قلندر کی بارگاہ میں برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ جب لاکھوں عوام ان کی تقاریر پر سر دھن رہے ہوتے وہ اپنے مرشد حضرت عبدالقادر رائے پوری کے ارشاد کے مطابق خدا سے دُعا مانگ رہے ہوتے کہ پروردگار میرا کوئی ایک لفظ قبول کر لے۔ اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اثر رکھتا تھا۔ کیونکہ خلوص..... میں ڈوبا ہوا تھا نہ کہ محض لذت بیان کی خاطر ارشاد ہوتا تھا۔¹

ایک لاثانی خطیب

خوردوں کو بزرگ بنانے اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے والے بہت کم ملیں گے۔ اللہ پاک نے شاہ جیؒ کو اس عظیم وصف سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ کے زیر سایہ کام کرنے والے تمام ورکر بھی آگے چل کر آسمانِ خطابت کے ماہ و انجم بنے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے چالیس سال مہتمم رہنے والی شخصیت حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی اپنی نوعیت میں بلاشبہ ایک معیاری زندگی ہے جہاں تک زندگی کے جزئیاتی معاملات کا تعلق ہے مجھے چونکہ اس زندگی میں ان سے زیادہ..... معیت میسر نہیں ہوئی، اس لئے ان کی زندگی کے جریات اور عوامی گوشوں پر روشنی ڈالنا یا سیر حاصل تبصرہ کرنا میرے لئے دشوار ہے، البتہ جہاں تک مجموعی زندگی کے اصولی نقشے کا تعلق

ہے اس کے بارے میں بلا جھجک یہ عرض کر سکتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی ایک بے مثال خطیب کی زندگی ہے جس پر قوم کو ہمیشہ ناز رہے گا معرکتہ الاراء و خطابت اور شعلہ بیانی ان کی ایک ایسی زبردست خصوصیت رہی ہے جس میں وہ اپنے معاصرین میں ہمیشہ منفرد اور ممتاز رہے ہیں اور اس خداداد جوہر کے ساتھ انہوں نے اسلام اور اس کے مسلک حق کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں جس خوبصورتی اور خوبی کے ساتھ پہنچایا ہے وہ انہی کا حق تھا یہ جوہر اور قرآنی اعجاز..... کا پر تو ان کی قلب پر حق تعالیٰ نے خاص طور پر ڈالا تھا جس سے انہوں نے حق ہی کا کام کیا اور حق ہی کے راستے کی ہمیشہ دعوت دیتے رہے۔

جہاں تک ان کے بیانات سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ہے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ان کے سامنے کھلا ہے اور وہ اس کے بلیغ اور موجز جملوں کی مجسم شرح و تفسیر بنے ہوئے ہیں سحر بیانی سے مجمع کو باندھ کر رکھ دینا گویا ان کا اختیاری فعل ہوتا ہے کہ جب چاہیں اسے کھول دیں اور جب چاہیں باندھ رکھیں۔ پھر یہ ان کے بیان کی بلاغت و سلاست کی خوبی تھی کہ مسلم و غیر مسلم مکمل طور پر ان سے مستفید ہوتے تھے اور دست و پا بستہ ہو جاتے تھے۔

مجلس احرار کے ذریعہ انہوں نے ملک اور قوم کی جو عظیم خدمات ایک طویل مدت تک انجام دیں برصغیر ہندو پاک کا گوشہ گوشہ ان پر گواہ ہے تحریک آزادی پاک و ہند کی تاریخ میں انہیں ایک بلند مقام اور عظیم خصوصیت حاصل ہے۔ اس دور میں راہیں الگ الگ تھیں اور ایک کی رائے کا دوسرا پابند نہ تھا لیکن ان کے ذہنی جوہروں کے معترف ان کے مخالف بھی تھے اور ان سے متاثر بھی ہوتے تھے کبھی سفروں میں اتفاقی طور پر ساتھ ہو محسوس ہوتا تھا کہ وہ مقناطیس کی حیثیت سے ہیں اور لوگ بمنزلہ لوہا پیتل کے ہیں جو کھینچ کھینچ کر ان سے چسپاں ہو رہے ہیں اور چیدگی کے ساتھ ان کے ارد گرد جمع ہیں۔ میرے لئے موجب ناز ہے کہ ممدوح کو میرے ساتھ خصوصی محبت اور ساتھ ہی شفقت بھی رہی ہے اگر کبھی کسی جلسے میں ان کے سامنے میری تقریر ہوئی تو غیر معمولی طور پر خوش ہو کر ہمیشہ تحسین و آفرین کا برتاؤ فرمایا بلکہ اسے لکھوانے کا اہتمام بھی کیا۔

خور دنوازی

ان کی خور دنوازی کی شان تھی جس سے محبت اور وفا مترشح ہوتی تھی کبھی کبھی مجھ سے حوصلہ افزائی کے لہجے میں فرماتے کہ تیری ایک تقریر سے میں کئی وعظ بنا لیتا ہوں۔ امرتسر میں ایک مرتبہ مسجد خیر الدین میں میری تقریر ہوئی تو خود بھی اس میں موجود تھے اور باوجود اپنی بے مثال خطابت اور اس بارے میں صاحب فن ہونے کے تقریر اس طرح سن رہے تھے جیسے کوئی مستفید اور مبتدی کرتا ہے اور کلمے کلمے پر بزرگانہ انداز سے داد و تحسین کے کلمات و اشارات کہے جاتے تھے میں واپس ہوا تو اسٹیشن تک ساتھ آئے اور پھولوں کا ہدیہ ایسے انداز سے عطا فرمایا جیسے کوئی اپنے بڑے کو نذر دیا کرتا ہے یہ ان کی قوتِ تواضع اور ہضمِ نفسی کی دلیل ہے خطباء میں تواضع کے ساتھ ساتھ مستفیدانہ انداز کا حامل میں نے انہیں کو دیکھا ہے ورنہ عموماً خطباء دوسرے کی خطابت سے استفادہ کو کسر شان سمجھتے ہیں لیکن وہ کسر شان کے بجائے کسرِ نفسی کا جذبہ لے کر دوسروں کی خطابت سے ہمیشہ مستفیدانہ رنگ سے استفادہ کرتے تھے یہ درحقیقت ثمرہ ہے ان کی وابستگی کا۔ اور بزرگوں کے سلسلے میں منسلک ہونے کا۔

ایک روشن ضمیر اور صاحبِ دل انسان

ممدوح حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے اور اپنے شیخ کی توجہات کا مرکز بھی۔ جس سے خود شیخ کو تعلق ہے اس کا قدرتی اثر تواضع اور انکسار طبع ہی ہو سکتا ہے جو ان میں بحمد اللہ بدرجہ اتم موجود تھا اور اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ بخاری صرف ایک مثالی خطیب ہی نہیں بلکہ ایک روشن ضمیر اور صاحبِ دل انسان بھی تھے۔ جنہیں ہمیشہ بزرگوں سے قلبی رابطہ اور عقیدت کا رشتہ رہا ہے۔

شاہ جیؒ کی مسحور کن شخصیت

مولانا محمد منظور نعمانی رقمطراز ہیں:

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام سب سے پہلے اس ناچیز نے اس وقت پڑھا جب لاہور کے ایک دریدہ دہن آریہ سماجی نے اللہ کے رسول سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلاف ایک نہایت گندی، اور رسوائے عالم کتاب لکھ کر شائع کی، اس کتاب کا نام بھی اتنا خبیث اور دل آزار تھا کہ شریف آدمی خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو، دلی تکلیف کے بغیر وہ نام نہیں لے سکتا..... ہندوستان کی فرقہ وارانہ فضا شدھی سنگھٹن کی فتنہ انگیز تحریک نے پہلے ہی سے کافی خراب کر دی تھی، اس کتاب کی اشاعت نے آگ پر جلتی کا کام کیا..... اور مسلمانوں میں سخت ہیجان بلکہ طوفان برپا ہو گیا۔

اس سلسلہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور میں ایک تقریر کی تھی، اس کا اثر یہ ہوا تھا کہ پردہ نشین خواتین نے اپنے بچے ان کے قدموں میں ڈال دیئے تھے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر قربان کر دو۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس تقریر پر گرفتار کر لئے گئے، ان پر مقدمہ چلا بالاخر ان کو غالباً دو سال کی قید سخت ہوئی۔

بہر حال جہاں تک اب یاد ہے میرے دل میں ان کی غائبانہ محبت کا بیج اسی زمانہ میں، اخبارات میں ان کا تذکرہ دیکھ دیکھ کر پڑا۔ پھر مختلف تحریکوں اور سرگرمیوں کے سلسلہ میں اخبارات میں ان کا نام آتا رہا۔

یہاں تک کہ ایک وقت اخبارات میں آیا کہ انجمن خدام الدین لاہور کے جلسہ میں (جس میں پنجاب کے علماء حق کی ایک بڑی تعداد شریک تھی) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت قرار دیئے گئے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم دین اور سب سے بڑی دینی درس گاہ..... (دارالعلوم دیوبند) کے صدر و شیخ الحدیث، استاذ ناو استاذ العلماء حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ (قدس سرہ) نے بحیثیت امیر شریعت ان کے ہاتھ پر بیعت کی..... اخبارات میں یہ خبر پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر اپنی نظر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی عظمت و اہمیت پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی اور دید و ملاقات کا دل میں بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا۔

ان کے نام کے ساتھ ”بخاری“ اور ”شاہ“ کے پر عظمت ضمیمے لگے ہونے کی وجہ سے میرا تصور اس وقت ان کے بارہ میں یہ تھا کہ ان کی شکل و صورت بخاری علماء کی سی اور وضع و ہیئت مشائخ طریقت کی سی ہوگی۔ لیکن اتفاق کی بات عرصہ تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔

میں 1930ء میں امر وہہ (ضلع مراد آباد) میں مدرس تھا، حسن اتفاق کہ اس سال

جمعیتہ العلماء اور اس کے کاموں سے خاصی دلچسپی تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ چند ہی مہینے پہلے آل انڈیا کانگریس نے اپنے لاہور کے اجلاس میں 1928ء والی اس نہر رپورٹ کو منسوخ قرار دے کر جس کی بناء پر 1929ء میں جمعیتہ علماء ہند بھی کانگریس سے الگ ہو گئی تھی اور آزادی کامل کی تجویز پاس کی تھی۔ اور پھر اس کے بعد گاندھی جی نے نمک سازی کی شکل میں انگریزی اقتدار کے خلاف سول نافرمانی کی جنگ گجرات سے شروع کر دی تھی۔ بہر حال امر وہہ میں جمعیتہ العلماء کا یہ اجلاس، اس زمانہ اور اس ماحول میں ہونے والا تھا۔

جمعیتہ کا اجلاس شروع ہونے سے ایک دو دن پہلے ہی قریبی مقامات سے جمعیتی رضا کاروں کے جتھے انتظام کے لئے آنا شروع ہو گئے میرے وطن سنبھل کا ایک جتھا ایک دن پہلے پہنچنے والا تھا اس میں کے بعض آدمی علی الصبح پہنچ گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہمارا جتھا ایک جلوس کی شکل میں امر وہہ میں داخل ہو، اس جلوس میں کچھ اونٹ ہوں، ان پر نقارے ہوں، اس لئے ہمارے واسطے اونٹوں اور نقاروں کا انتظام کر دیا جائے۔ (در اصل سنبھل کے رضا کار اس طرح کے ”ججازی“ جلوس نکالا کرتے تھے) ہم لوگ جو امر وہہ میں اس وقت اجلاس کے کاموں کے ذمہ دار تھے، ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا، قریباً 8-9 بجے صبح کا تھا، مجلس استقبالیہ کے دفتر میں بیٹھے ہم اسی مسئلہ پر مشورہ کر رہے تھے کہ اونٹوں نقاروں والا یہ ججازی نما جلوس یہاں نکلنا مناسب ہے یا نہیں میری اور اکثر کارکنوں کی رائے اس وقت کے حالات میں جلوس کے حق میں تھی۔ لیکن ہم سب کے مخدوم اور ہر حیثیت سے بزرگ حضرت حافظ عبد الرحمن صاحب (مدرسہ اسلامیہ امر وہہ) رحمہ اللہ علیہ کی رائے نہیں تھی۔ ان کو غالباً اس کے جواز میں بھی شبہ تھا۔ یا وہ اس کو ثقاہت اور سنجیدگی کے خلاف سمجھتے تھے۔

شاہ جی سے پہلی ملاقات

یہ مشورہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک دو حضرات دفتر میں داخل ہوئے ان میں ایک تو حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے جو میرے لئے جانے پہچانے ہی نہیں بلکہ میرے استاد تھے اور ان کے ساتھ جو دوسرے صاحب تھے ان کو ہم سے کوئی نہیں پہچانتا تھا، ان کی وضع یہ تھی کہ ہاتھ میں بہت موٹا سا ایک سونٹا، جسم پر کھدر کا چھوٹا سا قمیض نمایم آستین کرتا،

اور غالباً کھدر ہی کا رنگا ہوا نیلا تہبند، جسم بالکل پہلوانوں کا سا میں یہ سمجھا کہ یہ مفتی صاحب کے ساتھ کوئی رضا کار ہیں۔ اتنے میں خود مفتی صاحب نے بتایا کہ یہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں، یہ سن کر سب کی، خاص کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیوں کہ میرے تصور میں تو ان کی صورت اور وضع بخارہ کے کسی مقدس شیخ خانقاہ کی سی تھی، مصافحہ اور ملاقات کے بعد بڑی بے تکلفی کے ساتھ شاہ صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا، کیا ہو رہا ہے؟

میں نے کہا کہ ہم لوگ ایک چھوٹے سے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں سنبھل کے رضا کاروں کا جھٹھا آرہا ہے وہ اس طرح کا جلوس نکالنا چاہتا ہے۔ ہم میں سے کچھ کی رائے ہے کہ نکلنا چاہیے اور بعض حضرات اس کو ٹھیک نہیں سمجھتے۔ شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ اس وقت کے مفتی ہم ہیں، ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسا جلوس نکلنا چاہئے۔ منگو او اونٹ اور نقارے ایک اونٹ پر میں خود بھی بیٹھوں گا۔

اس عاجز کی سب سے پہلی ملاقات شاہ صاحب سے یہی تھی اور ان کے انداز و مزاج کا یہ پہلا تجربہ تھا، جہاں تک یاد ہے یہ جمعہ کا دن تھا۔ جلوس کی تیاریاں فوراً شروع ہو گئیں۔ اور اسی شان سے جلوس نکلا، اور پورے بازار کا اس نے گشت کیا، مشورہ سے یہ بھی طے کر لیا گیا تھا کہ آج بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں شاہ صاحب کی تقریر ہوگی۔ (واضح رہے کہ اجلاس بھی جامع مسجد ہی میں ہونے والا تھا، اسی میں پنڈال بناتا تھا) جلوس ہی نے شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان کیا۔ اس زمانہ میں شاہ صاحب کی اخبارات میں دھوم تھی اور ان کی زندگی کے بعض واقعات نے مسلمانوں کے بہت بڑے طبقہ کو ان کا نادیدہ عاشق بنا دیا تھا۔ پھر امر وہہ میں بلکہ ہمارے اس علاقہ ہی میں شاہ صاحب کی یہ پہلی آمد تھی۔ اور اس دن امر وہہ میں کوئی دوسرا جلسہ بھی نہیں تھا (کیوں کہ دونوں جمعیتوں کے باقاعدہ جلسے کل سے شروع ہونے والے تھے) اس لئے شاہ صاحب کی تقریر سننے کے لئے آج بہت سے لوگ بھی آگئے جن کی دلچسپی دوسری جانب تھی اور جمعیۃ علماء ہند کے وہ سخت مخالف تھے۔

امروہہ میں پہلی تقریر نے کا یا پلٹ دی

نماز جمعہ کے بعد تقریر شروع ہوئی۔ یہ پہلی تقریر تھی جو اس ناچیز نے شاہ صاحب کی

سنی، اس میں بالکل مبالغہ نہیں کہ پورا مجمع بالکل مسحور تھا۔ جمعیت علماء کے مخالفین کی طرف سے اس وقت دو باتوں کا خاص طور سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔ ایک یہ کہ یہ دیوبندی وہابی ہیں، نجدیوں کے حامی ہیں۔ دشمن رسول ہیں (معاذ اللہ) اس دوسری بات کے اچھالے جانے کی خاص وجہ یہ تھی کہ دوسری جمعیت کے اجلاس کا داعی اتفاق سے امروہہ کا وہ عنصر تھا جس کے نزدیک دیوبندی وہابیوں کی تکفیر کے سوا مسلمانوں کی زندگی کا کوئی دوسرا مسئلہ قابل توجہ نہیں تھا۔ شاہ صاحب کے علم میں یہ صورت حال ہم لوگوں کے ذریعہ آچکی تھی، اس لئے ساری تقریر کا محور یہی دو مسئلے رہے۔ اس تقریر نے لوگوں کو انتہا متاثر کیا کہ اپنی پوری زندگی میں کسی تقریر کا ایسا اثر مجھے یاد نہیں، رسول دشمنی والے ناپاک اتہام کے سلسلہ میں کچھ کہتے ہوئے جب شاہ صاحب نے مولانا جامیؒ کے دو شعر ایک موقع پر پڑھے تو دو آدمی تڑپ کر بے ہوش ہو گئے، جن کو بہت دیر کے بعد ہوش آیا..... یہ تقریر قریباً ڈھائی گھنٹہ تک ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ اسی پہلی تقریر نے سینوں کو انگریز دشمنی کے جذبہ سے بھر دیا اور امروہہ کی فضا کو جمعیت کے حق میں اور آزادی کی جنگ میں شمول کے لئے آمادہ کر دیا۔

اس فضا میں اس تجویز کے پاس کرا لینے میں سب سے زیادہ حصہ عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہی کا تھا۔ عام و خاص مجالس کی اس شخص کی تقریروں نے فضا پلٹ دی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا بندہ تقریر نہیں کرتا سحر کرتا ہے۔ بعض مخصوص ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحبؒ کی گرفتاری کے احکام آ گئے ہیں اور وہ اجلاس ختم ہونے کے بعد روانگی کے وقت گرفتار کر لئے جائیں گے۔ چونکہ طے شدہ پالیسی یہ تھی کہ وہ حتی الامکان گرفتاری سے اپنے کو بچائیں اس لئے یہ چال چلی گئی کہ آخری رات کے آخری اجلاس کے لئے ان کی تقریر کا خاص طور سے اور بار بار اعلان کیا گیا اور اس طرح عوام کو مشتاق بنانے کے ساتھ پولیس کو بھی شاہ صاحب کے بارہ میں مطمئن کر دیا گیا اور ہوا یہ کہ شاہ صاحب ایک بڑے عجیب و غریب طریقہ پر دن ہی میں امروہہ سے نکل گئے اور امروہہ کا اسٹیشن چھوڑ کر ایک دوسرے قریبی اسٹیشن سے انہوں نے سفر کیا، اور یہ سب کچھ اس طرح ہوا کہ ان کی روانگی کا انتظام کرنے والے دو چار آدمیوں کے سوا اپنوں میں بھی کسی کو خبر نہیں ہوئی، رات کو مولانا احمد سعید صاحب (علیہ الرحمہ) کی تقریر شروع ہوئی اس

دن میں مولانا کی تقریر بھی بڑی غیر معمولی قسم کی ہوئی، اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا رہا کہ مجمع بڑی بے چینی کے ساتھ شاہ صاحب کی تقریر کا منتظر اور مشتاق ہے، مولانا نے رات کے قریب دو بجادیئے اور ایک دم کلانی کی گھڑی کو دیکھتے فرمایا، اوہو دو بجنے کے قریب ہیں! لو بھی اسلام علیکم، اب شاہ صاحب کی تقریر پھر کبھی سن لینا! یہ سن کر پولیس والے بھی ہکا بکارہ گئے۔

شاہ صاحب نے امر وہہ سے نکل کر ایک طوفانی دورہ شروع کیا، وہ عرصہ تک گرفتار نہ ہو سکے، انہوں نے قریباً پورے شمالی ہند کا دورہ کر لیا 1930ء کی سول نافرمانی میں جو ہزار ہا مسلمان جیل گئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی بہت بڑی تعداد شاہ صاحب ہی کی پر جوش اور آتشیں تقریروں کے حساب میں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کتنی کشش اور تاثیر دی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ غالباً اپنے اسی دورہ میں بدایوں بھی گئے، مولانا عبدالقدیر صاحب بدایوںی مرحوم کے مہمان ہوئے، معلوم ہے کہ موصوف اپنے بدایوںی مسلک میں کیسے پختہ تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (بریلوی حضرات کی اصلاح کے مطابق) ٹھیٹ و ہابی ہیں، اس کے علاوہ مجھے خوب یاد ہے کہ مولانا بدایوںی مرحوم اور امر وہہ کے اجلاس میں ”کانگریس کی جنگ آزادی میں شرکت“ والے رزولیشن کے اہم مخالفین میں تھے لیکن اس اختلاف مسلک اور سیاسی اختلاف رائے کے باوجود سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں اور ان کے خلوص سے ان کا قلب اتنا متاثر تھا کہ کھانے کے لئے ہاتھ دھونے کے وقت خود سلیچی اور لوٹا ہاتھ میں لے کر شاہ صاحب کے ہاتھ دھلاتے تھے اور اپنے شدید اصرار سے شاہ صاحب کو اس معاملہ میں مجبور کر دیتے تھے..... اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی رحمتیں فرمائے۔

یہ تو جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات درمیان میں آگئی تھی ورنہ ذکر ان کے 1930ء کے دورہ کا ہو رہا تھا، انہوں نے پنجاب سے بنگال تک کا دورہ کیا اور بنگال جا کر گرفتار ہوئے اور سزا پا کر وہیں علی پور جیل میں رہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شاہ صاحب اور اسی طرح ان کے خاص رفقاء کو اپنی اس جدوجہد اور قربانی سے اس کی امید بالکل نہیں تھی کہ کانگریس اور اس کے لیڈروں کی طرف سے اس کا اعتراف بھی کیا جائے گا۔

وہ اس قربانی کے ذریعہ کانگریس میں کوئی پوزیشن حاصل کر سکیں گے، بلکہ اس کے برعکس انہیں سابق تجربوں کی بناء پر پورا یقین تھا کہ کوئی ایسا مسلمان کانگریس میں کوئی پوزیشن حاصل نہیں کر سکتا جو اسلام اور مسلمانوں کا بھی پورا وفادار اور اس موضوع پر بھی لڑ جانے والا ہو۔ اور بالکل یہی چیز سامنے آئی 1930ء کی اس جنگ آزادی کے بعد جب دوسری گول میز کانفرنس سے پہلے گاندھی ارون پیکٹ ہوا، اور سارے سیاسی قیدی رہا کئے گئے اور اس کے بعد کراچی میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہوا تو پنجاب کانگریس نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفیقوں کو کانگریس کے نظام سے دور رکھا یہاں تک کہ کراچی کے اجلاس میں یہ لوگ صرف مشاہد کی حیثیت سے شریک ہو سکے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفقاء کے سامنے اس جدوجہد اور قربانی کا محرک صرف یہ تھا کہ انگریز کو ہندوستان سے بے دخل کرنے کے لئے ایک لڑائی لڑی جا رہی ہے ہمیں صرف اس مقصد کی خاطر اس میں حصہ لینا چاہئے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تک اس قافلہ کے تمام ہی مجاہدین نے اسی کو سامنے رکھ کر قربانیاں دی تھیں اور اسی بنیاد پر وہ اپنی جدوجہد اور قربانیوں کو اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور قربانی سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھتے تھے۔¹

آپ نے ہزاروں لوگوں کے عقائد صحیح کئے

اسی پنجاب میں بے شمار آبادیاں ایسی تھیں جہاں مسلمانوں کو کلمہ شہادت تو ایک طرف رہا اسلام علیکم کہنا نہ آتا تھا ان میں ہندومت کے زمانہ زوال کی رسمیں عقیدہ کے طور پر مروج تھیں کئی علاقوں میں غیر اللہ کی پرستش ہی کو اصل اسلام سمجھا جاتا۔ انہوں نے تمام صوبوں میں بے شمار دینی مدر سے کھلوائے۔ عام مسلمانوں کو علماء اور عملاً سمجھایا کہ انسانی فضیلت کی بنیادیں خاندانی تقاضے پر قائم نہیں ہوتیں بلکہ ہر انسان اپنے علم و دیانت اور زہد و تقویٰ کے باعث قابل تکریم ہوتا ہے قرآن کی بجائے دیہات میں عشقیہ قصیدے پڑھے جاتے تھے آپ نے اس بد مذاقی کا طلسم توڑا اور ان کی جگہ قرآن کریم کی تلاوت کو عام کیا۔ مسلمانوں کو دوکانیں کھولنے کی

ترغیب دی۔ آپ نے ناموس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ آپ نے مبلغین ں ایک جماعت تیار کی جس نے نہ صرف بدعات کے خلاف جہاد کیا بلکہ منکرات کی راہ روک لی۔

خطابت میں بے ساختہ پن

شاہ جیؒ نے اردو خطابت میں بے ساختہ پن پیدا کیا اور اپنے طرزِ بیان سے ثابت کیا کہ نفاسِ زبان ہی خطابت کا حقیقی جوہر ہے مولانا ابوالکلام آزاد کی انشاء اور شاہ جیؒ کی خطابت میں واضح تفاوت کے باوجود ایک گونہ مماثلت ہے مولانا کی تحریروں میں عبارت کے ہر موڑ پر اساتذہ کے اشعار نگینے کی طرح جڑے ہوئے ملتے ہیں۔ شاہ جیؒ کی تقریروں میں برجستہ شعر اس طرح وارد ہوتے ہیں کہ ان کی چمک دمک میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مولانا اپنی تحریروں کو قرآن مجید کی آیات سے مرصع فرماتے ہیں۔ شاہ جیؒ تقریروں میں ہیرے کی طرح ٹانکتے ہیں۔

مقناطیسی کشش

قادیان کی تبلیغ کانفرنس 1934ء میں آپ نے جو تقریر کی اس کی مقناطیسی کشش کا اعتراف مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے اس ٹکڑے ہی سے جذبات کی معراج معلوم ہوتی ہے۔ وہ (مرزا محمود) نبی کا بیٹا ہے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں وہ آئے اور مجھ سے اردو فارسی اور پنجابی میں ہر معاملہ سے متعلق بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے، گشتی لڑے۔ آل علیؑ کے جوہر دیکھے۔ ہر رنگ میں آئے۔ وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے، میں ننگے پاؤں آؤں وہ حریر پر نیاں پہن کر آئے۔ میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں وہ مزعفر کباب یا قوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلو مر کی ٹانک وائٹ پی کر آئے میں نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کے آؤں، ہمیں میدان ہمیں گُو۔

غرض اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ جن سے شاہ جیؒ کی خطیبانہ عظمت کا سراغ ملتا ہے پھر اس کی سب سے بڑی شہادتیں تحریک ختم نبوت کا وہ بانگ ہیں جس کے نشہ میں لوگوں نے جانیں بچھاوری تھیں۔¹

نادرہ روزگارِ انسان

..... عبد المجید قریشی لکھتے ہیں:

شاہ صاحب کی تقریر پہلی مرتبہ میں 1938ء میں قیامِ دلی کے دوران میں سنی۔ پہاڑ گنج میں تانگوں کے اڈے کے برابر ایک بڑا سا گول میدان ہوا کرتا تھا جسے گول چکر کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ ہمیشہ جلسہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ مجھے شاہ صاحب کو دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کا پہلے پہل اتفاق ہوا تھا۔ وہ منظر اب بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے ان دنوں برسات کا موسم تھا۔ گیارہ بجے شب کے قریب جب شاہ صاحب ”تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو آسمان پر دور دور تک سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔

تقریر کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ پانچ سات منٹ بعد یہ پھوار ننھی منی بوندوں میں تبدیل ہو گئی۔ موسم کا یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر لوگ کچھ کسمسائے لیکن اٹھے نہیں۔ شاہ صاحب کی تقریر جاری تھی۔ گو بوندیں ان کے اوپر بھی گر رہی تھیں لیکن وہ تقریر کے ساتھ ساتھ سامعین کی چنی کشمش کا لطف اٹھانے پر تلے ہوئے تھے۔ بارش کا زور تھوڑا سا اور بڑھا تھا کہ دو ایک آدمی اٹھے۔ انہیں اٹھتا ہوا دیکھ کر شاہ صاحب جوش میں آگئے فرمانے لگے:

”دلی والو! بس اتنے ہی مرد ہو کہ ذرا سی بارش سے گھبرا گئے۔ اس برتنے پر تم عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے کے لئے آئے تھے ارے عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریروں میں تو تمہیں انگریزوں کی رائفلوں کی گولیاں بھی کھانی پڑیں گی اور تم ہو کہ ان دو چار بوندوں ہی سے ڈر کر بھاگنے لگے۔ یاد رکھنا اگر بھاگ گئے تو پھر کبھی پہاڑ گنج کا منہ نہ دیکھوں گا ہاں یاد آیا تم بھی سچے ہو جیب میں رکھے ہوئے نوٹوں کا خیال آ گیا ہوگا۔“

ان الفاظ کا شاہ صاحب کے منہ سے نکلنا تھا کہ لوگ دبک کر بیٹھ گئے۔ جلسہ کا رنگ ہی اور ہو گیا حتیٰ کہ بارش بھی تھم گئی۔

ڈنڈے کی صدارت میں جلسہ

شاہ صاحب کا ایک دلچسپ اور پر لطف واقعہ انہیں دنوں مجھے اپنے والد صاحب

قبلہ کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا۔ پاکستان کے قیام سے پہلے انبالہ میں تبلیغ اسلام کے نام سے ایک ”انجمن تبلیغ اسلام“ کا سالانہ جلسہ انبالہ میں ہونا قرار پایا۔ جس کے صدر میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم تھے میر صاحب اپنے زمانے کے اچھے شاعر اور معتدل قسم کے سیاستدان تھے۔ میر صاحب نے ہندوستان کے جن مشاہیر علماء کو اس موقع پر مدعو کیا اُن میں شاہ صاحب بھی تھے۔ میر صاحب نے شاہ صاحب سے قول لے لیا تھا کہ اُن کی تقریر محض تبلیغی ہوگی اور سیاسیات سے انہیں بہر صورت دامن بچانا ہوگا۔ لیکن شاہ صاحب بھلا کہاں چوتے ہیر پھیر کر آخر سیاسیات پر آہی گئے اور اپنی تقریر کا رخ پوری طرح فرنگی اقتدار کے خلاف پھیر دیا۔ میر صاحب نے جو یہ منظر دیکھا تو کرسی صدارت چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ دورانِ تقریر شاہ صاحب نے مڑ کر پیچھے کود دیکھا تو میر صاحب کو کرسی سے غائب پایا۔ شاہ صاحب ہنسے اور فرمانے لگے:

”اچھا بھاگ گئے اب تم صدارت کرو میرے بھائی۔“

یہ کہہ کر اپنا موٹا سا لکڑی کا ڈنڈا کرسی پر رکھ دیا۔¹

1957ء کی ابتداء میں ملتان ہی کے ایک جلسہ میں شاہ صاحب اپنی تقریر میں اُس جنگِ اقتدار پر تبصرہ فرما رہے تھے جو پاکستان میں خانِ لیاقت علی خان مرحوم کی شہادت کے بعد لڑی جا رہی تھی۔ جب چند دیگر مرحوم کا ذکر آیا تو انہوں نے ایک چھوٹا سا فقرہ کہا جسے سن کر لوگ پھڑک اٹھے فرمایا کہ:

”ایک چلہ وہ (چندرگیر صاحب) بھی کاٹ گئے۔“

یہاں یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ چندرگیر صاحب کی وزارتِ عظمیٰ کی عمر قریب قریب چالیس روز ہی تھی۔

چند یادیں!

☆..... شاہ جی نے فرمایا:

”میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ رب کا قرآن ہے مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور شاہدوں نے

میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔“

محبت اور نفرت کے یہ دروازے ایسے نہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو۔ ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ، زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستجو کی منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے یہ صحیح ہے کہ اب جینے کی ”آبرو“ پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے اور ع

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

تحریک خلافت کے قیدیوں کے رہا ہونے کے بعد حجاز میں ایک انقلاب آیا۔ اور شریف حسین وہاں سے بھاگ گئے اور سرزمین حجاز ابن سعود کے قبضہ میں آ گئی۔

چنانچہ جیسے ہی قبے گرنے اور قبریں مسمار کرنے کی اطلاع پاک و ہند میں پہنچی لوگ بے قرار ہو گئے اور انہوں نے ابن سعود کے خلاف الزام لگایا کہ قبے ابن سعود کی حکومت نے گرائے ہیں۔ پنجاب خلافت کمیٹی نے جن میں شیعہ سنی اور اہل حدیث شامل تھے۔ مل کر ان حالات کا مقابلہ کیا۔ بالخصوص شاہ صاحب نے ان دنوں جس جوانمردی کے ساتھ مخالفین اور ان کی حکومت کا مقابلہ کیا یہ ان کی خداداد ہیبت کا ایک کارنامہ ہے اس کے علاوہ آج تک وہ بہت بڑی ایمانی قوت سے ملک کے اندرونی اور بیرونی فتنوں کا مقابلہ کرتے آئے تھے۔ روتے بلکتے اور شاہ جی نے فرمایا پنجاب کی تو تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں لیکن 1930ء میں ڈنڈم جیل ڈھا کہ کی زیارت بھی ہو گئی وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی کہ رہائی تک اکھاڑہ جما رہا دوست زندانی مصائب سنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب یہ اپنا اپنا زانو یہ نظر ہے میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی میں اپنے گرد و پیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قیدیوں گزر جاتی ہے۔ جیسے صحراؤں سے بادل!



کرامات

مولانا عبدالرحمن صاحب میانوی فرماتے ہیں:

ایک دفعہ شاہ صاحب اور میں مظفر گڑھ کے ایک قصبہ میں وعظ کے لئے جا رہے تھے۔ راستہ کچا کڑا کے کی دھوپ پڑ رہی تھی۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ دو ڈیڑھ میل آگے پیدل جانا تھا۔ تھوڑی دیر چلے کہ مجھے بہت گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے کہا شاہ جی یہ دھوپ اور گرمی کا عالم، ابھی کتنی دور پہنچنا ہے۔ کیا بنے گا؟ یہ سن کر شاہ جی نے مجھے تو کچھ جواب نہ دیا۔ ایک دم آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا ”ہم کسی اپنے کام تو نہیں جا رہے۔“

چند منٹوں میں کیا دیکھتا ہوں کہ جہاں دُور دُور تک بادل کا نشان نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے نہ گرمی رہی نہ وہ دھوپ، مزے کا موسم ہو گیا۔

بھنگی کا قبول اسلام

کوئی اندازہ سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا سید نور الحسن صاحب بخاری تحریر فرماتے ہیں اور راقم الحروف (امین

گیلائی) نے بھی یہ واقعہ خود حضرت شاہ صاحب کی زبانی سنا کہ خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں شریک تھے۔ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان پر تھی نامی بھنگی کو دیکھا۔ شاہ جی نے فرمایا آؤ بھئی کھانا کھالو۔ اس نے عرض کیا۔ جی میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ جی

نے درد بھرے لہجے میں فرمایا انسان تو ہو۔ اور بھوک تو لگتی ہے۔ یہ کہہ کر خود اٹھے اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھالیا۔ وہ بیچارہ تھر تھرا کا نپتا تھا اور کہتا جا رہا تھا۔ جی میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود قلمہ توڑا شور بے میں بھگو کر اس کے منہ میں دے دیا۔ اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی نے ایک آلو اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس نے جب آدھا آلودانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا خود کھا لیا۔ اسی طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچا ہوا پانی خود پی لیا۔ وقت گذرتا گیا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا۔ اُس پر رقت طاری تھی وہ خوب رویا۔ اس کی کیفیت بدل گئی۔ عصر کے وقت اپنی نو جوان بیوی جس کی گود میں ایک بچہ تھا ساتھ لے کر آیا اور کہا شاہ جی اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے۔ اور میاں بیوی اسلام لے آئے۔¹

بارش رُک گئی

صوفی غلام مصطفیٰ صاحب سلمیر یا فرماتے ہیں:

ایک دفعہ شاہ جی لاہور میں خطاب فرما رہے تھے تو اچانک بارش شروع ہو گئی۔ بعض لوگ کچھ حرکت کرنے لگے۔ شاہ جی نے والہانہ انداز میں گرج کر فرمایا۔ بیٹھو کوئی متنفس نہ اٹھنے پائے۔ میں تقریر کروں گا اور تم سنو گے۔ بارش رُک سکتی ہے مگر بخاری کی تقریر نہیں رُک سکتی۔ خدا کی شان دیکھئے۔ ادھر شاہ جی نے یہ الفاظ فرمائے۔ ادھر بارش رُک گئی۔ بادل چھٹ گئے۔ اور چاند نورانی صورت دکھانے لگا۔ بخاری اپنی تقریر کے جوہر دکھانے لگا۔²

پان میں زہر

قاضی احسان احمد شجاع آبادی اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ شجاع آباد میں تقریر کرتے ہوئے شاہ صاحب نے پان مانگا۔ میں نے پان منگوا بھیجا پان لانے والے کو کسی اور نے کہہ دیا کہ میں پان لاتا ہوں۔ پان آیا تو میں نے شاہ جی کو دے دیا۔ شاہ جی نے پان کو منہ میں ڈالتے ہی جلدی سے کہا، ”کیوں قاضی جی مجھے مارنے کا ارادہ ہے؟“ یہ کہہ کر میرے ہاتھ پر پان اُگل دیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ پان کے اثر سے میرا ہاتھ سیاہ

ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ پان میں زہر ڈال دیا گیا تھا۔ شاہ جی کئی روز تک وہیں صاحب فراش رہے۔¹

تلاوت کے دوران سانپوں کا جھومنا

..... میاں عبدالصمد لاہور کا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں:

1946ء میں جب الیکشن کا زمانہ تھا، مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری مولوی مظہر علی

اظہر تھے۔ شاہ صاحب کشمیر میں تھے۔ شاہ صاحب الیکشن کے سخت مخالف تھے۔ وہ الیکشن کو فرنگ کی دی ہوئی لعنت سمجھتے تھے۔ ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے۔ رات کو ملاقات ہوئی، بات کوئی نہ ہوئی۔ صبح ہم نے تلاش کیا۔ پتہ چلا فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے جاتے اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے، ہم نے کیا نقشہ دیکھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ ابھی پواچھی طرح پھٹی نہ تھی۔ چھ بجے کا وقت تھا۔ پہاڑ کے درمیان جھیل کے دوسری طرف ایک اور پہاڑی ہے جہاں سے پانی بہتا ہے، مگر خاموشی کے ساتھ۔ زمین، آسمان فضا سب خاموش ہیں۔ شاہ صاحب با آواز بلند تلاوت ہیں۔ کوئی انسان نہیں، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا۔ سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر سانپ ہی سانپ تھے۔ چھوٹے بڑے، درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ ہم وہیں رک گئے۔ سانسیں بھی روک لیں اور بیٹھ گئے۔ شاہ صاحب قرآن پڑھتے رہے، سانپ جھومتے رہے۔ ہم نے درختوں پر نگاہ ڈالی جانور بھی خاموش ہیں۔ ادھر شاہ صاحب نے پون گھنٹے بعد تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا جیسے سجدہ ریز ہوں۔ پھر آہستہ آہستہ چلے گئے۔ پرندے بھی خدا کی حمد و ثناء کے گیت گاتے اڑ گئے۔ اب جب بھی میں کبھی مری اور آزاد کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر ڈالتا ہوں، سیاہ پہاڑوں پر شام سرمئی آنچل پھیلاتی ہے، سورج اپنا تمام دروہام پر لٹا دیتا ہے تو وہ نورانی چہرہ بھی میری آنکھوں کی پتلیوں میں اور دماغ و دل کے گوشوں گوشوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔ شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا، کامریڈ دیکھا تم نے؟ میں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کردوں، سمندر کو برف بنا دوں، ہوا کو ساکت کردوں۔ مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل

دی۔ مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی کو نہ دھوسکا۔ ہم نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بادل نخواستہ بحث و تمحیص کے بعد تیاری کر لی۔¹

شاہ جی کی تلاوت سے دشمن چو کڑی بھول گئے

صوفی واحد بخش صاحب دوائی فروش کلروالی (مظفر گڑھ) کے بروایت مولوی سلطان محمود ماہرہ نے ذکر کیا کہ گڑھی اختیار خاں علاقہ خان پور ضلع رحیم یار خاں کے ایک شخص نے شاہ جی کو تقریر کی دعوت دی جو اس علاقہ کے مشہور بدعتی واعظ مولوی محمد یار فریدی کے لئے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کا آرام حرام ہو گیا۔ اس نے کثیر تعداد افراد کی ایک باقاعدہ پلٹن تیار کی جس کے ذمہ جلسہ گاہ میں کنکروں اور ڈھیلوں کے تھیلے لے جا کر بیٹھنا اور تقریر کے دوران شاہ جی پر انہیں پھینکنا تھا۔ جلسہ کا آغاز ہوتے ہی ان لوگوں نے اپنی پوزیشن لے لی۔ لیکن شاہ جی نے کسی موضوع پر تقریر کا اختتام ہوا تو کم و بیش 80 کی تعداد میں آدمی کنکروں وغیرہ کے تھیلوں سمیت شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔

{ناقل، حاجی محمد حسن چغتائی رحمۃ اللہ علیہ، روایت صوفی واحد بخش صاحب دوران ملاقات}

{ربوہ 7-8 مارچ 1991ء بموقعہ تیرھویں شہداء ختم نبوت کانفرنس}

لدھارام انگریزوں کا گھریلو گواہ

گجرات کے مشہور مقدمہ میں جب لدھارام رپورٹری آئی ڈی نے حقیقت حال کا انکشاف عدالت عالیہ میں کیا اور شاہ جی کی رہائی ہو گئی تو لدھارام سے پوچھا گیا کہ آخر تو نے سرکاری ملازم ہوتے ہوئے یہ جھوٹی شہادت دینے سے گریز کیوں کیا اور سچی شہادت سے اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالا۔ تو اس نے بتایا کہ میں نے سرکاری ملازمت میں ہمیشہ سچی جھوٹی شہادتیں دی ہیں اور اس دن بھی شاہ جی کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔ ڈائری میں رد و بدل اگرچہ اعلیٰ حکام کے حکم سے کیا تھا لیکن اس میں بہر حال میری بھی رضامندی شامل تھی۔ ہوا یہ کہ میں جب گواہی دینے عدالت آیا تو شاہ جی کو دیکھا ایشوں

اور مینیوں کی شکل و صورت کا ایک سچا انسان کھڑا ہے۔ مجھے کسی مخفی طاقت نے ٹوکا کہ یہ شخص اب میری جھوٹی شہادت پر پھانسی کی سزا پائے گا۔ میرا دل لرز گیا میں نے دل ہی دل میں توبہ کی اور عہد کر لیا کہ دنیا کی ہر مصیبت برداشت کر لوں گا لیکن اس عظیم انسان کے خلاف جھوٹی شہادت دینے کا پاپ (گناہ) نہیں کماؤں گا۔ تب میں نے شاہ جی کے وکیل کو علیحدگی میں سارا ماجرا بیان کیا ساتھ ہی اپنا ارادہ بھی بتایا۔ لدھارام نے ہائی کورٹ میں شہادت دی اس کی ملازمت گئی، تین سال کی سخت سزا ہوئی لیکن شاہ جی کی معجزانہ رہائی کا باعث بن گیا۔

اس مقدمہ میں شاہ جی 9 ماہ کے قریب جیل میں رہے جب رہا ہو کر آئے تو تقریروں میں اکثر فرمایا کرتے کہ ایک طرف میں بے نوا تھا میرے غریب ساتھی جیلوں میں مقید تھے میری اولاد کمسن اور والد ضعیف العمر تھا۔ دوسری طرف فرنگی کی صولت و حشمت تھی۔ خزانے اُس کے پوپیس اس کی عدالتیں اس کی جیل خانے اس کے سب اختیار و اقتدار اُسی کا تھا۔ پھر ترنم سے پڑھتے ۔

روح	بخت	ملاقی	ان	کا
چرخ	ہفت	طبقاتی	ان	کا
محفل	ان	کی	ساقی	ان
آنکھیں	میری	باقی	ان	کا

حضرت یوسف علیہ السلام کے زندانی ہونے کا واقعہ دہراتے، زیلخا کی الزام تراشیوں کا تذکرہ کرتے قرآن مجید کی آیت شریفہ ”وَشَهِدَ شَاحِدًا مِّنْ أَهْلِهَا“ پڑھ کر لدھا رام کو انگریزوں کا گھریلو گواہ قرار دیتے اس مقدمہ سے رہائی کو وہ اللہ کا عظیم احسان کہتے آخر میں فرماتے اے اللہ اس نعمت کے شکرانے میں تیری خدمت میں کیا پیش کروں کیونکہ جو نعمت سوچتا ہوں وہ سب تیرے خزانوں میں موجود ہے۔

ایک دن تقریر کرتے کرتے جھولی پھیلا دی اور فرمایا میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو تیرے پاس نہیں ہے وہی تیرے شکرِ نعمت کے لئے پیش کرتا ہوں اور وہ میرے گناہ ہیں میرے پاس ان کے سوا کچھ نہیں پھر یہ بیان کچھ اس عجز و انکسار اور رقت انگیز منظر میں پیش کیا

کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

ملک کی آزادی کے بعد ان کی پوری توجہ مسئلہ تحفظ ختم نبوت کی طرف ہو گئی۔ وہ اس مسئلے کو توحید، رسالت، قیامت اور تمام عقائد و عبادات اسلام کی اصل قرار دیتے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ ان تمام مسائل کی تعریف اور تعین نبوت کرتی ہے اگر نبوت بدل سکتی ہے تو یہ سب کچھ بدل سکتا ہے، یہاں تک کہ حلال و حرام بھی بدل سکتا ہے۔

وہ موجودہ اسلام کی بنیاد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تعین کرتے تھے اور حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ان کا جو عشق تھا اس کے خلاف وہ کسی چیز کو برداشت کرنے کا تصور تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی صداقت کے گواہ

صحابہ کرامؓ کے اگر اہم و احترام کو بھی جزو ایمان جانتے تھے اور اصحاب رسول پر تنقید و تنقیص کو بربادی ایمان یقین کرتے۔ لکھنؤ میں بعض خلفائے راشدین کے نام سے رضی اللہ عنہ کہنا جرم تھا شاہ جی نے برسرِ اجلاس اس قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ وہ صحابہ کرام ازواج مطہرات اور آل بیت اطہار کے فضائل و محاسن پر گھنٹوں بولتے رہتے تھے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۝

اور اسی طرح ”وَ طَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ“ سے وہ اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے درجہ کو عام ایمان کے درجے سے افضل قرار دیتے تھے۔

وہ حدیث پاک ”الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ“ کو صحابہؓ کے فضائل میں بیان کر کے سعدی شیرازیؒ کے مشہور شعر پڑھا کرتے تھے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکِ یابِ عبیری
کہ از بوئے دلاویز لے تو مستم

بگفت من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد
وگر نہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

حضور ﷺ کی صداقت کے دو بہترین گواہ

شاہ جی مختلف اصحاب رسول کے فضائل کے سلسلہ میں ﷺ کی نبوت کی صداقت کا دو صحابہ کرام ﷺ کو بہترین گواہ قرار دیا کرتے۔ پہلے جناب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت خالد بن ولید ﷺ کو۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ شاہ جی! اور ابو بکر صدیق ﷺ فرمایا ان کو اس مقدمے میں سرکاری گواہ کی حیثیت تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ہی سے دوست تھے لیکن یہ دونوں بہادر دشمن اور سخت دشمن تھے لیکن نبوت کی صداقت کو یقین کر کے شرف ایمان حاصل کر گئے۔

حدیث رسول ﷺ نبوت کی مثل

وہ حدیث رسول کو نبوت کی مثل فرمایا کرتے تھے اور کہتے کہ اب کچھ لوگ اس مثل ہی کو غتر بود کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ شاہ جی کی ایک بڑی خوبی ان کی زندہ دلی اور لطافت و ظرافت تھی۔ وہ مصنوعی خاموشی اور بیہوشی کے خلاف تھے اللہ نے باغ و بہار طبیعت بخشی ہوئی تھی۔ جب کبھی ان پر مصائب کا ہجوم ہوتا، ساتھیوں پر ظلم و تشدد کی یلغار ہو رہی ہوتی۔ تو رنج و ملال نہیں کرتے تھے بلکہ خوب ہنستے اور ہنساتے تھے۔ اس طرح وہ اپنا اور اپنے دیوانے سرفروش مجاہدوں کا غم غلط کرتے رہتے۔ ان کی شعرو سخن کی محفلوں اور بذلہ سخی ظرافت کی مجلسوں میں بیٹھ کر ہر رنج اور ہر مصیبت بھول جایا کرتے تھے۔ ان کے بیان کردہ لطائف و ظرائف کو اگر کوئی اکٹھا کر لے تو ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ جب پہلے پہل ان پر فالج کا حملہ ہوا تو ہم ملتان پہنچے اتفاق سے مولانا احمد علی صاحب بھی لاہور سے مزاج پرسی کے لئے تشریف لے آئے۔ اب شاہ جی نے فالج کے حملے کا واقعہ سنایا کہ صبح اچھا بھلا اٹھا وضو کرنے لگا تو ہاتھ نے

سول نافرمانی شروع کر دی۔ منہ میں پانی ڈالا تو اس نے بھی بغاوت اختیار کی۔ میں سمجھ گیا کہ فالج کا حملہ ہوا ہے اور اب میں مرنے لگا ہوں۔ جلدی جلدی وضو کیا صبح کی نماز ادا کی اور زور زور سے پڑھا ”اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهُ“ اور یہ پڑھ کر چار پائی پر لیٹ گیا کہ اگر اب موت آگئی تو انشاء اللہ خاتمہ ایمان پر ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر لیٹا رہا اور موت کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن موت نہ آئی اب اٹھا اندر گیا بھوک لگ رہی تھی، کھانا مانگا تو رات کی ٹھنڈی کچھڑی کھالی۔ شاہ جیؒ نے یہاں بات کو پھر دہرایا کہ فالج کا حملہ موت کا انتظار اس پر رات کی ٹھنڈی کچھڑی کھالی البتہ ایک غلطی ہو گئی جس کے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہوں، آپ لوگ بھی معاف کر دینا وہ یہ کہ کچھڑی کے بعد گھڑیا کا ٹھنڈا باسی پانی پینا بھول گیا۔ بس یہ کسر رہ گئی۔

شاہ جیؒ یہ باتیں بڑے مزے لے لے کر بیان کر رہے تھے اور میں سوچتا تھا کہ فالج کا حملہ ہے منہ پر لقوہ کا اثر ہے زبان میں لکنت آچکی ہے لیکن اس ہولناک اور خوف ناک مرض میں بھی شاہ جیؒ کی وہی زندہ دلی اور چٹکے ہیں اللہ نے کیسی باغ و بہار طبیعت عطا کی ہے کہ کسی مرحلے میں بھی یاس و ملال یا کسی پریشانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ جب کسی ساتھی کو رنجیدہ خاطر یا ملول دیکھتے بس ایسی بات کہہ دیتے کہ وہ رنج و ملول سب چلا جاتا۔

ایک دفعہ مولانا محمد علی جالندھریؒ سندھ کے تبلیغی دورے سے واپس آئے سفر کی تھکان، طبیعت ناساز، گلا خراب افسردہ حال شاہ جیؒ کی خدمت میں آ پہنچے۔ شاہ جیؒ خود بیمار تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی کی۔ شاہ جیؒ مولانا کا بے حد احترام کرتے تھے پوچھا:

☆..... ”محمد علی کیا حال ہے؟“

☆..... مولانا نے جواب دیا:

☆..... ”شاہ جیؒ سفر بہت تھا بیمار ہو گیا تقریریں کرنا پڑیں طبیعت سخت خراب ہو گئی اور گلہ بھی خراب ہو گیا“

☆..... شاہ جیؒ لینے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور فرمایا:

☆..... ”محمد علی خدا کا خوف کر تیرا گلا خراب ہو گیا یہ پہلے کون سا لحن داؤدی تھا جواب

خراب ہوا ہے۔“

☆..... حاضرین ہتے ہتے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ شاہ جیؒ خود بھی ہنس دیئے مولانا کی ساری خرابی طبیعت جاتی رہی چہرہ کھل گیا۔

شاہ جیؒ نے تپتا ہوا انگارہ ہاتھ پر رکھ دیا

☆..... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے ناظم اعلیٰ رانا محمد انور لکھتے ہیں: 1

لاہور کے قریب رائے ونڈ میں ہر سال تبلیغی اجتماع ہوتا ہے۔ پوری دنیا سے لوگ جان و مال اور وقت کی قربانی دے کر اس میں شرکت کرتے ہیں۔ میرے اندازے میں تقریباً پچیس تیس لاکھ کا مجمع تھا۔ چوتھے روز دُعا سے فارغ ہو کر میں لاہور روانہ ہو گیا کیونکہ لاہور میں میرے کافی عزیز ہیں، سوچا کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں تو ان سے بھی ملتا چلوں۔ ایک دن میں لاہور میں اپنے عزیز کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے ایک دوست بھی ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عزیز نے اپنے دوست سے میرا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ شاہ جیؒ! یہ میرے عزیز ہیں اور کراچی میں رہتے ہیں۔ یہاں رائے ونڈ میں سالانہ تبلیغی اجتماع ہوتا ہے۔ اسی میں شرکت کے لئے آئے ہیں تو شاہ صاحب جن کا نام سید افتخار احمد شاہ ہے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ خالصتاً اسی کام کے لئے آئے تھے، تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ شاہ جی میں تو کراچی سے آیا ہوں جو کہ پاکستان کا ہی ایک شہر ہے۔ اجتماع میں تو لوگ دنیا کے آخری کونے سے اپنے جان و مال اور وقت کی قربانی دے کر ہر سال شریک ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کراچی میں کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ دفتر ختم نبوت میں ایک خادم کی حیثیت سے کام کرتا ہوں اس پر شاہ صاحب چونک اٹھے۔ تو شاہ صاحب نے کہا کہ اس مسئلے میں جتنی قربانی شاہ صاحب (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) نے دی ہے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ میں چونکا اور افتخار شاہ صاحب سے پوچھا آپ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے شاہ صاحبؒ سے کہا ان کا کوئی واقعہ اگر آپ کے ذہن میں ہو تو بتائیں انہوں نے کہا

ایک مرتبہ شاہ جی ریاست پٹیاہ میں تقریر کرنے آئے۔ اس وقت میری عمر تقریباً 18 برس تھی۔ میں شاہ جی کی تقریر بڑے شوق سے سنتا تھا۔ مجھے اگر معلوم ہو جاتا کہ شاہ جی کی تقریر فلاں جگہ ہے تو میں وہاں ضرور جاتا، چاہے مجھے پیدل ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ میں نے شاہ جی کے جلسے میں شرکت کے لئے بیس بیس میل پیدل سفر کیا ہے۔ ریاست پٹیاہ میں تقریر شروع ہوئی۔ جلسہ میں ہندوؤں اور سکھوں کی کثرت تھی۔ مجمع میں ایک سردار ”بل بیر سنگھ“ ایس پی سپرنٹنڈنٹ جو کہ باوردی تھے۔ وہ بھی شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ چلیں ہم بھی دیکھتے ہیں کہ شاہ جی کون ہیں ایسے ہی لوگ شاہ جی شاہ جی کہتے ہیں۔ آج بھرے مجمع میں ایسا سوال کروں گا کہ لوگ شاہ جی کہنا بھول جائیں سو اس نے ویسا ہی کیا اور اسٹیج پر چڑھ کر شاہ صاحب سے سوال کیا شاہ جی میں نے سنا ہے کہ آپ سید ہیں تو شاہ صاحب نے فرمایا نہیں۔ بھائی میں تو سیدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہوں۔ اتنے میں ایس پی سپرنٹنڈنٹ سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ شاہ جی میں نے سنا ہے کہ جو سید ہوا سے آگ نہیں جلاتی تو مجمع میں شور برپا ہو گیا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے سردار بل بیر سنگھ سے کہا کہ مجمع میں کرامت دکھانے کی اجازت نہیں ہے تو شاہ جی نے مولانا احسان احمد صاحب سے کہا کہ مولانا صاحب آپ خاموش رہیں اگر یہ سوال کوئی مسلمان کرتا تو اور بات تھی۔ یہ ایک غیر مسلم نے سوال کیا ہے اور کیا بھی مجھ سے ہے۔ اس کا جواب بھی میں ہی دوں گا۔

چنانچہ شاہ صاحب نے سردار بل بیر سنگھ سپرنٹنڈنٹ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ کر دیئے اس نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ آگ لے کر آؤ۔ وہ آگ لے کر آیا اس نے آگ سے دھکتے ہوئے انگارے شاہ صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ شاہ صاحب انگارے دونوں ہاتھوں میں لئے کھڑے رہے۔ سارا مجمع حیران رہ گیا اور اس وقت تک ہاتھ نہیں جھاڑے جب تک سردار بل بیر سنگھ نہیں کیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد سردار بل بیر سنگھ نے کہا کہ اب انگارے پھینک دیں اور مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں شاہ صاحب نے دونوں ہاتھ سردار بل بیر سنگھ کے سامنے کر دیئے وہ فوراً ہاتھوں کو چوم کر شاہ صاحب کے گلے لگ گیا اور کہا کہ شاہ جی میرے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی ہے۔ خدا کے لئے اسے بھی ٹھنڈا کر دیں اور مجھے کلمہ پڑھا دیں۔ شاہ صاحب نے اسی وقت

اس کو کلمہ پڑھایا اور وہ سردار بل بیر سنگھ پر نٹنڈنٹ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔¹

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی خدمت میں

ایک روز شاہ جی نے اپنی ابتدائی بیعت کا واقعہ سنایا کہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا کئی روز وہاں رہا مگر حضرت نے میری طرف توجہ نہ فرمائی ادھر ان کی بے رخی سمند شوق پر تازیانہ ثابت ہوئی حتیٰ کہ جب ایک دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے تو میں بھی گھوڑے کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ انہوں نے گھوڑا دوڑایا تو میں نے بھی پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ جب ان کی نظر پڑی تو پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا حضور آپ کی توجہ کا طلب گار ہوں فرمایا:

جاؤ ایک دور روز انتظار کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ دو روز کے بعد مجھے بلایا۔ بیعت فرمائی اور چند کلمات پڑھنے کے لئے بتلائے میں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو قصیدہ غوثیہ بھی پڑھا کروں۔ فرمایا میں نے تمہیں وہ چیز بتلائی ہے جس کو پڑھ کر غوث الاعظم غوث بنے اور تم قصیدہ غوثیہ پڑھنے کی اجازت مانگتے ہو؟ شاہ جی ایک مرد قلندر تھے اور آپ جانتے ہیں۔ ع

قلندر جزو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا ۷



1 ہفت روزہ ختم نبوت کراچی، جلد 5، شمارہ 38، از قلم: رانا محمد انور

2 چٹان سالنامہ لاہور 1962ء ص 39

www.ahlehaq.org

خطابت کے جواہر پارے

راجپال کی گستاخی

(اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید موجود تھے۔ یہ جلسہ مہاشہ راجپال کی کتاب (خاکم بدہن) رنگیلار رسول کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ جس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت امیر شریعتؒ نے فرمایا:

آج مفتی کفایت اللہ، اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر اُم المؤمنین عائشہؓ صدیقہ اور اُم المؤمنین خدیجہ الکبریٰؓ آئیں، اور فرمایا۔ ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ کافروں نے ہمیں گالیاں دی ہیں..... (پھر اس زبردست کروش کے ساتھ لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا، کہ جلسہ ہل گیا)۔ ارے دیکھو تو..... اُم المؤمنین عائشہؓ صدیقہ دروازے پہ تو نہیں کھڑی ہیں (جلسہ میں کہرام مچ گیا، لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے) دیکھو، دیکھو سبز گنبد میں رسول اللہؐ تڑپ رہے ہیں۔ خدیجہؓ و عائشہؓ پریشان ہیں۔ اُمہات المؤمنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں..... عائشہؓ پکارتی ہیں۔ وہی عائشہؓ، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیار سے حمیرا کہا کرتے ہیں۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ اُمی وابی) کو رحلت کے وقت مسواک چبا کر دی تھی..... اُن کے ناموس پر قربان ہو جاؤ۔ سچے بیٹے..... ماں پر کٹ مرا کرتے ہیں۔

واہ اور آہ میں شاہ جیؒ ہوئے تباہ

ہمدرد محترم اور تماشا شانی بھائیو! لاہور آئے ہوئے مجھے 20 بیس سال ہو گئے ہیں،

میں بوڑھا ہو گیا ہوں، بال سفید ہو چکے ہیں۔ آج تک مجھے یہ پتہ نہیں چلا، کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں، ولی ہیں، کیا ہیں سمجھ میں نہیں آتا، کہ آپ کو کس نام سے خطاب کروں..... کیا میری بیوی کے حق مہر میں جیل جانا لکھا ہوا ہے، اگر تم نہیں چاہتے، کہ ہم تمہارے سامنے آئیں، تو پھر تم ہمارے سامنے کیوں آتے ہو؟ کٹی کر لی ہے تو پکی کر لو، یہ کیا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کی تم نے کہا، واہ شاہ جیؒ واہ، عطاء اللہ ہو گیا قید، تم نے کہا آہ شاہ جیؒ آہ تمہاری آہ اور واہ میں شاہ جیؒ ہو گئے تباہ۔

میں پہاڑوں سے مخاطب ہوتا تو سنگینی کے دل چھوٹ جاتے

چوالیس 44 برس لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا، تو عجب نہ تھا، کہ ان کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے، غاروں سے ہم کلام ہوتا، تو جھوم اٹھتے چٹانوں کو جھنجھوڑتا، تو چلنے لگتیں۔ سمندروں سے مخاطب ہوتا، تو ہمیشہ کے لئے طوفان بلند ہو جاتے۔ درختوں کو پکارتا، تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا، تو وہ لہیک کہہ اٹھتیں۔ صرصر سے گویا ہوتا، تو وہ صبا ہو جاتی۔ دھرتی کو سناتا، تو اُس کے سینہ میں بڑے بڑے شکاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے، صحرا سرسبز ہو جاتے۔ میں نے اُن لوگوں کو خطاب کیا، جن کی زمینیں بخر ہو چکی ہیں، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے جن کے ضمیر عاجز آ چکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن میں ٹھہرنا المناک، اور جن سے گذر جانا طرب ناک ہے جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔

وہ تمہارے بت کدے میں ﷺ کی صدا

اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جائیے، خود بولتی ہے کہ میں محمد ﷺ پر اتاری گئی ہوں۔ بابو لوگو! اس کی قسمیں نہ کھایا کرو، اس کو پڑھا کرو سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی طرح نہ سہی۔ اقبال کی طرح پڑھا کرو..... دیکھا۔ اُس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا، تو مغرب کی دانش پر ہلہ بول دیا۔ پھر اُس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں۔ وہ تمہارے بت کدے میں اللہ کی اکبر کی صدا ہیں۔

وفاداری کے طالب پہلے اپنی وفاداری کا ثبوت دیں

میں نے جو کچھ کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کیا۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں، میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے، لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیں..... میں ان لوگوں میں نہیں، جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں، جو قوم کو بیچتا پھرتا، ملک سے غداری کرتا، اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے، اسی میں چھید ڈالتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ پاک کے سامنے جھکنا سیکھا ہے؟ میں اُن لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دلیز چانی ہیں۔ میں اُن کا وارث ہوں، جو شہادت کے راستہ میں سروں کو تھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

ختم نبوت کا سیاہی

ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے۔ جو شخص بھی اس ردا کو چوری کرے گا، جی نہیں چوری کا حوصلہ کرے گا۔ میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔ میاں (حضور کو شاہ جی میاں ﷺ کہا کرتے تھے) کے سوا کسی کا نہیں۔ نہ اپنا نہ پرایا، میں انہی کا ہوں، وہی میرے ہیں..... جس ﷺ کے حسن و جمال کو خود رب کعبہ نے قسمیں کھا کھا کے آراستہ کیا ہوا، ﷺ کے حسن و جمال پر نہ مرمٹوں۔ تو لعنت ہے مجھ پر، اور لعنت ہے اُن پر، جو ان کا نام تو لیتے ہیں، لیکن سارقوں کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں۔

پاکستان کے ذرے ذرے کی حفاظت

میں ان لوگوں میں سے نہیں، جو یہ صدا دیتے پھریں، کہ میں توشیح وفاداری لئے پھرتا ہوں، میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو، اور جس مقتل میں چاہو، مجھے ذبح کر دو ایسا کبھی نہیں ہوگا اور ہرگز نہیں ہوگا میں خوش ہوں میری خوشی بے کراں ہے۔ کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو، میری رائے (قیام پاکستان کے

وقت) ہار گئی، اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔۔۔۔۔ اب پاکستان نے جب بھی پکارا، واللہ باللہ میں اس کے ذرے ذرے کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے، جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ میں قول کا نہیں، عمل کا آدمی ہوں، اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی، کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔۔۔۔۔ میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلہ میں نہ اپنی جان عزیز رکھتا ہوں، نہ اولاد۔۔۔۔۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا، اور اب بھی تمہارا ہے۔

عمر اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ایک بار حضرت شاہ صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ علیؑ اور عمرؓ میں کیا فرق ہے آپ نے فوراً ارشاد فرمایا بڑا فرق ہے۔ علیؑ مرید ہیں اور عمرؓ مرید نہیں۔ علیؑ کیا صدیقؑ کیا تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) مرید تھے مگر عمرؓ مرید نہ تھے۔ حج نے بھرے مجمع میں دریافت کیا تو پھر کیا تھے۔ سناتا چھا گیا۔ سب حیران تھے کہ شاہ صاحب کیا جواب دیں گے مرید نہیں تھے تو پیر تھے کیا تھے؟ حضرت شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا سارے مرید تھے مگر عمرؓ مراد تھے۔ باقی خود حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور عمرؓ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا گیا اور خود چل کر آئے اور عمرؓ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کی گئی۔ یہ مرید نہیں مراد ہیں۔

پھر فرمایا۔ میں بیٹا علیؑ کا ہوں۔ نفس (جی) میرا بھی چاہتا ہے کہ انہی کو سب کچھ کہوں لیکن عمرؓ چھوڑتے نہیں وہ خود منواتے ہیں۔ عمر کو نکال دیجئے پھر اسلام کی تاریخ میں کیا رہ جاتا ہے۔ ”(سبحان اللہ کیا احساسِ حقیقت ہے۔)“¹

عائشہ اور خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں فرق

ایک بار (غالباً) محترم مظفر علی صاحب شمشی نے دریافت کیا کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ میں کیا فرق ہے۔ فرمایا خدیجہؓ کا نکاح محمد بن عبد اللہ سے ہوا اور عائشہؓ کی شادی محمد ﷺ رسول اللہ سے ہوئی۔ وہ محمد ابن عبد اللہ ﷺ کی زوجہ بنیں، یہ نبوت کی زوجہ بنیں۔ (یوں تو حضرت شاہ صاحبؒ کے تصور میں بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا

1. ”ترجمان اسلام“ لاہور یکم ستمبر 1961ء

شیر خدا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی درجہ کی تنقیص نہیں آسکتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب تو ایک ادنیٰ صحابی پر بھی فدا تھے۔ مگر یہ سوال کرنے والے دونوں موقعوں پر چونکہ شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے والے تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارہ میں غلط روایات کے حامل ہیں اس لئے ان کے دل میں خاص انداز سے ہردو کی عظمت بٹھانے اور راہِ حق واضح کرنے کے لئے یہ طریقہ جواب اختیار فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح قبل از نبوت سے ہوا اس سے کوئی شخص ان کی شان میں کمی تصور نہ کرے عورتوں میں وہی سب سے پہلی صدیقہ ہیں۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے بارہ میں کچھ لب کشائی کی..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کی تعریف بیان فرمائی۔¹

حضرت فاطمہ الزہراء اور ان کی بہنیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

ایک بار دریافت کیا گیا کہ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء اور ان کی بہنوں (رقیہ۔ ام کلثوم اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن) میں کیا فرق ہے۔ فرمایا بڑا فرق ہے وہ نبوت سے پہلے کی صاحبزادیاں ہیں اور خاتونِ جنت نبوت سے بعد کی۔ (سبحان اللہ تعالیٰ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کس عمدہ پیرایہ میں ظاہر فرمائی۔ ایسا نہیں کیا کہ چونکہ دو صاحبزادیاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ اس لئے ان دونوں صاحبزادیوں ہی سے انکار کر دو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہی نہیں) اور حضور ﷺ کی کوئی بیٹی سوائے خاتونِ جنت کے نہ تھی (معاذ اللہ) ان دونوں صاحبزادیوں کے نکاح کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔ اور اس سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اور مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلند اور پسندیدہ نہ ہوتا تو آپ ایک کی وفات کے بعد کا ہے کو دوسری صاحبزادی کا نکاح ان سے فرماتے بہر حال باقی صاحبزادیوں کا انکار کرنا دن کے وقت سورج سے انکار کرنا ہے۔²

نوری اور خاکی

ایک بار کسی دوست نے پوچھا۔ حضرت شاہ صاحب! صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے آپ کو کیوں چھوڑ دیا۔ نور ابو لے بھائی وہ نوری ہیں ہم خاکی۔ ان نوریوں سے امید وفا کیسی؟ سب سے بڑے نوری (حضرت جبریل علیہ السلام) میرے ماننا کوراہتے میں نہیں چھوڑ دیا تھا؟ (شب معراج میں) کہا آگے چلو کہا نہیں چلتا ذرا آگے چلوں تو پر جل جائیں گے نوری رہ گیا اور خاکی آگے جا بڑھا۔ ہائے نہ ہوا بخاری اگر میں ہوتا تو میاں کا حکم مان کر آگے چل ہی پڑتا۔ پر جل جاتے تو کیا ہوتا میاں کی اطاعت میں اور آقا کی دہلیز پر تو جلتے اس سے کون سا بہتر موقع ہوتا۔

شاہ صاحب! ظرافت میں کتنا بڑا مسئلہ حل کر دیا پیدائش آدم علیہ السلام کی طرف بھی اشارہ کر دیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس خاکی پتلے کو سجدہ کرایا جس میں روح پھونک دی تھی اس وقت بھی فرشتے اس خاک کے فضل و کمال سے واقف نہ تھے اور معراج میں بھی اس علم و مقام سے نا آشنا تھے۔ خاکی پتلے میں آکر ہی تو روح آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو عزت و حرمت ہے۔ وہ تواضع و انکسار، عبدیت و عبودیت کی وجہ سے ہے اور وہ خاک میں زیادہ ہے۔¹

مرزا قادیانی مجبوط الحواس

ستم دیکھئے، یہ لوگ کس قدر بے بصیرت ہیں، کتنے عاقبت نا اندیش ہیں کہ لباس نبوت کس کے بدن پر مزین کرنے کی سعی میں مصروف ہیں جسے گڑ اور کلون میں تمیز نہیں جسے جوتا پہننے کا سلیقہ نہیں۔ دایاں بائیں میں اور بایاں دائیں میں۔ گڑ سے استنجا کیا جا رہا ہے، اور مٹی کھائی جا رہی ہے۔

دیکھا، میاں ﷺ کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا خدائے غیور نے عقل ہی سلب کر لی اور مجبوط الحواس بنا دیا۔ یہ عقل کے مسلوب ہونے کی علامت ہی ہے کہ مرزا قادیانی ملکہ و کٹور یہ کو خط لکھتا ہے جیسے ایک غلام آقا کو خطاب کرتا ہے، کہتا ہے:

”میں اور میرا خاندان سلطنت انگلینڈ کے دیرینہ غلام ہیں۔ نیز اے ملکہ معظمہ ”**اَدَامَ اللّٰہُ بِقَاتِہَا وَ خَلَدَ اللّٰہُ مَلِکِہَا**“ تو زمین کا نور اور میں آسمان کا نور۔ پس تجھ زمین کے نور نے مجھ آسمان کے نور کو اپنی طرف کھینچ لیا اور میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی وجود کی برکت سے ہے۔“

تیرے لونگ واپیشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

پنجاب کے ایک دُور افتادہ گاؤں میں تقریر کر رہے تھے، موضوع تھا معراج النبیؐ ٹھٹھ پنجابی میں بیان کرتے چلے گئے، فرمایا..... حضور ﷺ عرش کو چلے تو کائنات ہتھم گئی۔ اب ہتھم گئی تو پنجابی میں سمجھنا شروع کیا، کہ رُک گئی، پھر فرمایا ٹھہر گئی..... لوگوں سے پوچھا، کچھ سمجھے؟ زیادہ تر سرفشی میں ہے..... کروٹ لیتے ہوئے فرمایا۔ میرے ہالیو (ہل جوتنے والو) اللہ کا محبوب عاشق کے گھر کو چلا، تو حسن و جمال کے اس پیکر متحرک کو دیکھ کر کائنات ہتھم گئی، ٹھہر گئی، رُک گئی..... (تسی حالی وی نہیں سمجھے تے میں تہانوں سمجھاناں ایں)۔

تیرے لونگ واپیشکارا
تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

اس خوش آواز سے پڑھا کہ مجمع لوٹ لوٹ ہو گیا، رب نے کہیا کہ میرا سوہنا آں یار آئے تے زمین و آسمان دی ایس گردش نوں ڈک لوؤ جیہڑے جتھے سن او تھے ای ڈک لئے،..... جہاں زمین و آسمان تھے، وہاں رُک گئے، فرش سے عرش تک کا سفر طے ہو گیا۔

میری گھگھری نوں گھنگھر و لوادے جے تو میری ٹور ویکھنی

فرمایا، جو کچھ چاہتے ہو، مجھے سمجھا دو، گالی سے انسان قائل نہیں ہوتا، نہ الزام سے فنا ہے، اور نہ جھوٹ ہی کو دلیل کہا جاتا ہے..... مجھے قائل کر لو، میں کسی کا لیڈر نہیں، میں امیر نہیں، مبلغ ہوں۔ یار لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیر شریعت بنا رکھا ہے لیکن میں امیر نہیں، فقیر ہوں، میں صرف سپاہی ہوں۔ اللہ کا سپاہی، رسول کا سپاہی، اسلام کا سپاہی، آزادی کا سپاہی، تمہارا سپاہی، اور جب تم مجھے سمجھا دو گے، پھر مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تب میں جانوں، اور

میدان جنگ جانے، سپاہی میرے، خون میرا، رضا کار میرے، قید ہونا پڑے یا تختہ دار پر لٹکنا ہو..... تم مجھے ہر اول دستہ میں پاؤ گے۔ گالی نہ دو، سمجھا دو.....
(خوش آوازی کے ساتھ).....

میری گھگھری نوں گھنگھرو لوا دے
جے تو میری ٹور ویکھنی
بس لوگوں کا حال یہ تھا، جیسے کسی نے لوٹ لیا ہو۔

ایسے ہی ایک مرتبہ اپنے مرشد حضرت رائے پوریؒ کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ پنجاب کے ایک خطیب جس نے حضور ﷺ کی حیات و وفات کے مسئلہ کو موضوع بحث بنایا ہوا تھا۔ شاہ جی ان دنوں بیمار تھے۔

اس خطیب کا تذکرہ ہوا تو آپ نے اپنے شیخ سے مذکورہ بالا جملہ کے ساتھ کہا کہ حضرت آپ میری پیٹھ پر ہاتھ پھیر دیں اور پھر دیکھیں کہ میں انہیں مسئلہ حیات کیسے سمجھاتا ہوں میری گھگھری نوں گھنگھرو لوا دے اے جے تو میری ٹور ویکھنی۔

(روایت حافظ محمد ثاقب گوجرانوالہ)

فرماتے غالب ہر کوئی پڑھتا ہے، میں بھی پڑھتا ہوں لیکن میں ذرا عام روش سے ہٹ کر پڑھتا ہوں۔ یار لوگوں نے اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ ہر کسے رارنگ و بوئے دیگر است۔ سوچتا ہوں تو میرے سامنے ان کے مطالب کا رخ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ میرا ذہن خود بخود اس کے اشعار کی گتھیاں کھولتا چلا جاتا ہے۔

اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ غالب کا نصف دیوان سیاسی ہے، اُس نے الفاظ کی ریشمی نقابوں میں نہ صرف اپنے عہد دارورسن اور اپنے زمانہ ادبار و انحطاط کی تصویریں بنائی ہیں، بلکہ اشارات و کنایات میں حالات و واقعات کے دفاتر سمو گیا ہے۔ ایک دفعہ جانے کیا موضوع تھا۔ کہنے لگے بحمد اللہ نفس نے کبھی کوئی جنسی خیانت نہیں کی، کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا، کسی کی عصمت کو تانہ نہیں، کسی کی عصمت کو گھورا نہیں۔ دوسروں کی طرف نگاہ غیر شعوری طور پر اٹھی بھی تو اپنی عزت یاد آگئی۔

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

عمر کے آخری برسوں میں عمو غالب ہی کے اشعار پڑھتے، اور سر دھنتے تھے۔ گوان کے حافظہ پر بیسوں اساتذہ سخن کے کلام کی راہیں کشادہ تھیں، لیکن غالب کے ذکر پر فرماتے، ظالم نے دل چیر دیا ہے شیخ حسام الدین ملتان گئے تو بان کی چٹائی پر بیٹھے پان بنا رہے تھے، کہنے لگے، رات غالب نے کئی گھنٹے بے چین رکھا۔ ہائے کس دن کے لئے کہہ گیا تھا۔

بے کسی ہائے غنا کہ عبرت ہے نہ ذوق

بے دلی ہائے تماشہ کہ دنیا ہے نہ دیں

سبحان اللہ!

کتھے مہر علی کتھے تیری شنا گستاخ اکھیاں کتھے جاڑیاں

فرمایا حضرت (پیر مہر علی شاہ گلوڑوی) کا یہ شعر پڑھا، تو دنوں تک تڑپتا پھڑکتا رہا۔ پھر عمر بھر لوگوں کو اس سے تڑپایا اور پھڑکایا۔ کئی نعتیہ دیوانوں پر تنہا یہ شعر بھاری ہے۔ گستاخ اکھیں، یہاں اس طرح لگی ہیں، کہ کائنات کی حیا کا بوجھ ان پر پڑا ہوا ہے..... اس شعر پر سوچتے جائیے، اور پڑھتے رہیے، معافی کا ایک بازار آراستہ ہوتا چلا جائے گا، پھر یہ رونق کبھی اور کسی وقت بھی کم نہ ہوگی۔ میں نے لوگوں کو اس پر ماہی بے آب کی طرح لوٹتے دیکھا ہے، بلکہ سیرت کے جلسوں میں لوگوں کی ہیئت کذائی ہی بدل ڈالی ہے۔

(غبار خاطر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ ہے)

غبار خاطر چھپ کر سامنے آئی، تو شاہ جی کے حافظے کی بے شمار گرہیں کھل گئیں۔

مولانا نے کسی خط میں لکھا ہے، کہ عمر کے ابتدائی دنوں میں جو کتابیں پڑھی تھیں، ان کے ضروری مقامات صفحہ و سطر حافظے میں محفوظ ہیں۔ شاہ جی بھی حافظے کے اسی مقام سے گزرنے لگے، ان دنوں برصغیر میں فسادات کا زمانہ تھا۔ گھریا دفتر میں مجلسیں لگاتے، اور اپنے بچپن اور لڑکپن اور ابتدائی ایام جوانی کے، حافظہ پر نقش اشعار سناتے..... سعدی، حافظ، نظیری، غالب، غنیمت

کنجاہی غنی کاشمیری، عنصری، شہیدی، ابوطالب حکیم آملی، رومی، گرامی غرض ایک خزانہ گرانمایہ تھا، کہ اس کا ڈھکنا اٹھادیا ہو، اور اشرافیوں کا ڈھیر لگ رہا ہو۔ غالب کی فارسی شاعری کے ایسے ایسے نوادرات کھٹ سے چلے آتے تھے کہ جی جھوم جھوم جاتا تھا۔

کے کشتہ نہ شد از قبیلہ مانیت

اپنی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ پڑھا

اے ہم نفساں ، آتشم از من بگیرد
ہر کس کہ شود ہمراہ ما دشمن خویش است
پھر اس کو پلایا ۔

گریزد از صف ما آنکہ مرد غوغا نیست
کے کشتہ نہ شد از قبیلہ مانیت
اور تب مسلمانوں کے اجتماعی مزاج کا ذکر کرتے ہوئے گونج اور گرج کے ساتھ پڑھا۔

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
بوئے گل ، نالہ دل ، دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا
لیکن اب شاہ جی کہاں ۔

مژدہ با و اہل ریا راکہ زمیداں رتم 1

بیماری میں بھی ”الحمد للہ“ کہتے

بیماریوں کے هجوم اور مصائب کی یلغار میں اس کو ہ استقامت کے معتقدات میں ادنیٰ لغزش بھی رونما نہ ہوئی ہر مزاج پرسی کرنے والے کو خندہ پیشانی سے ”الحمد للہ“ کہہ کر جواب دیتے ہاں بھائی الحمد للہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔ اس سے بدتر حالت بھی تو ہو سکتی ہے اور میں تو

اُدھر سے شر کا قائل ہی نہیں ہوں۔ کوئی اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن یا شریک ہیں جو ہمیں شر اور ایذا پہنچائیں۔ اُدھر تو خیر ہی خیر ہے۔ صرف ہمارا استعمال بعض چیزوں کو شر بنادیتا ہے وہاں تو خیر ہی خیر ہے۔ وہ جو کچھ ہمارے لئے کرتے ہیں بہتر ہوتا ہے گرچہ وہ ہمارے فہم سے بالاتر کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد ایک مجذوب کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ اُن کی خدمت میں ایک رئیس حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا ”حضرت کچھ پریشانیاں ہیں۔ دُعا کرو۔“ حضرت مجذوب نے فرمایا۔ یہی پریشانیاں کہ کہ خدا آپ کی بات نہیں مانتا یعنی جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا تو آپ اس کی بات مان لیجئے وہ اس کے زیادہ لائق ہے۔ پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔ مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بھائی اس کے سوا چارہ نہیں۔ الحمد للہ کہنے ہی میں خیر ہے۔ حضرت قلندر پانی پتی نے اس مسئلہ پر اعتراض کیا تو حضرت نظام الدین اولیاء نے کیا خوب جواب دیا۔

گہے راست کند او صورت مردی وزنی

گہے بشکند جامہ جاں را زتنی

کس نیست کہ پرسد استاد قضا را

از ہر چہ سازی و چرامی شکنی

فرمایا! ”میری دوستی اور دشمنی ایک دفعہ ہوتی ہے اگر ایک مرتبہ دوست سے گزند پہنچ جائے یا کوئی دوست بن کر مکاریوں اور فریب کاریوں کا ہدف بنائے تو عمر بھر اس پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ چناں رویم کہ دیگر بگردمانزی۔“

یہ بلیغہ شرابیہ کے شعر کا دوسرا مصرع ہے۔ مکمل شعر یہ ہے۔

شدیم خاک رہت گر بہ در ما نزی

چناں رویم کہ دیگر بگردمانزی

کسی ایک اور محفل میں جب اپنے اس نظریہ کا اظہار فرمایا تو ارشاد ہوا۔

دل نیست کبوتر کہ پرد باز نشیند

از گوشہ بامے کہ پریدیم پریدیم

یہ شعر کا دوسرا مصرعہ ہے مابخیر شامہ سلامت۔ بس اسے کنارہ کشی سمجھئے یاد دشمنی۔ میری طرف سے صرف اتنا ہوتا ہے۔ الحمد للہ کہ میں نے آج تک نہ کسی کے متعلق برا سوچا ہے اور نہ برا کیا ہے انگریز اور مرزائی کے سوا۔ جہاں تک بس چلا ان کے متعلق برا سوچا بھی اور کیا بھی! ”عمر بھر کبھی اعتماد نہیں کیا“ اس فقرہ کو بڑے زوردار لہجے میں فرما رہے تھے۔ راقم نے چھیڑنے کی غرض سے کہا کہ ”کمال ضد ہے۔“ تو فرمایا۔ ”ارے جاہل ضد نہیں یہ ایمان ہے۔ حدیث میں کیا پڑھا ہے؟“

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ ۝

”مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈنک نہیں کھاتا۔“¹

میرا ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ رکھا ہے

فرمایا لوگ تعجب کرتے ہیں کہ میں کہاں سے کھاتا ہوں؟ ہائے اصغر کس وقت یاد آگئے۔

میں رند بادہ کش بھی، بے نیاز جام و ساغر بھی

رگ ہر تاک سے آتی ہے کھینچ کر میری قسمت بھی

میرا تو ہمیشہ خدا کی ڈھیری پر ہاتھ رہا ہے۔ میرا رزق میرے پیچھے دوڑتا ہے کبھی

قبول کرتا ہوں اور کبھی رد کرتا ہوں میں تو اپنے اللہ کا کوڑھی ہوں مجھے وہ رزق دیتا ہی نہیں بلکہ

میری ٹھوڑی سے پکڑتا ہے اور میرے منہ میں ڈالتا ہے۔

بے لگس ہرگز نہ باشد عنکبوت

رزق را روزی رساں پر می دہد

دنیا میں محبت کے قابل چیزیں

دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں، مال، جان، آبرو، ایمان، لیکن جب

جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہئے اور آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان

دونوں کو۔ اور اگر ایمان پر کوئی ابتلا آئے تو مال۔ جان آبرو سب کو قربان کرنا چاہئے۔ اور اگر ان

سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔¹

کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا

فرمایا۔ ”شریف کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ کمینہ کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ کمینہ پر جب کوئی ابتلا آتی ہے تو دشمن کے سامنے ایڑیاں رگڑتا ہے۔ اور شریف۔ جب دشمن اس کے قابو میں آتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے اور نہ ماضی کے کسی واقعہ پر اسے مطعون ہی کرتا ہے۔ میاں (وہ اپنی زبان میں حضور ﷺ کو میاں کے نام سے پکارتے) کی شرافت اور بہادری دیکھئے جب حضرت عمرؓ نے ایمان لانے کے بعد عرض کیا ”حضرت ﷺ کعبہ میں کیوں نماز نہیں پڑھتے؟“ تو فرمایا کہ ”تیری قوم نہیں پڑھنے دیتی۔“ حالانکہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے رکاوٹ تو حضرت عمرؓ تھے مگر یہ نہیں فرمایا کہ آپ نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کیا شرافت ہے۔“

اس کے بعد چند کمینہ سیاسی لیڈروں کا ذکر آیا اور چند کمینہ صفت صحافیوں کا جو لوگوں کے ماضی کے بنجے! دھیزتے ہیں اور بزمِ خویش اسے حب الوطنی خیال کرتے ہیں۔²

بے ثباتی و ناپائیداری حیات

اس عالم کی بے ثباتی اور ناپائیداری حیات کے متعلق حضرت کے ملفوظات نہایت دلچسپ اور علمی ہوتے تھے اس موضوع پر غالب ان کا بڑا معاون ثابت ہوتا۔ راقم نے مختلف مجلسوں میں اس موضوع پر حسب ذیل اشعار سنے۔

ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد

عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

مصرع ثانی کو کچھ اس رنگ سے پڑھتے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اسیر دام خیال

ہو جاتا ۔

ہاں کھائو مت فریب ہستی

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

دوسرے مصرع میں جس نفی و اثبات کا ذکر ہے اس کے پڑھنے میں ایک عجیب سماں

پیدا کرتے ۔

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور

جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

یہ حیاتِ دنیوی ان کے نزدیک مرگ کا درجہ رکھتی تھی انہوں نے اپنے کلام میں بھی

اس طرح ذکر کیا ہے۔ ”مردیم دور انتظار مرگیم فرماتے۔ یہ کوئی حیات ہے۔“ **”لا حول ولا**

فتوۃ“ ہمیں تو اس حیات کے مسئلہ میں ابو طالب کلیم کی تعبیر پسند ہے ۔

بدنامی حیات دو روزے نبود بیش

آں ہم کلیم با توچہ گویم چسپاں گذشت

یک روزہ صرف بستانِ دل شد بایں و آں

روز دگر بکندنِ دل زایں و آں گذشت

کلیم نے حیات نہیں کہا بلکہ تہمتِ حیات سے تعبیر کیا ہے۔ اپنی نشست گاہ میں

تشریف فرما تھے ان دنوں روس کے مصنوعی سیارے فضا میں پرواز کر رہے اور اشتراکی مبلغ لوگوں کو

یہ باور کراتے پھر رہے تھے کہ از روئے مذہب اسلام آسمان پر کوئی نہیں جاسکتا۔ حضرت مرحوم

کے سامنے کسی نے اس کا ذکر کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہم تو انسان کے اعلیٰ علیین پہنچنے پر

ایمان لائے بیٹھے ہیں یہ چاند اور ستارے تو راستے میں ہیں لیکن مجھے اس کامیابی (فضائی تسخیر) پر

کوئی مسرت ہے نہ تعجب۔ ہم تو تب مانیں گے جب یہ موت کا کوئی علاج کر دکھلائیں اور کسی

آدمی کے متعلق یہ فیصلہ کر دیں کہ اب وہ نہیں مرے گا تو پھر میں انہی کو سجدہ کر لوں گا۔

مدت سے لئے پھرتا ہوں اک سجدہ بے تاب

ان سے کوئی پوچھے وہ خدا ہیں کہ نہیں ہیں

کبھی کبھی اپنے احوال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے:

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی

گوشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد 1

جو چیز یار سے جدا کرے اسے آگ لگا دو

شاہ صاحب کی قرآن کریم سے شیفتگی اور والہانہ محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ استثنائی صورتوں میں قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ میرے لئے جو کچھ ہے قرآن مجید میں موجود ہے اگر آج دنیا قرآن چھوڑ کر دوسری کتابوں پر نگاہ کر سکتی ہے تو میں دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے صرف کتاب الہی برائنی توجہ کیوں نہ مرکز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں میری باتوں میں اگر کوئی تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن کی۔ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے ایک جولا ہے مرید کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ وہ ہر سال حضرت خواجہ کی خدمت میں ایک لنگی ہدیہ لایا کرتا تھا ایک سال نانہ کرنے کے بعد دوسرے سال دو لنگیاں ہدیہ لایا۔

حضرت نے گذشتہ سال غیر حاضری کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ گذشتہ سال لنگی مکمل نہیں ہو سکی تھی اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ تو فوراً حضرت نے لنگیوں کو آگ لگوا دی اور فرمایا۔ ”جھڑی شے یار کون نکھیرے اونکوں بھاہ لا۔“ یعنی جو چیز یار سے جدا کرے اسے آگ لگا دو۔ میں بھی یہی کہتا ہوں جو چیز مجھے قرآن سے جدا کرے اسے آگ لگا دو۔

چوں غلام آفتابم ہم ز آفتاب گویم
نہ شمم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ما فصہ سکندر و دارا نخوا ندہ ایم
ازما بجز حکایت مہر و وفا میرس

کیا سید کی کوئی نسل نہیں

بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو، اور بیٹروں کی بھی..... لیکن ایک ہم سید

ہی ایسے ہیں، کہ جن کی نسل نہیں، حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو، تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟
فرمایا! (بحوالہ مولانا قاری محمد طیب علماء، اسلام کی پولیس ہیں، ان کا فرض ہے کہ
قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں۔)
اگر وہ کلمہ کھلا قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، تو ہم انہیں پکڑ
لیں گے، خواہ عدالت میں چھوٹ ہی جائیں۔

☆..... موری دروازے کے باہر کندن شاہ کا تکیہ ہے، جسے عام لوگ گھد و شاہ کہتے ہیں،
اس سے پیوست کبھی ایک باغ تھا، جہاں کانگریس کے جلسے ہوتے تھے، سائنس کمیشن کے
زمانے میں شاہ جی نے یہاں ایک تقریر کی..... سرکاری لوگوں نے اس تکیے کے چرسیوں،
بھنگیوں اور سلفہ بازوں کو رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لئے اُکسایا، وہ سلفہ کا کش کھینچ کر یا علی
مدد کے نعرے لگانے لگے۔ شاہ جی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

اوجڑ سیو! یہ غلاظت پی کر میرے باپ علی کا نعرہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا تمہارے
باپ باپ دادا انہیں ہیں۔ (یہ بات کس شافقتگی سے کہی ہے۔)

لمحہ فکر یہ

مسلمانو! لیلائے آزادی سے ہمکنار ہونے کی تمنا ہے تو سب سے پہلے فرنگی کی خانہ
ساز نبوت کے قصر قادیاں کو مسمار کرو اور فرنگی کے اس خود ساختہ پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔
میرے نزدیک مرزائیت اور عیسائیت ہندوستان میں ایک وجود نامسعود کے دو نام ہیں۔ انہوں
نے صرف ہمارے ملک و سلطنت کو تاراج نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی متاع عزیز،
آبروئے خدا محمد ﷺ کی ختم نبوت پر قزاقانہ حملہ کیا ہے:

یتیم مکہ محمدؐ کہ آبرو خدا است

کسے کہ خاک رہش نیست بر سر او خاک است

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ان ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے
رواداری پر مائل ہیں اور انگریز کو ادنیٰ الامر بھی جانتے اور مانتے ہیں۔ وہ حرامان نصیب روز محشر

شفیع امت حضور ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر آئیں گے۔

جو ”میاں“ ﷺ کا نہیں وہ منہ لگانے کے قابل بھی نہیں

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر مائل ہیں وہ حرماں نصیب روز محشر شفیع امت حضور خاتم النبیین ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ جو ”میاں“ ﷺ کا نہیں وہ اس قابل نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔ نبی کریم ﷺ کے منصب عالیہ پر ڈاکہ ڈالنے والا میلہ کذاب کی طرح آج بھی واجب القتل ہے۔ ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی معافی اسلام میں کہیں نہیں۔ مرزا اور اس کے ماننے والے دجال، کذاب، مرتد، واجب القتل اور جہنمی ہیں۔¹

ثائم بم

تحریک تحفظ ختم نبوت (53ء) میں ہزاروں جوانان گل گوں قبا، سرچو شان راہ بقا اور سرستان عہد وفا کی قربانی و شہادت صلح حدیبیہ کی مثل ہے۔ میں تو زندہ نہیں رہوں گا مگر تم دیکھو گے کہ شہیدوں کا خون بے گناہی رنگ لا کر رہے گا۔ میں نے اس تحریک میں مسلمانوں کے دلوں میں ایک ثائم بن رکھ دیا ہے۔ جو وقت آنے پر ضرور پھٹے گا اور اس کی تباہی سے مرزائیت کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔

مطمئن

ایک مرتبہ شاہ جی نے جیل میں پھانسی خانے کو دیکھا۔ آپ نے تختہ دار پر قدم رکھا اور پھر اپنے آپ کو تو لا کہ اگر اس راہ میں پھانسی آجائے تو میں اس پر تیار ہوں یا نہیں تو فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو مطمئن اور تیار پایا۔ (”شاہ جی کے علمی اور تقریری جواہر پارے“) (اعجاز احمد خان سنگھانوی)

بخاری اور ان کے ساتھیوں کے متعلق

مولانا عبید اللہ انور صاحب ہی نے یہ بھی تحریر فرمایا۔ حضرت نے ایک دفعہ جمعہ کے

خطبہ میں فرمایا کہ حکومت کہتی ہے کہ عطاء اللہ شاہ فساد پھیلاتا ہے۔ ان اللہ کے بندوں کو معلوم نہیں کہ اگر عطاء اللہ شاہ فساد پر آمادہ ہو جائے تو مرزا سیت کا قلعہ قائم نہیں رہ سکتا۔ میں کہتا ہوں اگر شاہ بخاری شام کو حکم دے دیں تو صبح ہونے سے پہلے ”ربوہ“ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے۔ پھر فرمایا حکومت کی گولیوں اور بندوقوں میں وہ طاقت نہیں جو علماء کی زبان میں ہے۔ ہمارے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری بحمد اللہ سب پر بھاری ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں، اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ ایک مرتبہ تو حضرت نے شاہ جی کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا۔ محشر کا دن ہوگا۔ رحمت دو عالم ﷺ جلوہ افروز ہوں گے۔ صحابہ کرام بھی ساتھ ہوں گے۔ بخاری آئے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ معانقہ فرمائیں گے اور کہیں گے۔ بخاری تیری ساری زندگی عقیدہ نبوت کی حفاظت میں گزری اور کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف ہوئی۔ آج میدان حشر میں تیرا شفع میں ہوں۔ تیرے لئے کوئی باز پرس نہیں، جا اور اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہو جا۔ تیری جماعت کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں۔ جس طرف سے چاہو کھلے بندوں جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔¹

مرزا قادیانی جہنمی ہے، شیخوپورہ میں مناظرہ

گو جرانوالہ میں ہی تشریف آوری کے دوران انہوں نے تقسیم ہند سے قبل شیخوپورہ میں ہونے والے ایک مناظرہ کی روداد بھی سنائی۔ یہ ایک علمی مناظرہ تھا جس کے لئے موضوع ”حیات مسیح“ مقرر کیا گیا تھا۔ مناظرہ صبح دس بجے سے ایک بجے تک ہوا۔ ایک بجے کھانے اور نماز ظہر کا وقفہ کیا گیا۔ مناظرہ جب دوبارہ شروع ہوا تو ایک دیہاتی کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی مولانا! میں صبح سے آکر بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی میں سمجھ سکا ہوں کہ بات کیا ہے؟ میں نے قریب ہی کے گاؤں جانا ہے۔ میرے جانور بھوکے ہیں۔ میں نے انہیں جا کر چارہ وغیرہ دینا ہے۔ اجازت ہو تو میں ایک سوال کر کے چلا جاؤں۔ اس کے بعد اس نے مرزائیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ میں نے صرف ایک ہی سوال کرنا ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں؟ انہوں نے اجازت دے دی تو اس نے کہا:

”میں نے سنا ہے کہ مرزا صاحب کا محمدی بیگم نامی عورت سے قیامت کے دن نکاح

ہوگا۔ کیا یہ درست ہے؟“

مرزائی۔ ”ہاں“

دیہاتی۔ ”ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے روز اللہ پاک میرا نکاح پڑھائیں گے اور فرشتے میری بارات میں ہوں گے۔ کیا یہ درست ہے؟“

مرزائی۔ ”ہاں“

دیہاتی۔ ”مرزا صاحب کے مطابق محمدی بیگم اور اس کے والدین کافر ہیں اور کافر ہونے کے ناطے جہنم میں جائیں گے؟ اور محمدی بیگم کے والدین نے مطالبہ کر دیا کہ نکاح کے بعد مرزا صاحب کو گھر داماد رکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا صاحب تمام زندگی جہنم میں گزاریں گے۔“

اس کے ساتھ ہی شور و غل پڑ گیا اور نعرے لگنے لگے ”ختم نبوت زندہ باد، مرزا جہنمی مردہ باد۔“ اس طرح وہ مناظرہ ہم نے جیت لیا۔¹

اگر دعاؤں سے کام چل سکتا تو.....!

تحریک ختم نبوت کے زمانے میں شاہ جی سے کسی نے کہا۔ شاہ جی ایسے کام نہ کیجیے جن سے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑے۔ اب آپ ضعیف ہیں۔ ضعیف العمری کا تقاضا ہے کہ اب آپ آرام کریں۔ شاہ جی نے بڑے جلال سے کہا۔ ناموس رسالت ﷺ خطرے میں ہے۔ اغیار، شمع رسالت بجھانے کے درپے ہیں اور تم مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟ بھائی تم مجھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں خودکشی کر لوں؟ بخاری زندہ ہو اور خاموش رہے؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ ان صاحب کی یہ حالت تھی کہ..... کاٹو تو لہو نہیں بدن میں!²

شاہ جی کی نکتہ آفرینی

آپ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میرا موضوع ہے عصمت انبیاء۔

1 ”تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک“ ص 294-295، از: مولانا امجد علی

2 ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“، امیر شریعت نمبر حصہ دوم، ص 506

اور میں سورہ فاتحہ کی آخری آیات کی روشنی میں اسے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں فرمایا گیا ہے کہ اے اللہ ہمیں چلا سیدھی راہ پر۔ ان مقتدر ہستیوں کی راہ پر جن پر ہمیشہ تیرا انعام و اکرام ہوتا رہا۔ جن پر کبھی تیرا غضب نازل نہیں ہوا اور جو کبھی بھی راہِ راست سے نہیں بھٹکتے۔ یہ صاف اور واضح طور پر انبیاء کرام کے متعلق ہے جن کے لئے معصومیت لازمی شرط ہے۔ نبی کے لئے معصوم ہونا لازمی ہے۔ اور نبی کے علاوہ اور کوئی شخص معصوم نہیں ہو سکتا۔ لیکن پنجاب میں بھی ایک نبوت پیدا ہوئی۔ میں تو حیران ہوں کہ آج نبوتیں اس طرح جنم لے رہی ہیں جیسے موسم برسات میں کیڑے اور پھر قادیانی خدا کی بدتمیزی ملاحظہ ہو کہ قلم کو سیاہی لگا کر سیاہی کے دھبے اپنے ”پیارے“ نبی کی شلوار پر گرا دے۔ بتائیے! کوئی برے سے برا فشی بھی ایسا مکروہ عمل نہیں کرتا۔ لیکن کیا کیا جائے نبوت ہی ایسی ہے۔

مسلمانو! آج میں کھل کر ایک بات کہتا ہوں۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اللہ کی ربوبیت اسی وقت تک قائم ہے جب تک محمد ﷺ کی نبوت قائم ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت کی ابدیت ہی اللہ کی ربوبیت کی مظہر ہے۔ ہم میں سے کس نے خدا کو دیکھا ہے؟ ہم کیسے یقین کرتے ہیں کہ ایسی بھی کوئی ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔ ہاں! ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے جنہوں نے ہمیں بتایا کہ خدا بھی ہے۔ ہمیں تو اعتماد ہے اس بلند شخصیت پر۔ بھائی اعتماد کی ہی تو ساری بات ہے۔ اگر اعتماد نہ ہو تو سارا کھیل ہی چو پٹ ہے۔¹

میں ذمہ دار ہوں

ادھر تحریک کی اندوہناک پسپائی سے لوگوں میں مایوسی کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ کوئی لوگ ان شہداء کے متعلق جو اس تحریک ناموس ختم نبوت پر قربان ہو چکے تھے، یہ سوال کرتے کہ ان کے خون کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جی نے لاہور کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے جواب دیا کہ:

”جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے، ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشق رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبہ شہادت

میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کئی کترار ہے ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاک خانوں کی بھیئت چڑھ گئے لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی سات سو حافظ قرآن اسی مسئلہ کی خاطر شہید کر دیئے تھے۔ شاہ جی! تحریک کی پسپائی سے غایت درجہ ملول تھے۔ ان کا دل بچھ چکا تھا۔ فرماتے غلام احمد کی نبوت کے لئے تحفظ ہے، لیکن محمد ﷺ کی ختم نبوت کے لئے تحفظ نہیں۔ عموماً اشکبار ہو جاتے۔ اسی زمانہ میں ایک دن تقریر کرنے کے لئے اٹھے تو عمر بھر کی روایت کے برعکس نہ خطبہ مسنونہ پڑھانا زیر لب ورد کیا فرمایا:

مسٹر پریزیڈنٹ، لیڈیز اینڈ جنٹلمین! لوگوں نے قہقہہ لگایا اور شذر رہ گئے۔

”شاہ جی! یہ کیا؟“ فرمایا ایک سیکولر سٹیٹ کے شہریوں سے مخاطب ہوں۔¹

بخاری پاکستان سے آرہا ہے

ترکی میں ایک عالم دین نے خواب دیکھا کہ:

”آقائے نامدار ﷺ مع صحابہ کرام گھوڑوں پر سوار سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ آقا ﷺ کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا بیٹا عطاء اللہ بخاری پاکستان سے آرہا ہے۔ اسے لینے جا رہے ہیں۔ ترکی کے یہ عالم دین سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو نہ جانتے تھے۔ پاکستان میں وہ صرف مولانا محمد اکرم سلطان فونڈری لاہور کو جانتے تھے۔ ان کو خط لکھا کہ فلاں رات خواب میں اس طرح دیکھا۔ آپ فرمائیں تو یہ عطاء اللہ شاہ بخاری کون ہیں اور اس رات کیا واقعہ پیش آیا۔ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ خواب کی وہی رات تھی جس رات سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وصال ہوا۔²

1. تحریک ختم نبوت ص 144 مصنفہ آغا شورش کشمیری

2. تذکرہ مجاہدین ختم نبوت 356

خود کاشتہ پودے کی آبیاری

میں کوئی دستوری نہیں، سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا۔ اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں گے تو میں ان کا منہ چوم لوں گا۔ میں تو ان چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو ”صاحب بہادر“ کو کاٹ کھائیں۔ خدا کی قسم میرا ایک ہی دشمن ہے۔ انگریز۔ اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی، ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کئے بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہو گئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لئے مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا کیا۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چھیتے بچے کی طرح پال رہا ہے۔

محاسن نبوت

حضرت آدم علیہ السلام سے پچیسویں آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تک کوئی ایسا نبی نہیں آیا ہے جس نے اپنی تعلیمات میں جلا پیدا کرنے کے لئے اپنے دور کے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو۔ لیکن نبی اور رسول براہِ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتے ہیں۔ نبی کی اللہ تعالیٰ خود راہنمائی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام بہادر بھی ہوتے ہیں اور معصوم بھی۔ آپ انبیاء علیہم السلام کے احوال پر نگاہ ڈالئے جو نبی بھی دنیا میں تشریف لاتا ہے، اس کے ایک ہاتھ میں الہام الہی کی کڑکتی ہوئی بجلیاں ہوتی ہیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔ وہ کاشانہِ باطل پر برق بن کر گرتا ہے۔ اس کے جلو میں سمندروں کا شور اور طوفانوں کا زور ہوتا ہے۔ اس کی رفتار فرماں رواؤں کا دل دھڑکا دیتی ہے۔ اس کی ایک لاکار سے کائنات کا دل دھل جاتا ہے۔

شاہ جی سے جیل میں ملاقات

●..... ابن امیر شریعت سید ابو ذر بخاریؒ فرماتے ہیں:

1953ء کی تحریک ختم نبوت میں جب اباجی قید تھے تو کئی مہینوں کی کوشش کے بعد ملاقات کی اجازت ملی۔ تینوں چھوٹے بھائی عطاء الحسن، عطاء المؤمن، عطاء المؤمن اور میں ابوالکفیل کے ساتھ سکھر اباجی سے ملنے گئے۔ ان کو تو جیل کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی کہ ”داماد اہل خانہ میں شامل نہیں“ وہ باہر کھڑے رہے۔ ہم چاروں بہن بھائی جیل کے پھاٹک

پر کھڑے تھے کہ سامنے ہشاش بشاش اباجی آتے دکھائی دیئے۔ ابوالفیل تو باہر کھڑے صرف مصافحہ ہی کر سکے۔ سنتری نے تالا کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ ڈیوڑھی میں ہی سیڑھیاں تھیں۔ اباجی ہمارے ساتھ ہی اوپر آ گئے۔ کمرے میں ایک لمبا میز اور کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک پر جیلر بیٹھ گیا، ایک پر اباجی اور باقی پر ہم۔ گھر کا حال احوال پوچھا، بھائیوں سے تعلیم کا پوچھا۔ نصیحتیں کیں۔ اباجی نے جیلر سے پوچھا کہ داماد کو ملاقات کی اجازت کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا ”داماد“ کیا ہوتا ہے؟ عطاء الحسن سلمہ نے کہا ”سن ان لاء“ تو پھر اس نے قانونی مجبوری بیان کی۔ پون گھنٹہ کے قریب ہم بیٹھے۔ جس، تپش، خراب آب و ہوا، ناقص غذا اور اسی قسم کی دیگر ابتلاؤں کے سبب صحت بہت دگرگوں تھی۔ بالخصوص چہرہ اور سینہ پھوڑوں پھنسیوں سے بھرا ہوا تھا۔ مگر اباجی نے اپنی کسی تکلیف کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ پھر وہ ہمارے ساتھ ہی سیڑھیاں اترے اور اتنی بات کہی کہ رات رکنا مت۔ شاید آج ہی چاند ہو جائے۔ شعبان کی اس دن انتیس تھی اور پھر ہم تو سلاخوں سے لگے انہیں جیل کے اندر جاتا دیکھتے رہے۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اور وہ عشق محمد ﷺ کے مسافر پیچھے مڑ کر دیکھا بھی کب کرتے ہیں۔¹

انسان یا چٹان

راقم الحروف کو یہ واقعہ شاہ جی نے خود سنایا تھا۔ فرمایا ایک دفعہ جالندھر قادیانیت کے خلاف تقریر کر رہا تھا۔ اچانک کسی مخالف نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ فرمایا شہد کی مکھیوں کا ایک مکمل نظام ہے۔ وہ اس نظام اور اپنے سردار کے تحت کام کرتی ہیں۔ فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ مکھیوں کا سردار آگے آگے میری طرف تیزی سے آرہا ہے اور پیچھے پیچھے مکھیوں کا لشکر۔ وہ آتے ہی میرے ابروؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور ساتھ ہی تمام لشکر نے میرے چہرے پر ڈیرہ جمالیا۔ اسی اثناء میں، میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے۔ میں فوراً لاکر ارا کہ خبردار! کوئی اٹھنے نہ پائے۔ فرمایا مجھے معلوم تھا کہ یہ بھاگتے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اس لئے روک دیا کہ میں تو تختہ مشق بن چکا ہوں لوگ بھی ساتھ مارے نہ جائیں۔ فرمانے لگے کہ میرا چہرہ گرم ہوتا گیا۔ مجھے ان ڈنگ مارنے کا کچھ احساس نہیں تھا۔ صرف ایک مکھی نے کہیں میری آنکھ کے کونے

میں ڈنگ مارا تو مجھے سوئی لگنے کی سی چھن محسوس ہوئی مگر میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ بالاخر لوگوں نے سعی کر کے مجھے وہاں سے بچ بچا کر ساتھ لیا۔ کئی دن میرے چہرے کا درم نہ گیا۔ کئی سیروں تو برف کوٹ کوٹ کر میرے چہرے پر رکھی جاتی تھی۔ فرمایا مجھے ایک خطرہ تھا کہیں میری بینائی کو نقصان نہ پہنچا ہو۔ جب ذرا میری آنکھیں کھلیں تو مجھے روشنی نظر آئی، میں نے شکر کیا۔¹

در بار رسالت ﷺ کا حکم

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب در خواستی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے میری زیارت کے بعد پاکستان چلے جانا (کیونکہ حضرت کا ارادہ تھا کہ بقایا عمر دیار حبیب میں ہی گزاروں) وہاں میری ختم نبوت پر کتے لپکے ہوئے ہیں۔ تم بھی اس کی حفاظت کرو اور عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو میرا سلام پہنچا کر کہہ دینا کہ وہ اسی کام پر ڈنٹا رہے۔

چنانچہ حضرت در خواستی مدینہ طیبہ سے پاکستان واپس تشریف لائے تو بجائے خانپور کے ملتان شریف لے آئے اور شاہ جی گور حمت دو عالم ﷺ کے سلام پیش فرمائے۔ تو شاہ جی زارو قطار رونے لگ گئے۔ کافی دیر رونے کے بعد فرمایا در خواستی صاحب گواہ رہنا۔ جب تک زندہ رہوں گا قادیانیت کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ کاجب یہ پیغام ملا تو کچھ عرصہ کے بعد دہلی دروازہ لاہور شاہ جی کی ختم نبوت کے موضوع پر تقریر ہوئی۔ تقریر کے دوران میں ایک بار والہانہ جھوم کر فرمایا میں تو پہلے ہی اللہ کے فضل سے باز آنے والا نہیں تھا مگر اب تو ”سوہنے“ یعنی محبوب کا پیغام آ گیا ہے۔ ہاں ہاں میرا سب کچھ ختم نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے گا تو پرواہ نہیں۔



اقلیم خطابت کا فرمانروا

حضرت شاہ صاحب عوامی خطابت کی اقلیم کے فرمانروا ہیں۔ آپ کی زبان کا لوج، اسلوب کی دل کشی۔ خیالات کی پختگی، روانی کا بہاؤ۔ ظرافت کا شستہ پن، حاضر جوابی کی شوخی، تمثیلات کا قرآنی رنگ۔ بیان کی سحر کاری..... نہ صرف اردو خطابت کے لئے بے مثال ہے۔ بلکہ عصر حاضر میں عدیم النظیر بنیادی وصف یہ ہے۔ کہ وہ مجمع کے ذہنوں کو اکائی میں بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور بقول برو ایک خطیب کا منہجائے کمال یہ ہے کہ وہ جس حد تک سامعین کو اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے۔ اسی درجہ کا وہ خطیب تسلیم ہوتا ہے شاہ جی کے بیان کی ایک اور خوبی یہ بھی ہے۔ کہ وہ آنسوؤں کے تاگے میں قہقہوں کے پھول پرودیتے ہیں۔ اور قہقہوں کے رشتہ میں آنسوؤں کے موتی اور بقول اقبال ان کی خطابت کا خلاصہ یہ ہے کہ

گہے گریہ او چوں ابرے بہارے
گہے خندہ او چوں تیغ اصیلے

● شیخ حسام الدین لکھتے ہیں:

ایک بنجیدہ خطیب

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہی دنوں، حالات کے افق پر حضرت سید عطاء اللہ شاہ

بخاری کی شخصیت ابھری..... اور نکھرتی چلی گئی۔ ان دنوں میں نے شاہ جی کو محلہ وار مجالس میں سنا تو ان کے دین و دانش کی کشش نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔ اُس دور کے مناظروں میں اشتعال انگیز گفتگو اور حزب مخالف پر سب و شتم کو مناظرے کا ایک حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن شاہ جی جس متانت، سنجیدگی، استدلال اور منطق کو پیرایہ اظہار میں لاتے تھے۔ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اور دین و مذہب کے معاملے میں اُن کے علم کی وسعتوں کا آج بھی خیال آتا ہے۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ کیا کیا خوبیاں اور کیسے کیسے کمالات تھے۔ جن سے فطرت نے بخاری کی شخصیت کو آراستہ کیا تھا۔

مرزا محمود کو بھگا کر اسٹیج پر قبضہ کر لیا

ڈہنی طور پر تو میں شاہ صاحب کے خیالات کی گرفت میں آچکا تھا..... لیکن عملی طور پر ابھی تک اُن کے قرب کی سعادت مجھے نصیب نہ ہوئی تھی کہ غالباً 1920ء میں قادیانیت کی لہر ایک نئی کروٹ کے ساتھ حالات پر اثر انداز ہونے لگی۔ امرتسر کے ”بندے ماترم ہال“ میں ایک جلسے کا اہتمام ہوا جس میں مرزا بشیر الدین محمود کو شریک ہونا تھا۔

چنانچہ پولیس کا انتظام بھی بے حد وسیع تھا۔ لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ لیکن مرزا بشیر الدین محمود کے لئے چائے کا انتظام تھا۔ وہ اسٹیج کی اوٹ میں چائے نوشی کا لطف اٹھانے لگے۔ اُن کی اس حرکت سے لوگوں میں بڑی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ بلکہ ان میں ایک نفرت سی ابھرنے لگی۔ خیر اجلاس کا آغاز ہوا۔ مرزا صاحب میر محفل بنے بیٹھے تھے۔ ایک مبلغ روشن دین نے تلاوت قرآن شروع کی۔

اچانک پچھلی صفوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ”صفیں چیرتے ہوئے دیوانہ وار اسٹیج کی جانب لپک رہے تھے۔ اُن کے چہرے پر جلال کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ از خود اُن کے لئے راستہ بناتے گئے۔ جب وہ اسٹیج سے کچھ ہی فاصلے پر تھے۔ تو اُن کی آواز کا شعلہ فضا میں لپکا اور یہ الفاظ گونجنے لگے:

”ٹھہرو“ تم قرآن پاک کی غلط تلاوت کر رہے ہو۔ خدا کے خوف سے ڈرو۔“

مرزا بشیر الدین محمود کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اتنے میں پولیس اسٹیج کے

قریب آگئی اور مرزا صاحب کو گھیرے میں لے لیا۔ لوگوں میں ایک افراتفری سی پھیل گئی۔ نعرہ تکبیر گونجنے لگے اور آن کی آن میں تمام جلسہ تتر بتر ہو گیا۔

شاہ صاحب کی یہ جرأت اُن کے جذبہ ایمان کی ایک ایسی روشن اور واضح دلیل ہے۔ کہ اس کے بعد اس پہلو پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے واقعات کو معرض تحریر میں لانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔¹

سانحہ جلیانوالہ باغ

امرِ ترس میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ پیش آیا۔ تو انگریزوں نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اس دور میں مارشل لاء کے نفاذ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی لگن کچھ اور بڑھ گئی۔ اور اندر ہی اندر ایک حرارت انگریزوں کے خلاف ایک نفرت کی شکل اختیار کرتی گئی۔ آخر ستر دن کے بعد مارشل لاء ختم ہوا..... تو راہنماؤں نے انگریز کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور اس شدت سے مصروف عمل ہوئے کہ جلیانوالہ باغ میں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے اور پھر مارشل لاء کی قدغن لگانے والے لیفٹیننٹ جنرل گورنر ”سرمائیکل ایڈوارڈز“ کو رخصت ہونا پڑا۔ برطانوی استبداد کے یہ تماشے شاہ جی کے دل میں انگریز کے خلاف نفرت کا ایک ایسا بیج بوتے رہے کہ وہ زندگی کے آخری ایام میں بھی یہ کہا کرتے کہ۔ انگریز کی فطرت کا خمیر، سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے۔ اور اپنی غذا کے لئے اُسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی ہے۔ مشکل سے چھوٹے گی۔

مذکورہ مارشل لاء کے بعد ہندو مسلم اتحاد نے نئے خطوط وضع کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر 1919ء میں منعقد ہوا۔ جس میں علی برادران، ڈاکٹر کچلو، مسز سروجنی ٹائیڈو، مفتی کفایت اللہ، علامہ اقبال، مولانا حسرت سوبانی، پنڈت نہرو ڈاکٹر انصاری اور دیگر بہت سے راہنمایان وطن جمع ہوئے اس اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اسٹیج کے ایک کنارے ہمہ تن گوش بیٹھے تھے۔ اُن دنوں گو شاہ جی کا دائرہ عمل دینی تبلیغ کی حدود سے باہر نہیں تھا۔ لیکن ملک کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ان پر سیاسی رنگ چڑھ رہا تھا۔ اور

وقت کو جو عظیم خدمت شاہ جی سے مقصود تھی۔ حالات انہیں اس کے لئے از خود تیار کر رہے تھے۔ بلکہ دین اور سیاست کی ہم آہنگی کا تصور ان کے دل میں جواں ہو رہا تھا۔

چنانچہ خلافت کا نفرنس کے عہد میں مولانا داؤد غزنوی کی وساطت سے شاہ جی نے سیاسیات کے میدان میں قدم رکھا..... میں بھی ان دنوں عملی طور پر سیاست سے وابستگی اختیار کر چکا تھا۔ بلکہ اس جگہ اس امر کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں کہ مجھے سیاست کے میدان میں لانے کے لئے ہر چند کہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت کی کشش بھی دراصل اسی کی بنیاد تھی۔ مجھے برسوں تک شاہ جی کی رفاقت کا فخر حاصل رہا ہے۔ میں ہمیشہ ان کی شخصیت کا بڑے غور سے مطالعہ کرتا رہا۔ اور ہر مرتبہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان جیسا بیدار مغز، صاحب ایمان عالم دین، خطیب خوش گفتار اور اسلام کا شیدائی پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔ ان کی عالی ظرفی کا اندازہ کیجئے کہ میرا کئی مرتبہ سیاسی مسائل پر ان سے اختلاف بھی ہوا..... بات کے مختلف پہلوؤں پر گرما گرم بحثیں بھی ہوئیں۔ مگر..... اس قسم کے حالات ساون کے بادلوں کی طرح گزر گئے۔ شاہ جی کے مزاج اور میرے ساتھ برتاؤ میں کبھی فرق نہ آیا۔ وہ اپنے طرز عمل سے ایک مجھی کو کیا بلکہ ہر دوست دشمن کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا کچھ ایسا ڈھنگ جانتے تھے کہ..... اس دور کے لوگوں میں وہ بالکل ناپید ہے بلکہ آئندہ بھی اس قسم کی صفات کی جھلک کسی انسان میں مشکل سے دیکھنے میں آئیں گی۔

مجلس میں جماعتی انتخابات کے موقع پر وہ کہا کرتے تھے کہ:

”بھائی! انتخاب دونوں کی اساس پر نہ کیا کرو۔ بلکہ مسائل اور ضروریات کی روشنی

میں ذمہ داریاں سنبھال لیا کرو۔

چنانچہ مجلس احرار کے زمانے میں انہوں نے احرار زما کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی تھی۔ کہ وہ کام اور خدمت قوم کی لگن میں جماعتی انتخابات کی سطح سے بلند و بالا رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی نظریے کے تحت 1931ء میں مجھے مجلس احرار کا صدر بنایا گیا۔ حالانکہ میں (جونیر موسٹ) تھا۔ لیکن وقت کی ضرورت کے پیش نظر ہم میں اختلافات کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی میں مسلسل آٹھ برس تک صدر رہا۔ پھر جب پاکستان بنا تو۔ ماسٹر تاج

الدین انصاری نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔

مجلس احرار کی صدارت کے زمانے میں شاہ جی نے ہمیشہ سیاسی، مذہبی، دینی اور ملی مسائل کو حل کرنے میں درپردہ میری ایسی رہنمائی کی..... کہ ان کرم فرمائیوں کے سلسلے میں شاہ جی کی روح کو میں جس قدر خراج تحسین ادا کروں کم ہے۔ میں نے شاہ جی کے ساتھ اپنی سیاسی زندگی میں کئی مرتبہ قید و بند کے مراحل بھی طے کئے۔ لاہور، راولپنڈی اور ملتان کی جیلوں میں بہت سے لیل و نہار ہم نے ایک ساتھ بسر کئے۔ جیل کی دنیا میں بھی میں نے شاہ جی کے مزاج کی ان خوبیوں کو پڑمردہ نہیں دیکھا۔ جوان کی شخصیت کا ایک حصہ تھیں۔

تکالیف پر مسکراہٹیں نکھار کر تا تو گویا ان کا ایک مشغلہ بن گیا تھا۔ اور بے خوف اتنے کہ فرائض کی بجا آوری کے لئے، نتائج کی پروا کئے بغیر ہر مقام پر اور ماحول میں دشمنوں سے ٹکرا پنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتے تھے۔ اور خاص طور پر عشق رسول ﷺ کے معاملے میں تو ان کے جذبات کی مثال اس دنیا میں ملنا ہی ناممکن ہے۔

اپنوں، پرائیوں میں میں نے شاہ جی کا جوا احترام دیکھا اُس کے پیش نظر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سیاست کی وادیوں میں قدم نہ بھی رکھتے تو پیری مریدی کے میدان میں دو بڑی شاہانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ اور دنیاوی آسائش اور راحتیں ان کا لوڑھنا بچھونا بن سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے فقر اور درویشی کا ایسا شعار اختیار کیا جس پر دنیاوی تکلیفوں کے باوجود وہ زندگی بھر فخر کرتے رہے۔

تقسیم کے فسادات نے افسردہ خاطر کر دیا

آغا شورش کشمیری لکھتے ہیں:

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پر تو آں

ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

1947ء کا ذکر ہے غالباً مارچ کا مہینہ تھا۔ عام فسادات پنجاب میں بھی پھوٹ چکے

تھے شاہ جی اس سے تو خوش تھے۔ کہ انگریزوں کے چل چلاؤ کا زمانہ ہے لیکن اس کا انہیں بہت ہی دکھ تھا کہ خون خرابہ بے قابو ہو چکا ہے وہ امرتسر سے لاہور چلے آئے اور دفتر احرار لاہور میں

مقیم ہو گئے۔ دن بھر محفلیں جتیں گئی رات تک دربار لگا رہتا۔ عام عقیدت مند جمع ہوتے اور ان کے انوارِ سخن سے جھولیاں بھرتے لیکن ان دنوں ان کے چہرے پر ہنسی کے آثار بہت تھوڑے تھے۔ اس سے پہلے وزارتِ مشن کے زمانے میں ہم کوئی دو ماہ دہلی میں اکٹھے رہے تھے اور وہ زمانہ اپنی بوقلمونیوں کے باعث تاریخ کا ایک یادگار حصہ تھا۔ میں نے شاہ جی سے عرض کیا کہ میری بعض یادداشتیں ادھوری ہیں اگر آپ اپنے خاندانی حالات پر روشنی ڈالیں تو یہ یادداشتیں مکمل ہو سکتی ہیں لیکن وہ طرح دے گئے ان کے نزدیک اس کی ضرورت ہی نہ تھی وہ تحریر کو ایک فتنہ سمجھتے اور اپنے اس عقیدے کو ہمیشہ دہراتے کہ جب سے حافظہ کی جگہ تحریر نے لے لی ہے نہ صرف انسان کو عقلی اعتبار سے ضعف پہنچا ہے بلکہ ہر طرف عجیب الخلقیت تنازعوں کی آب و ہوا پھیل گئی ہے وہ عام لوگوں کی طرح اس دور کو ترقی کا دور نہیں کہتے بلکہ ان کے نزدیک یہ خسران کا دور ہے اور تحریر اس خسران کی پچ دار بنیادوں میں سے ایک.....!

”بھائی میرے حالات لکھ کر کیا کرو گے؟ مولانا ابوالکلام آزاد نے تذکرہ میں ابوطالب کلیم کی زبانی اپنی ہی نہیں، ہماری بھی سرگزشت لکھ دی ہے۔“

دور دور تک آگ لگی ہوئی دیکھ رہا ہوں

جس زمانے میں خضر وزارت کے خلاف بلا ناغہ احتجاجی جلوس نکل رہے تھے ان جلوسوں میں زبانِ خلق کی ساری خصوصیتیں جمع ہو گئی تھیں شاہ جی مغرب کے وقت دفتر کے چھجے میں آکھڑے ہوتے ان مظاہروں کا نظارہ کرتے اور جب بے قابو نو جوانوں کی آوازیں شفق میں گھلنے لگتیں تو سرد آہ بھرتے اور کہتے: وہ شورش! مجھے صاف نظر آرہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ دور دور تک آگ لگی ہوئی ہے، مکان جل رہے، دکانیں لوٹی جا رہی اور قزاق عصمتیں اڑائے سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ ماں بیٹے کو چھوڑ چکی، باپ بیٹی کو ہار چکا ہے۔ چاروں طرف قیامت کا صور پھک گیا ہے۔ پھر ایک ایک کی ملنگوں کے انداز میں نعرہ گونجانے لگتے۔

”کردے چٹیل میدان مولا، کردے چٹیل میدان“ لعنت بر پدر فرنگ اور فرنگ پر خاص زور دیتے۔ تبرئی کی یہ آواز کبھی کبھار شاہ محمد غوث کی مسجد سے اٹھتی ہوئی آذان سے جا ٹکراتی نیاز مند شاہ جی کے اس قلندرانہ نعرے پر مسکراتے اور آپ جھنجھلا کر فرماتے:

میاں آج ہنستے ہو کل روؤ گے، تم نہیں دیکھ سکتے، میں دیکھ رہا ہوں جو کچھ بیت رہا اور جو کچھ بیتنے والا ہے۔ ایک وبا پھوٹ چکی، ایک وبا آرہی ہے تب ان کی زبان پر قرآن مجید کی آیتیں جاری ہو جاتیں، ان کی قرأت میں گداز پیدا ہو جاتا۔ ان کے لحن میں آنسو آ جاتے اور ہم تھے کہ ان کا منہ ٹکا کرتے۔ ہمارا وجدان شہادت دیتا کہ فقیر غلط نہیں کہہ رہا ہے لیکن عقل سپر انداز ہونے سے انکار کرتی۔

”ہاں بھائی انگریزوں کا مفاد اسی میں ہے کہ بستیاں کو مکملہ ہو جائیں، لوگ قتل ہوں۔ آخر جانے سے پہلے فرنگی بابا آزادی کی قیمت لے کر ہی جائے گا۔ تم نے آزادی مانگی تھی یہ لو آزادی؟ یہ اس کی پہلی قسط ہے۔“

سیاست کا معنی مکر

”ہاں میں جانتا ہوں، سیاست کے معنی ہیں مکر، کلام اللہ میں بھی یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔ میں نے لفظ سیاست سے زیادہ کوئی لفظ نہیں دیکھا۔ یہ خدع و فریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چکاتے ہیں“

اور میں جی ہی جی میں سوچ مکر چپ ہو رہتا

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو عام حالات میں یہ باتیں بے وزن تھیں۔ جس شخص کی نصف زندگی خود سیاست میں گزری ہو پھر جس نے قبرستانوں میں آذائیں دی ہوں۔ اس کا سیاست کے بارے میں یہ ذہن ایک لطیفہ تھا۔ موڈ کے آدمی تھے کبھی یہ سوچنے کی مہلت ہی نہ دیتے تھے کہ انہوں نے عصری تحریکوں کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ ان کے نزدیک ہر چیز کا ایک ہی ترازو تھا اور وہ تھا قرآن مجید، اسوہ رسول، سیرۃ صحابہؓ اور علمائے امت کا فہم و تدبر۔ ان ائمہ اربعہ کے سوا جن کی فقہ چلتی ہے وہ کسی جدید فقہ کے قائل نہ تھے ان کا واحد معیار اسلاف تھے۔ اس دور کی بیشتر تحریکیں ان کے نزدیک ذہنی بدکاری تھیں۔ اور آہ ہم میں سے یہ باکمال جاتا رہا۔¹



بخاری! ایک رضا کار

● میانوالی کے محمد گل شیر خان واقعہ سناتے ہیں:

صبح دم وہ بھی نہ چھوڑی، تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک!
کسی مفکر نے خوب کہا ہے کہ اعتراف عظمت کے لئے باعظمت انسان کا ہونا
ضروری ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسی ہستی پر مجھ ایسے نالائق طالب علم کا قلم اٹھانا سوزِ جگر کو
چراغ دکھانے کے مترادف ہے لیکن ایسی برگزیدہ ہستی کا ذکر بھی میری رائے میں سعادت سے
کسی صورت کم نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ہستی میں ایک انجمن تھے فقیری میں امیری کرتے تھے۔
لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ تمام عمر رضا کار ہی رہے۔
ذیل کے واقعہ سے تو اور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آپ قوم کے محبوب رہنما کے ساتھ
ساتھ رضا کارانہ جذبے سے سرشار رہتے تھے۔

فروری ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے آغاز سے تین چار روز پہلے
آپ مسلمانانِ میانوالی کی دعوت پر میانوالی تشریف لے آئے جس گاڑی پر آپ نے آنا تھا۔ وہ
عشاء کی نماز کے وقت آتی تھی۔ سٹیشن پر مقامی احباب آپ کے منتظر تھے میں بھی ایک تماشا شائی
کی صورت میں سٹیشن پر جا نکلا۔ گاڑی وقت پر آئی۔ دیکھا۔ تو ایک تھرڈ کلاس کے ڈبہ سے یہ عظیم
رضا کار اکیلا اپنے کمرے سے باہر سامان نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نہ کوئی خادم ساتھ ہے اور
نہ کوئی اور ساتھی۔ بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اسے کسی اور ساتھی کی ضرورت ہی نہیں۔ حالانکہ عام
طور پر عام لیڈروں کے ساتھ بھی ایک دو خادم ضرور ہوتے ہیں۔ یہ صورت دیکھ کر معامیرے
دل میں یہ خیال آیا۔ کہ یہ وہ عظیم رضا کار ہے۔ جو گلستانِ ختم نبوت کی حفاظت کے لئے اوقات
کی قیود سے آزاد ہے۔ عمر کا تقاضا اس پر بے اثر ہے۔ سوائے اللہ کے اس کی اپنی ذات کسی کی

محتاج نہیں۔ مقامی ساتھی آگے بڑھے۔ اور جائے رہائش پر انہیں لے آئے۔
دوسرے دن ٹھیک ڈیڑھ بجے ظہر کی نماز کے بعد جلسے کا آغاز ہوا۔ مولانا درخواستی صاحب بھی موجود تھے۔ آپ نے مخصوص خطیبانہ انداز سے خطبہ فرمایا۔ اور اپنے مضمون پر سیر حاصل تقریر کی دوران تقریر یہ شعر پڑھا۔

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے

پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

اس وقت کسی کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آسکتی تھی کہ واقعی بخاریؒ کی میانوالی میں یہ آخری تقریر ہے۔ لیکن بعد میں یہ حقیقت بن کر ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے بعد میانوالی میں بخاریؒ کی تقریر سننا ہمیں نصیب نہ ہوئی۔

آپ کی یہ تقریر تاریخی تھی۔ آپ نے دوران تقریر میں مولانا درخواستی صاحب کے ترک وطن اور استخارے کا واقعہ نہایت دردناک انداز سے فرمایا۔ جن سے مجمع میں ایسا رقت آمیز سماں پیدا ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ مجمع تڑپ کر رہ گیا۔¹

آپ کا شمع رسالت سے عشق اور حُسنِ ختم نبوت کی حفاظت کے عزم کے اظہار نے سامعین پر ایسی کیفیت طاری کی۔ کہ ہر شخص ختم نبوت کی مے سے سرشار نظر آنے لگا۔ تقریر کے بعد جب آپ واپس قیام گاہ پر تشریف لائے تو ڈاکہ ایک تار لے آیا۔ تار کا مضمون یہ تھا۔

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آپ اولین فرصت میں کراچی پہنچیں۔ صدر مرکز یہ

تار ابھی پڑھنے والے کے ہاتھ میں تھا۔ کہ آپ نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ دیگر ساتھیوں کے علاوہ ضلع جماعت کا صدر بھی آپ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ سامان بھی باندھ

1 حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ خواب میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی۔ فرمایا "عبداللہ کیا کرنے آئے ہو۔" عرض کی آقا بقیہ زندگی آپ کے جوار اور ہمسائیگی میں گزارنے کے لئے آیا ہوں فرمایا تمہارے ملک میں کتنے میری ختم نبوت کو بھونک رہے ہیں اور تم یہاں آگئے ہو فی النور واپس جا کر قادیانیت کا مقابلہ کرو۔ نیز فرمایا میرے نواسے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو سلام کہنا اور کہنا کہ ڈٹ کر قادیانیت کا مقابلہ کرتا رہے۔ (مندرجہ بالا جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔)

رہے تھے اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے۔ کہ پروگرام کے مطابق مجھے ڈیرہ غازیخان جانا تھا۔ لیکن صدر مرکز یہ حکم کراچی کے لئے ہے۔ کیا کروں رضا کار ہوں۔ تعمیل حکم ضروری ہے رضا کار کا کام تعمیل ارشاد ہوتا ہے۔ پروگرام کی تبدیلی کی اطلاع ڈیرہ غازی خان بھجوا دی گئی۔ آپ کے اس عظیم کردار سے دیکھنے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ سامان کے ساتھ اسٹیشن کی طرف جارہے تھے تو میرا دل گواہی دے رہا تھا۔ کہ واقعی یہ مرد درویش جہاں ملک کا اتنا بڑا خطیب ہے۔ وہ ایک عظیم رضا کار بھی ہے۔ دوسرے تیسرے روز اخبارات میں یہ خبر آئی۔ کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کراچی میں اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ صبح چار بجے جلسہ سے فارغ ہونے کے بعد گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

جہاں آپ کے کردار کے دیگر کئی پہلو نمایاں ہیں وہاں یہ بھی پہلو روشن اور تاباں ہے کہ آپ ایک عظیم رضاکار تھے۔ آپ کی شخصیت کا اثر اس علاقہ کے دین دار اور دردمند عوام پر ایسا ہے۔ کہ جب کبھی آپ کا نام ان کے سامنے آجاتا ہے۔ تو بے اختیار پکارا نہتے ہیں۔

نبت رہے گی عقیدت رہے گی

زمانے کو تیری ضرورت رہے گی 1

”نولاک“ اہل پور ۲۸ اگست ۱۹۶۳ء



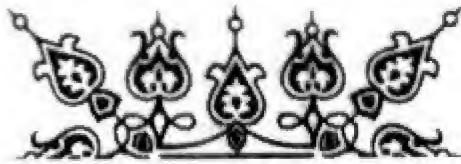
باب دوم

پاکستان اور شاہ جیؒ

..... قیام پاکستان سے پہلے نظریات

..... قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ کا موقف

..... پاکستان امیر شریعتؒ کی نگاہ میں



www.ahlehaq.org

قیام پاکستان سے پہلے کے نظریات

تحریک پاکستان کے دوران آپ کا کیا موقف رہا۔ اور پاکستان کے قیام کے بعد آپ نے کیا موقف اختیار کیا۔

..... چنانچہ پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں:

چونکہ اس باب کا تعلق امیر شریعتؒ کے پاکستان کے متعلق اس کے قیام سے پہلے کے نظریات و خیالات ہیں اس لئے ابتداء ہی میں ان کا کانگریس سے تعلق خود کانگریس کے جنرل سیکرٹری کے الفاظ میں پیش کر دیا جائے اچاریہ کرپانی¹ کے الفاظ جو حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ اور شیخ حسام الدین سے کہے گئے۔

”لیگ سے ہماری لڑائی محض سیاسی حقوق اور ان کے تعین و تقسیم کی لڑائی ہے جس کا بہر حال کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا لیکن مجلس احرار اور جمعیت علماء ہند کی ہمنوائی ہمارے لئے سخت خطرناک ہوگی۔ یہ لوگ زندگی کے ہر پہلو میں ہم سے مختلف ہیں ان کے لباس ان کے عمل، ان کی زبان ان کی نظر غرض ہر چیز میں پاکستان موجود ہے۔ ان سے مصالحت کے بجائے ہم مسلم لیگ سے مفاہمت کر لیں تو کہیں بہتر ہوگا۔“²

اس ایک بیان سے جو کہ ایک نظریاتی دشمن کا ہے احرار کے کردار کا بخوبی اندازہ لگایا

1. اچاریہ کرپانی مشہور ہندو لیڈر کانگریس کے جنرل سیکرٹری تھے مارچ 82ء میں ان کا انتقال ہوا۔

2. بونے گل نالہ دل و دو چراغ محفل از شورش کاشمیری ص 313

جا سکتا ہے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے مسلم لیگ کے نظریہ تقسیم سے ضرور اختلاف کیا مگر انہوں نے آزادی ہند سے تو کبھی اختلاف نہیں کیا۔ انگریزوں سے آزادی کے حصول کو تو وہ ہمیشہ اپنی حیات مستعار کا مقصد اولین بنائے رہے۔ ایک دیانت دار مورخ کا فرض ہے کہ وہ تصویر کے دونوں رخ پیش کرے تاکہ قاری کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے۔ امیر شریعت کا ملک کی تقسیم کے بارے میں مسلم لیگ کے مقابل جو نظریہ تھا اسے میں من و عن بلا تبصرہ پیش کر رہا ہوں۔

”متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مسلم اکثریت اور اقلیت والے صوبوں میں انہیں آبادی کے تناسب کے مطابق جداگانہ بنیاد پر نمائندگی کا حق ملنا چاہئے اور اسی طرح مرکز میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی دی جانی مناسب ہے۔“¹

اگر اس مضمون کو ذرا طول دیا جائے تو صورت حال یہ بنے گی۔ مسلم لیگ کے نزدیک ہندوستان کی نو کروڑ مسلمان اقلیت کے مسئلے کا حل پاکستان تھا۔ احرار کا اس سے سیاسی اختلاف تھا ان کے نزدیک یہ حل ہی نہ تھا وہ کہتے تھے کہ اس طرح 35 فیصد مسلمان جو ہندوستان میں رہ جائیں گے۔ ایک طاقتور ہندو ذہن کا شکار ہوں گے اور جو مسلمان پاکستان میں ہوں گے یا پاکستان میں آئیں گے انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے مابین ہندوستان ہوگا کب تک دونوں حصے ایک حکومت کے تحت رہ سکیں گے ضرور جدا ہوں گے قائد اعظم کے بعد پاکستان میں لیگ کی صفوں سے کسی فعال لیڈر شپ کا ملنا اور اٹھنا محال ہے۔ ملک جذبات سے کہیں زیادہ حقائق پر چلتے ہیں جو مسئلہ آج لیگ اور کانگریس کا ہے وہ کل پاکستان اور ہندوستان کا ہو جائے گا۔ عجب نہیں کہ دونوں ملک بین الاقوامی طاقتوں کا مہرہ بن جائیں اور ان کی باہمی چپقلش سے دونوں مملکتوں کے سر پر ہر لحظہ جنگ کا خوف مسلط ہو۔“²

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس احرار کا نقطہ نظر جو تقسیم کے

1 جب اپنا لہو سخن گلستان میں رواں تھا۔ از نور الحق قریشی ص 621۔

2 سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ از شورش کشمیری ص 268

بارے میں تھا اس کے متعلق یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ نے اس نظریہ کو مغلوب کر دیا اور اپنے نظریہ کے بارے میں حضرت امیر شریعتؒ نے نہایت وسیع القیاسی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیام پاکستان کے بعد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”تم میری رائے کو خود فراموشی کا نام نہ دو میری رائے ہار گئی اور اب اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔“ اور جہاں تک حضرت امیر شریعتؒ کے اس تجزیے کا تعلق ہے جو انہوں نے لیگ کے طریق کار کے متعلق فرمایا تو تاریخ نے اسے حرف بحرف سچ کر دکھایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”جو 35 فیصد مسلمان بھارت میں رہ جائیں گے وہ ایک طاقت ور ہندو ذہن کا شکار ہوں گے۔“

تو کیا گزشتہ چھپن برس کی تاریخ گواہ نہیں کہ ہندوستان میں آئے دن مسلمانوں پر ہندو مسلم فساد کی صورت میں عقاب نازل نہیں ہو رہا گویا کہ حضرت امیر شریعتؒ نے آج سے ساٹھ سال قبل جو فرمایا وہ درست تھا۔ اور اب تاریخ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے جو مسلمان پاکستان میں آئیں گے انہیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی تو کیا اگست 1947ء کو ہونے والے فسادات نے دنیا کو دکھا نہیں دیا کہ ہم نے آزادی کی کتنی بڑی قیمت ادا کی۔

”قائد اعظم کے بعد مسلم لیگ کی صفوں سے کسی فعال لیڈر شپ کا اٹھنا اور ملنا محال ہے۔“

تو یہ بات بھی 11 ستمبر 1948ء کو قائد اعظم کی وفات کے بعد کے واقعات سے ثابت ہو گئی کہ ان کے بعد پاکستان کرسیوں کی جنگ میں الجھ کر رہ گیا اور یہ کہ: ”جو مسئلہ آج لیگ اور کانگریس کا ہے کل وہ ہندوستان اور پاکستان کا ہوگا۔ عجب نہیں کہ دونوں ملک بین الاقوامی طاقتوں کا مہرہ بن جائیں اور ان کی باہمی چپقلش سے دونوں مملکتوں کے سر پر ہر لمحہ جنگ کا خوف مسلط ہو۔“

پاکستان کے قیام کے فوراً بعد 1948ء میں ریاستوں کے مسئلہ پر لڑائیاں، کشمیر کی جنگیں، 1965ء کی جنگ، 1971ء کی جنگ اور آج کی ہمہ وقتی صورت حال اس پیش گوئی کی منظر ہے۔ کہ کل جو مسئلہ کانگریس اور لیگ کا تھا آج وہی پاکستان اور ہندوستان کا ہے۔

علاوہ ازیں احرار اپنا نقطہ نظر آزادی کے متعلق اپنے قیام کے تھوڑا ہی عرصہ بعد واضح کر چکے تھے۔ 11 جولائی 1929ء لاہور کے حبیبیہ ہال لاہور میں احرار کانفرنس مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کی زیر صدارت منعقد ہوئی جس میں احرار نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا مذکورہ بالا کانفرنس میں آزادی کے متعلق احرار کی پالیسی بیان کرتے ہوئے مولانا مظہر علی انظہر نے فرمایا:

”ہندوستان کے لئے سیاسی و اقتصادی آزادی حاصل کرنا ہمارا منہبائے مقصود ہونا چاہئے۔“¹

مولانا مظہر علی انظہر نے آزادی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ احرار کس قسم کی آزادی چاہتے ہیں:

”ہم اب بھی آزادی وطن کے لئے تہہ دل سے کوشش کریں گے لیکن ہماری کوششیں غریبوں، مظلوموں، مفلسوں اور ستم رسیدوں کی آزادی، خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے ہوں گی۔ ہم برطانوی حکومت اور سرمایہ داری کی جگہ ہندوستانی ملوکیت اور سرمایہ داری کو دے کر مطمئن نہیں ہو سکتے۔“²

مولانا مظہر علی انظہر کی اس تقریر سے حضرت امیر شریعتؒ اور احرار کا نقطہ نظر خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ امیر شریعتؒ اور مجلس احرار اسلام نے مسلم لیگ اور قائد اعظم سے سیاسی اختلاف کو کبھی بھی عداوت اور رنجش کا بہانہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ مسلم لیگ اور قائد اعظمؒ سے مفاہمت کی کوشش کی جیسا کہ 1936ء میں مجلس احرار کے مسلم لیگ سے مذاکرات سے ظاہر ہے۔

”مسلمانو! احرار اور جناح کے اتحاد سے پہلے اپنی اصلاح کی کوشش کر لو ورنہ شہید گنج کا کام ادھورا رہ جائے گا۔“³

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی احرار نے کمال اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا یعنی 6 جون 1936ء کو قائد اعظم کشمیر سے واپسی پر لاہور ٹھہرے تو یونینسٹ پارٹی نے ان کی آمد پر سیاہ جھنڈیوں سے ان کا استقبال کرنا چاہا لیکن اس ارادے کی بروقت اطلاع علامہ اقبالؒ اور ان

1۔ احرار کانفرنس خطبات و قراردادیں ص 2

2۔ احرار کانفرنس خطبات و قراردادیں ص 7

3۔ روزنامہ انقلاب لاہور 5 مئی 1936ء

کے توسط سے مجلس احرار کو بھی ہو گئی اس پر احرار رضا کار چاق و چوبند ہو گئے۔ احرار کی تیاریاں دیکھ کر یونٹیسٹ پارٹی نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی طرح تاریخ میں ایک موڑ ایسا بھی آیا جب احرار نے مسلمانوں کی نمائندگی مسلم لیگ کے سپرد کر دی۔ 23 مارچ 1947ء کو حضرت امیر شریعتؒ کی صدارت میں احرار کی مجلس عاملہ کا اجلاس لاہور میں ہوا۔ جس میں حضرت امیر شریعتؒ رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی:

”مجلس احرار اسلام ہندو اکثریت کے مہیا کردہ شواہد و نظائر کی روشنی میں مسلمانوں کے باہمی سیاسی اختلاف کو پس پشت ڈالتے ہوئے مستقبل میں ملت اسلامیہ کی بقاء کے لئے متحد ہو جانے کی خواہش مند ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کو جو مشترکہ خطرہ درپیش ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مشترکہ محاذ کا اعلان کرتی ہے۔“¹

حضرت امیر شریعتؒ کا یہ فیصلہ جو احرار کی مجلس عاملہ نے کیا درحقیقت تاریخ کا ایک نہایت ہی مستحسن اور بڑا اقدام تھا۔ اس فیصلے سے چار سال پیشتر ہی مجلس احرار اپریل 1943ء میں حکومت الہیہ کی قرارداد کے بعد خود کو سیاست سے علیحدہ کر رہی تھی مگر اس فیصلے سے تو احرار نے مسلم لیگ اور دوسری مسلم جماعتوں سے اتحاد کی پیشکش کر کے گویا کہ تاریخ کو اپنے لئے مسخر کر لیا۔ احرار کے اس فیصلہ پر ہندو پریس اور ہندوؤں نے سب و شتم کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے قائد اعظم سے اختلافات کو کبھی ذاتی حیثیت نہیں دی۔ ایک مرتبہ آپؒ سے کسی نے سوال کیا۔

شاہ جی! آپ کا جناح سے کیا اختلاف ہے؟

فرمایا! کوئی نہیں۔

وہ (سوال کرنے والا) تو پھر آپ ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟

شاہ جی! بھائی میں تو ان کی کفش برداری کے لئے تیار ہوں لیکن میرے ذہن میں بعض کانٹے ہیں وہ یاد فرمائیں سر کے بل جاؤں گا۔ سمجھا دیا تو وہ آرام سے بیٹھیں ان کی لڑائی

خود لڑوں گا۔ مگر وہ ہم سے بات ہی نہیں کرتے صرف بیعت چاہتے ہیں۔ مجمع دیہاتی تھا شاہ جی نے قائد اعظم سے خطاب کرتے ہوئے کہا ع

میری گھگھری نوں گھگھرو لوا دے

جے تو میری ٹور ویکھنی اے

حضرت امیر شریعت کی طرف سے ہر وقت مفاہمت کا دروازہ کھلا رہا۔ مگر جب دوسری طرف سے سرد مہری ہو تو کوئی کیا کرے؟ 1944ء میں ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”میں جناح کا بے حد احترام کرتا ہوں میری ان سے سیاسی لڑائی ہے ذاتی نہیں۔ آج میں آپ لوگوں کو گواہ بنا کر یہ بات کہتا ہوں کہ اپنی بات سمجھنے کے لئے اگر مجھے مسٹر جناح کے قدموں پر یہ سفید داڑھی بھی رکھنی پڑی تو خدا کی قسم میں اس سے گریز نہیں کروں گا لیکن ایک بات سمجھے بغیر ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر تیار نہیں ہو سکتا چاہے میزبان قوم میرے خلاف ہو جائے۔“¹

1946ء کے انتخابات سے پیشتر اس قسم کے خیالات کا اظہار حضرت امیر شریعت نے بارہا کیا اور ملک بھر میں کیا مگر قائد اعظم نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بالآخر 1946ء کے انتخابات بھی گزر گئے مگر

واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

اوپر کے بیان سے شاہ صاحب کے اخلاص کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ کسی طرح انہیں پاکستان کا یہ فلسفہ سمجھا دیا جائے کہ کس طرح مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد رکھا جائے گا مگر لیگ کے رہنماؤں نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اس تمام روئداد کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امیر شریعت نے اگر پاکستان کے طریق قیام کی مخالفت کی تو اس میں نہ تو ان کا کوئی ذاتی مفاد تھا اور نہ ہی ان کی کانگریس سے کوئی ساز باز تھی۔ ان کا مقصد قوم کی فلاح تھا جسے وہ اپنے نظریہ کے مطابق بروئے کار لانا چاہتے تھے اگرچہ وقت نے ان کے نظریہ کو کامیاب نہ ہونے دیا مگر جب پاکستان بن گیا تو انہوں نے دل و جان سے اس سے محبت کی

کیونکہ یہ اس کی گزشتہ تمام عمر کا حاصل تھا کہ فرنگی استعمار اس سرزمین سے نکل گیا انہوں نے اس وقت بھی قوم کے وسیع تر مفاد کے لئے کام کیا اور جب پاکستان بن گیا تو اس پر فدا اور سوجان سے شمار ہوئے۔ اور اسی طرح قوم کے درد میں شام و سحر ترپنے والا یہ عظیم راہنما ایک طرف اپنے سیاسی نظریات کی لڑائی میں مسلم لیگ کے مسٹر جناح سے برسرِ پیکار رہے مگر جب مسلمانوں کی عزت کا سوال آتا ہے اور ماسٹر تارا سنگھ کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہی عطاء اللہ شاہ بخاری مسٹر جناح کا سب سے بڑا کفش بردار بن جاتا ہے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے جب تلوار لہرا کر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دینے کی دھمکی دی تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

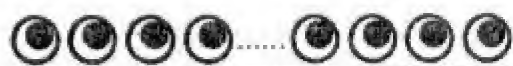
”ماسٹر جی ہوش کے ناخن لو کیا کہتے ہو؟ جس قوم کے فرزند خون کے سمندروں میں تیرتے رہتے ہیں تم انہیں ننھی منی ندیوں سے ڈراتے ہو؟ پھر فرمایا مسٹر جناح کے مقابلے میں تارا سنگھ کی تلوار اٹھے گی تو اس کے مقابلے میں سب سے پہلے بخاری آئے گا۔“

ان چھوٹے چھوٹے اقتباسات سے ہی ان کے للہی اخلاص کا پتہ چلتا ہے کہ اگر وہ تقسیم ہند کے مجوزہ طریقہ کار کے خلاف تھے تو اس میں بھی ان کے نزدیک قوم کی بھلائی ہی تھی، نیز انہوں نے جن حضرات کی مخالفت کی ان کی مخالفت کو صرف سیاسی میدان تک ہی محدود رکھا جب ان کی خوبیاں آپ کے سامنے آتی ہیں تو وہ ان سے آنکھیں بند نہیں کر لیتے بلکہ نہایت وسیع النظر فی سے ان کا برملا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح ایک مرتبہ مسٹر جناح کے متعلق فرمایا:

”ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹ گیا کوہ کی طرح ڈٹ گیا۔ خون کی ندیاں

بہہ گئیں لاشوں کے انبار لگ گئے مگر کوئی چیز مسٹر جناح کے عزم کو نہ ہلا سکی۔“

”ضد یوں پیدا ہوئی کہ لیگ کے دولت مند اکابر ان کی غریبی پر طعن توڑتے اور انہیں ہندوؤں کا زرخیز خرید کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سچا دل گالیوں کی اجتماعی یلغار سے بگڑے گا پھر یہ بگاڑ اس صورت میں اور بھی مضبوط ہوتا ہے جب گالی دینے والا خود گالی ہو اور الزام لگانے والا فی نفسہ الزام ہو۔“



www.ahlehaq.org

قیام پاکستان کے بعد شاہ جی کا موقف

یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی مگر جو کچھ کیا اور جو کچھ سمجھا وہی کچھ کہا ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں ہے۔¹

اور جسے پاکستان بن چکا تھا تو جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ضمیر آج بھی شرمندہ نہیں ہے یعنی آج کھلے موقف پر ہم دلی طور سے مطمئن ہیں اور بعد کا موقف درحقیقت درج ذیل تھا:

پاکستان کی آزادی، سالمیت اور استحکام جزو ایمان

”ہم نے دس لاکھ مسلمانوں کا خون دے کر اور ایک کروڑ مسلمانوں کو بے گھر کر کے ایک آزاد وطن حاصل کیا ہے اس کی آزادی ہمیں ہر چیز مقدم ہے ہم پاکستان کو ایک مستحکم اور ناقابل تسخیر ملک دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ ہو۔ میرا یہ نظریہ ہے کہ اس ملک کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے، مسلم لیگ نے آج سے چالیس سال قبل ایک نعرہ لگایا تھا وہ نعرہ تھا مسلمانوں کی سربلندی کا۔ آہستہ آہستہ ایک دور آیا کہ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک آزاد وطن چاہتی ہے اس میں شک نہیں کہ مجلس احرار نے اس نظریہ سے دیانت دارانہ اختلاف کیا۔ ہم نے جب یہ سمجھا اور محسوس کیا کہ قوم نے ایک فیصلہ دے دیا ہے اور وہ فیصلہ ہے قیام پاکستان کا تو ہم نے اس مطالبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ وطن جس کی خاک کا ہر ذرہ مجھے عزیز ہے ہر چیز سے عزیز تر ہے اس کی آزادی، سالمیت اور استحکام جزو ایمان ہے۔ پاکستان کی

آزادی کی حفاظت کے لئے کروڑوں عطاء اللہ شاہ بخاری قربان کئے جاسکتے ہیں۔“
لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے وطن کی آزادی پر کوئی آنچ آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب جب کہ پاکستان بن چکا ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہونا چاہئے۔ میں پاکستان کو داخلی دشمنوں سے محفوظ کرنے کا ہر قیمت پر تہیہ کر چکا ہوں۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی گروہ یا نولہ اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا کر پاکستان کی حدود کے اندر آباد رہ سکے۔ خارجی دشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن داخلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی موجودگی میں یہ سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہیں۔ انتہائی بے وقوفی ہے حماقت ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کو مستحکم بنایا جائے کیونکہ مسلم لیگ کا استحکام مسلمانوں کے استحکام کا ضامن ہے۔ اس صوبہ میں مسلم لیگ کی جس پارٹی کی بھی حکومت ہوگی ہم اس کی حمایت کریں گے ہم اس صوبے کے امن و امان، خوشی اور فلاح و بہبود، استحکام اور سر بلندی کے لئے حکومت سے پورا اور غیر مشروط تعاون کرتے رہیں گے۔“¹

اب ذرا شاہ صاحب کا دل پذیر موقف دربارہ پاکستان بعد از قیام پاکستان پڑھئے، اور سردھنئے۔ ان کے اخلاص کا مظہر یہی الفاظ ہیں کہ پاکستان کے دفاع کے لئے کروڑوں سید عطاء اللہ شاہ بخاری قربان کئے جاسکتے ہیں۔ تو کیا ایسا شخص اسی ملک کا غدار ہو سکتا ہے جو کہ اس کے ملک کے بارے میں کہتا ہو:

”آج ہم کسی۔۔۔ سے دب کر کچھ نہیں کرتے بلکہ پوری آزادی سے کہتے ہیں کہ دفاع وطن کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر کوئی غدار ہو تو اُسے کیفر کردار تک پہنچاؤ میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ میرے پاس نہ دولت ہے نہ ثروت۔ میں آپ کی خدمت میں پورے خلوص سے التجا کرتا ہوں۔ آپ کے پاؤں سفید داڑھی رکھ کر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اُسے منظور کریں اور یہ کہ کوئی ایک نوجوان بھی ایسا نہ رہے جو نیشنل گارڈ کی وردی نہ پہنے ہوئے ہو۔“²

1۔ لاہور 21 جولائی 1952ء مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی لاہور میں تقریر ص 1

ہم میں سے ایک طبقہ فکر کا اب تک یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ ایک وقت میں اس نے انگریز کا سرہ لیسے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر آج وہی گروہ تحریک پاکستان کا سب سے بڑا علمبردار بنا پھرتا ہے۔ اگر حضرت امیر شریعتؒ چاہتے تو وہ بھی یہ کچھ کر سکتے تھے مگر ان کا یہ شیوہ نہ تھا۔

آپ نے ہمیشہ اس چیز کا برملا اعتراف کیا کہ انہوں نے پاکستان کی ہیئت ترکیبی کی قبل از قیام مخالفت کی تھی مگر اب وہ اس پر قربان و نثار ہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

”میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے پاکستان بنایا اور ملک تقسیم کرایا ہے۔“¹

یہ جرات اور دلیری ہر سیاستدان میں نہیں ہو سکتی۔ آپ کی حب الوطنی کا اظہار اس خط سے بھی ہوتا ہے جو قیام پاکستان کے بعد عبداللہ ملک کے نام لکھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

”اب چمن اور اس کی شاخیں تم نو جوانوں کی باغبانی کے سپرد ہیں۔ جب تک جو وضع داری سے جو کہ یہی ایمان کی نشانی اور حاصل زندگانی ہے۔“²

شاہ صاحبؒ اپنے موقف کی وضاحت کچھ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص ایک خاندان میں شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کا باپ اور بھائی اور دوسرے رشتہ دار اس رشتہ پر راضی نہیں ہوتے لیکن وہ باوجود مخالفت کے شادی کر لیتا ہے اب اگر چہ ماں باپ رشتہ دار بہن بھائی اپنے پرائے اس رشتہ پر راضی نہ تھے۔ لیکن شادی ہونے کے بعد مبارکبادیں دیتے اور دعوتیں کرتے ہیں۔ اب کھئی ایسا باپ نہیں ہو سکتا جو اپنی بہو کی عصمت پر آنچ آنے دے اور وہ کبھی اپنے بیٹے کے گھر کو اجازت کی نہیں سوچے گا بلکہ وہ ہمیشہ اس گھر کی آبادی ہی کے منصوبے بنائے گا۔ اب جب کہ پاکستان بن گیا ہے۔ لہذا یہ ہماری عزت ہے اور اس کی حفاظت ہمارا جزو ایمان اور فرض ہے اگرچہ احرار اور لیگ میں قیام پاکستان سے قبل شدید اختلافات اور تلخیاں پائی جاتی تھیں مگر شاہ صاحبؒ نے قیام پاکستان کے بعد اس مملکت کے وسیع تر مفاد میں ان تلخیوں کو

یکسرفراموش کردیا تھا اور شب و روز ملک کے استحکام کی راہیں سوچنا شروع کر دی تھیں۔ آپ نے ایک مرتبہ لاہور میں فرمایا تھا:

”میرے شب و روز اسی تمنا میں گذرتے ہیں کہ میری قوم ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بن جائے۔¹

قوم کے غم میں یہ عظیم رہنما شام و سحر تڑپتا رہا، یہ سوچتا رہا کہ کسی طرح یہ قوم دنیا کی عظیم ترین قوم بن جائے اس میں اتحاد و یکجہتی ہو۔

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوزد ساز زومی کبھی بچ و تاب رازی

قوم کے اتحاد و استحکام کی خاطر ہی انہوں نے اپنا پرانا موقف تبدیل کیا تھا کیونکہ اب اس پر قائم رہنے سے عوام کا دگرپوں میں تقسیم ہو جانا یقینی ہے۔ آپ نے اپنے آزاد وطن کی آزاد حکومت سے اس طرح تعلقات بنائے۔

”اب فرنگی کی حکومت نہیں رہی کہ اس ڈھنگ پر سوچا جائے۔ اب مسلمانوں کی حکومت ہے اب شریعت کی روشنی میں سوچنا چاہئے کہ جب ایک مسلمان اور مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی وجہ سے بھی غلبہ حاصل کر کے ملک کی باگ دوڑ سنبھال لے اس کے ساتھ کیسے معاملہ کیا جائے؟“

ایک غدار سو سوروں سے بدتر

اب ان ناقابلِ تردید شواہد و نظائر کی موجودگی میں کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر شریعت پاکستان کے دشمن تھے یا وہ اکھنڈ بھارت کے قائل تھے یا وہ (معاذ اللہ) غدار تھے۔ منیر رپورٹ میں حضرت پر غداری کی فردِ جرم عائد کی گئی ہے اور اب ذرا غداری کے متعلق حضرت امیر شریعت کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیں:

”ایک غدار سو سوروں سے بدتر ہے اگر حکومت مجھے پاکستان کا غدار سمجھے تو اسے

چاہئے کہ مجھے گولی مار دے۔“¹

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی پاکستان کے بارے میں قبل از قیام و بعد از قیام رائے کیا تھی اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے اب آخر میں ان کا ایک قول تحریر کرنا چاہتا ہوں فرمایا:

”یہ قطعہ زمین ہم نے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے اور تیرہ سو (1300) سال میں آج تک آزادی کے لئے کسی نے اتنی قیمت پر قربانی نہیں دی اب بچانے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔“²

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا تھا:

”اللہ تعالیٰ پاکستان کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے۔“³

پاکستان کی حیثیت مسجد کی سی ہے

شاہ صاحبؒ کی وسیع النظرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تو برسر عام پبلک جلسہ میں کہہ دیا تھا کہ میری رائے کو قوم نے مسترد کر دیا۔ اور یہ یہی بات ان کی عظمت، دلیری اور جرأت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حضرت امیر شریعتؒ اور احرار نے یہ فیصلہ کر کے دراصل بہت جرأت و ندانہ سے کام لیا تھا کہ اس طرح اپنے تمام سیاسی کیریئر کو یکدم کسی دوسری جماعت کے پلو میں ڈال دینا بہت دلیری اور جرأت کا کام اور پھر احرار نے اپنی ساری عمر کی کمائی یعنی اپنے سرفروش رضا کار بھی ”نیشنل گارڈز“ میں شامل کر دیئے۔ اور یہ کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ حضرت امیر شریعتؒ نے اس قرارداد کی توثیق جن الفاظ میں فرمائی وہ اب تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ وہ یادگار الفاظ یہ ہیں:

”مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے، یہ نہیں کہ ملک نہ بنے بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا نہ

1. منیر پورٹ اردو ترجمہ ص 335

2. روزنامہ مشرق لاہور، امیر شریعتؒ نمبر ۲۱ اگست 1974ء، صفحہ اول

3. ماہنامہ تبصرہ لاہور، جون جولائی 1961ء، بخاری نمبر

حلال و حرام کا، نہ گناہ و ثواب کا اور نہ مذہب کا وہ تو ایک نظریے کا اختلاف تھا۔“ ہم چاہتے تھے کہ پورے چھ صوبے ملیں اور مسلم لیگ بھی چاہتی تھی۔ ہمارا اختلاف صرف مرکز کی علیحدگی پر تھا۔ مسلم لیگ بھی فرقہ وارانہ جماعت تھی اور مجلس احرار بھی، مسلم لیگ میں بھی کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا تھا اور مجلس احرار میں بھی، پس اختلاف تھا تو صرف اتنا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائے ہم ذرا سنبھل لیں اور اس کے دس سال بعد مرکز سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں ہمارا مرکز کے ساتھ کوئی الحاق نہیں رہ سکتا ورنہ تقسیم ملک کے ہم بھی قائل تھے۔ کرپس فارمولا اب بھی موجود ہے اس میں تقسیم ملک ہی کا قصہ درج ہے ہم پورے چھ صوبوں پر مصر تھے لیکن کانگریس نے تقسیم در تقسیم کو قبول کیا اور گوماتا کا قیمہ کر کے اس کے کوفتے بنا دیئے۔

(پس اب ہمارا مسلم لیگ سے کوئی اختلاف نہیں نہ پہلے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف تھا نہ خدا کا، رسول کا۔ نہ ہم ولی ہیں نہ لیگ والے قطب ہیں۔ اگر لیگ والے گنہگار ہیں تو ہم کون سے ولی اللہ ہیں۔ ہمارا اور ان کا اختلاف صرف مرکز سے علیحدگی پر تھا اور داغ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے۔)

مدت سے میری ان کی قیامت کی ہے تکرار

بات اتنی ہے وہ کل کہتے ہیں میں آج

ہمارا اور لیگ کا اختلاف کوئی کفر و ایمان کا اختلاف نہ تھا یہ تو بالکل سطحی اختلاف تھا۔ بھائی حسام الدین نے آپ کے سامنے جو قرارداد پیش کی ہے یہ مجلس احرار کی آئندہ پالیسی کی آئینہ دار ہے ہم نے تیس سال کی کمائی مسلم لیگ اور حکومت حوالے کر دی ہے۔¹

مسلم لیگ سے دیانت دارانہ اختلاف

اپنے سینہ میں قوم کے درد سے تڑپتا ہوا دل رکھنے والا یہ عظیم رہنما کس طرح اپنی گذشتہ عمر کی محنت شاقہ کو مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دیتا ہے ایک اسی بات سے اس شخص کے

اخلاص کا مظاہرہ ہو جاتا ہے اور مخالفین کے ہر نوعی الزامات کا جواب دینے کے لئے حضرت امیر شریعت کا مندرجہ ذیل بیان کافی و شافی ہے:

”تقسیم سے پہلے ایک مسئلہ پر میں نے لیگ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ صرف ایک سیاسی مسئلہ کا اختلاف تھا، رائے کی ٹکرتھی برادری کے دو بھائیوں کے درمیان ایک سوال پر بحث تھی میں نے تو شاہ جہاں کی مسجد میں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے قائد اعظم کے جوتوں پر سفید داڑھی رکھی اور کہا کہ میری یہ ٹوپی لے جا کر ان کے قدموں میں رکھ دو شاید ان تک میری رسائی ہو سکے۔“ مگر آہ!

خلوت میں اسے بھا رہے ہیں کیوں کر ملیے

جلوت میں اسے عار ہے کیوں کر ملیے

میرے دل میں چند خدشات تھے جن کے لئے وقت کی سیاسی فضا کوئی اطمینان بہم نہ پہنچا سکی اور قائد اعظم کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو سکی! بہر حال قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانتداری سے ہم نے اختلاف کیا تھا اسی دیانتداری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے تو جو کچھ دیکھا جو قوم کے لئے مفید سمجھا اسے ظاہر کر دیا پھر انہوں نے کہا یہ درست ہے کہ ہم نے طریق قیام پاکستان سے اختلاف کیا۔ مگر اب یہ بن چکا ہے۔ اس پر نثار میں، قربان ہیں، فدا ہیں، پاکستان ہماری عصمت ہے پاکستان ہماری عظمت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی مثال مسجد کی سی ہے۔ ارے کوئی مسلمان مسجد کی بھی بے حرمتی کر سکتا ہے؟

ان تمام شواہد و نظائر کی موجودگی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ نے ہر لحظہ، ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہر ساعت دفاع پاکستان ہی کی راہ سوچی انہوں نے صرف اسی نہج پر سوچا کہ کسی طرح یہ قوم دنیا کی عظیم قوم بن جائے جب دفاع پاکستان کا سوال آیا انہوں نے بھارت کو ایسی سنائیں کہ وہ دم بخود رہ گئے۔ پس شاہ صاحبؒ پاکستان پہ نثار تھے وہ اس کے فداکار تھے نہ کہ وہ غدار تھے۔



www.ahlehaq.org

پاکستان امیر شریعتؒ کی نگاہ میں

14 / اگست 1947ء کو فرنگی استعمار سرزمین ہند سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گیا اور اس طرح وہ تحریک جو 1857ء میں شروع ہوئی بالآخر اپنے انجام کو پہنچی۔

سید الاحرار، خطیب الامت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس تحریک میں کیا خدمات سرانجام دیں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت امیر شریعتؒ اور ان کی جماعت احرار نے طریق قیام پاکستان سے اختلاف کیا مگر جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو اسے ان حضرات نے جنہوں نے کہ آزادی کے حصول کے لئے اپنا خون بہایا تھا اپنا مسکن بنالیا۔ امیر شریعتؒ مارچ 1947ء ہی میں لاہور آچکے تھے اور اس دوران یعنی 14 / اگست 1947ء کو پاکستان اور ہندوستان یعنی دو علیحدہ ریاستیں قائم ہوئیں حضرت نے امرتسر میں اپنی آنکھوں سے فسادات کا حال دیکھا پھر وہ لاہور آئے اور اواخر اگست 1947ء میں لاہور سے خان گڑھ نوابزادہ نصر اللہ خاںؒ کے ہاں تشریف لے گئے جو کہ اس وقت مجلس احرار اسلام ہند کے ناظم اعلیٰ تھے آپ نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اس دوران آپ خاموش رہے اور آپ نے مجلس کے مرکزی صدر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کو پالیسی ساز خط لکھا جس سے آپ کا موقف مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے اور اس میں جو تبدیلی ہوئی وہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔ (جو اس کتاب کا حصہ ہے)

حضرت شاہ جیؒ نے اس خط کے ذریعے مکمل طور پر اپنا موقف واضح فرمادیا اور قیام پاکستان کے بعد آپ جنوری 1949ء تک خاموش رہے سوائے اس خط کے یا اپریل 1948ء

میں احرار رضا کاروں کے اجلاس ملتان میں ایک تقریر کے آپ نے تمام سرگرمیاں معطل کر دیں۔

مجلس احرار کا سیاسیات سے علیحدگی کا اعلان

بالآخر احرار رہنماؤں کے پیہم اصرار پر جنوری 1949ء میں لاہور میں دہلی دروازہ کے میدان میں منعقد ہونے والی ”دفاع پاکستان احرار کانفرنس“ میں آپ نے خطاب فرمایا اس کانفرنس میں شاہ صاحب کے خطاب سے پیشتر شیخ حسام الدین نے مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی:

”بنابریں دفاع پاکستان احرار کانفرنس کا یہ تاریخی اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایسے نازک ترین وقت میں اسلامیان پاکستان بہت حد تک اس زہر کا تریاق پیدا کر سکتے ہیں بشرطیکہ ملت کی رہنمائی اور داخلی ترقی کے لئے ان کی داخلی سیاست کو ہر قسم کی گروہ بندیوں سے آزاد کر کے ایک ہی مشترک پلیٹ فارم کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا جائے اس سے جہاں ایک طرف ملت اسلامیہ کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کی سازشوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے وہاں پاکستانیوں میں صحیح اور سنجیدہ غور پیدا کرنے کی راہیں بھی کھل جائیں گی اور کم سے کم مدت تک قوم میں ضبط و نظم اور خود اعتمادی کی خصوصیات پیدا ہو سکیں گی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مجلس احرار کے مقاصد میں اسلام کی سر بلندی کے ساتھ ساتھ وطن کی آزادی بھی شامل تھی جو قیام پاکستان کے بعد سیاسی طور پر اب پوری ہو چکی ہے۔“

لہذا! دفاع پاکستان احرار کانفرنس کا یہ اجلاس غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دینا اپنا ملی فرض سمجھتا ہے کہ آئندہ سے مجلس احرار اسلام اپنی سعی و عمل کو مسلمانوں کے دینی عقائد و رسوم کو درست رکھنے اور خصوصاً مسئلہ ختم نبوت کی مرکزی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے تبلیغی سرگرمیوں تک محدود رکھے گی۔ جوارا کین و ہمدردان احرار زمانہ حال کے موافق سیاسی خدمات انجام دینا چاہیں وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنے روایتی اخلاص اور عملی انہماک سے ملک و ملت کی خدمت میں مصروف ہو جائیں۔ اب یہ ملک میرا ہے میں اس کا وفادار شہری ہوں۔ جنہوں نے جانا تھا وہ جا چکے ہیں میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا۔ یہاں تو میری جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو ابھی میری جنگ کا آغاز ہوگا۔“¹

اسی طرح 1948ء میں..... پاکستان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا:
 ”کشمیر پاکستان.....! دفاع پاکستان کے لیے فوج میں بھرتی ہو جاؤ، ہم اپنی خدمت غیر مشروط
 طور پر حکومت پاکستان کے سپرد کرتے ہیں۔“¹
 قصہ کوتاہ آپ نے کس قدر دل نشین انداز میں اپنے گزشتہ اور بعد کے موقف کی
 وضاحت فرمائی:

”ہم انگریز کے مقابلہ میں حسینؑ کے متبع تھے اور مسلمان کے مقابلہ میں حسنؑ کے پیروکار تھے۔“²
 الغرض آپ نے اور آپ کی جماعت نے پورے خلوص کے ساتھ ملک و قوم کی
 خدمت و تحفظ کا بیڑا اٹھالیا اور اس سلسلہ میں ملک کے قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر میں دفاع
 کا نفرینوں کا جال بچھا دیا جن کے ذریعے سے قوم کو ملک و ملت کے تحفظ کے لئے تیار کرنا اور
 دشمنوں کے آئندہ عزائم سے خبردار کرنے کا کام لیا گیا۔ احرار نے پورے خلوص سے اپنا کل
 سرمایہ مسلم لیگ کے سپرد کر دیا۔

حضرت امیر شریعتؒ کے اس فیصلہ پر قومی پرپس نے جس والہانہ انداز سے خوش آمدید
 کہا صرف اس بات سے ان کے اخلاص کا پتہ چل جاتا ہے۔ جب ”نوائے وقت“ جیسا اخبار انہیں
 خوش آمدید کہہ دیتا ہے اور ”انقلاب“ جیسا اخبار ایثار پیشہ، جفاکش، غیور، قومی خادم مان لیتا ہے۔
 اس کاروائی کے بعد مجلس احرار کے رہنما اور روزنامہ ”آزاد“ کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین انصاریؒ احرار
 کارکنوں کے دائرہ عمل کو ایک اعلان کے ذریعے مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کر دیتے ہیں:

”لاہور ریزولیشن کی روشنی میں، مجلس احرار کے کارکنوں کا دائرہ عمل محدود ہو گیا
 ہے۔ اب انہیں بحیثیت احرار صرف تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کی گنجائش
 ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے اگر احرار کارکنوں
 کو سیاست میں حصہ لینا ہے تو انہیں مسلم لیگ کے رکن بننا چاہئے۔ حضرت
 مولانا محمد علی صاحب، قاضی احسان احمد صاحب، شجاع آبادی، صاحبزادہ سید

1 روزنامہ آزاد لاہور 28 اکتوبر 1948ء

2 روزنامہ آزاد لاہور 14 نومبر 1949ء لاہور میں امیر شریعتؒ کی تقریر

فیض الحسن صاحب، حکیم عبدالسلام سرحدی اور دیگر زعمائے احرار مسلم لیگ باقاعدہ رکن بن چکے ہیں۔ لاہور ریزولیشن کے ذریعہ مجلس احرار نے مسلم لیگ اور احرار کی متوقع کش مکش کا خاتمہ کر دیا ہے اور سیاست کا میدان مسلم لیگ کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ احرار کا کوئی کارکن ایسی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا جو مسلم لیگ سے متصادم ہو۔¹

دریں اثناء حضرت امیر شریعت ایک تقریر کے ذریعے اپنی پوزیشن اس طرح واضح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

”پاکستان ہم نے ہزاروں بہن بیٹیوں کی عصمتیں، لاکھوں کڑیل نوجوانوں کا مچلتا ہوا خون پیش کر کے حاصل کیا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو کوئی سودا بھی اتنا مہنگا نہیں چکایا گیا لیکن اب اس کی حفاظت اسی طرح کرنی ہوگی جس طرح بیش بہا قیمتی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے آپ کے مقابلے میں اگرچہ بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے میری رگوں میں اب بھی جوان خون دوڑ رہا ہے۔“²

اس تقریر سے ایک ماہ پیشتر آپ نے فرمایا تھا:

”جنگ ہو یا نہ ہو آپ کو بہر حال دفاع پاکستان کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ایک نعمت دی ہے اب اس کی بے قدری نہ کریں۔“³

منیر انکوائری رپورٹ ایک شرمناک دستاویز

اس تمام روئیداد سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ احرار نے سیاست و حکومت کا میدان مسلم لیگ کے لئے صاف کر دیا اور خود وطن عزیز پاکستان کی تعمیر میں شب و روز کوشاں ہو گئے۔ ان تمام فیصلوں کے بعد حضرت امیر شریعت اور ان کے رفقاء گرامی کی نیک نیتی بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان حضرات نے کس قدر خلوص اور دیانتداری

1. روزنامہ آزاد لاہور ۲۳ نومبر 1949ء

2. روزنامہ آزاد لاہور یکم اکتوبر 1951ء صفحہ اول

3. روزنامہ آزاد لاہور، 7 ستمبر 1951ء صفحہ اول

سے پاکستان کو قبول کیا۔ مگر وائے قسمت کہ ہمارا مفاد پرست طبقہ آج بھی حضرت امیر شریعتؒ پر ہندو دوستی اور پاکستان دشمنی کا الزام لگاتے ہوئے نہیں چوکتا۔ یہ ہماری قوم کی بد نصیبی ہے کہ اس میں ”منیر رپورٹ“ نے جنم لیا جو کہ خود اسلام کے خلاف مسلمان ججوں کے قلم سے ایک ایسی شرمناک دستاویز ہے جسے آج بھی یہودی لابی بین الاقوامی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔ اس منیر رپورٹ کے اندر جو گند بھرا ہوا ہے ذرا اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے جو حضرت امیر شریعتؒ کے متعلق ہے:

1 ”بخاری نے حسب معمول اپنے معتدل اور پست مزاج سے کام لیتے ہوئے کہا.....“ (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 30)

2 ”اگر احرار بحیثیت جماعت کچھ مدت تک احمدیوں کو گالیاں دینے سے محترز بھی رہیں تو بخاری ہرگز باز نہ آئے گا کیونکہ اس کا تو اس کے سوا اور کوئی وصف ہی نہیں کہ وہ احمدیوں کو گالیاں دیتا ہے اور ضدی اور ہٹیلہ آدمی ہے۔“ (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 38)

3 ”لہذا جب تک بخاری کو عام جلسوں میں شرکت سے منع نہ کر دیا جائے یا اسے کوئی اور شخص نہ بتا دیا جائے جسے وہ برسر عام گالیاں دے کر اپنا شوق پورا کر لے۔ وہ ہرگز احمدیوں کے خلاف اپنے معمول کو ترک نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بدتر رویہ اختیار کرے گا۔“ (منیر رپورٹ اردو ترجمہ ص 38)

یہ درست ہے کہ اندر جس قدر گند بھرا ہوگا اتنی ہی سڑاند اور تعفن باہر آئے گا۔ جسٹس منیر نے اس عظیم محسن امت اور ”سید الاحرار“ کو جس طرح اپنی گھٹیا زبان کا نشانہ بنایا وہ واقعی عدلیہ کی تاریخ میں ناپید ہے۔ بخاری جسے کہ جسٹس منیر نے ضدی اور ہٹیلہ آدمی بتایا ہے۔ ان کے متعلق مولانا احمد علی لاہوریؒ نے فرمایا تھا:

”دھولی کامل ہیں اور اسلام کی شمشیر برہنہ ہیں جب تک وہ زندہ ہیں اسلام کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

لیگ سے اختلاف و اتفاق

شاہ جیؒ نے فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ نے نہ صرف پاکستان کو قبول کیا بلکہ مسلم لیگ کو قوت حاکمہ سمجھتے ہوئے فرمایا۔ تقسیم سے پہلے لیگ کے ساتھ ہمارے بہت سے

اختلافات تھے۔ ہم نے قوم کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا، لیگ نے اپنا قوم نے لیگ سے اتفاق کیا اور لیگ قوتِ حاکمہ بن گئی۔ مد مقابل پارٹی نہ رہی۔ ہم بہر حال رعایا بن گئے۔ ہم لوگ شروع سے ملکی معاملات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مقاصد بھی رکھتے تھے اور اب تک بفضلہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ان دینی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی اور صورت اگر ہو سکتی ہے تو ارشاد فرمائیں؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اور اب کسی صورت میں اس کو بدلنا قومی ہلاکت و تباہی ہے۔ اصلاح احوال سے انکار نہیں وہ بھی ہم کر رہے ہیں مگر مخالف بن کر نہیں۔ موجودہ وقت میں اس فتنہ مرزائیت سے مقابل میں جو کامیابی ہم کو حاصل ہو رہی ہے وہ باہمی تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ بصورت دیگر..... منکر کے بودن و ہمرنگستان زیستن..... مشکل ہے۔ لیگ کی مخالفت فی نفسہ کوئی کار خیر نہ تھا نہ ہے۔ کسی مقصد عالی کے لئے مخالفت تو موافقت معنی رکھتی ہے۔ عہدِ فرنگی میں اختلاف با معنی تھا۔ اب اتفاق سے ہی اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے۔ ورنہ سرخ پوش، انجمن وطن اور دوسری جماعتیں کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہی ہیں۔



باب سوم

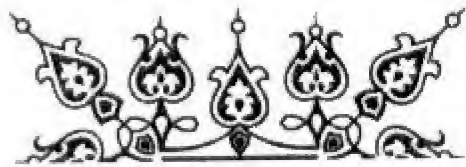
مجلس تحفظ ختم نبوت

..... مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد

..... شاہ جیؒ پہلے امیر

..... مجلس تحفظ ختم نبوت کا نصب العین

..... مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام



www.ahlehaq.org

مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد

تقسیم سے قبل مجلس احرار اسلام ہند کے شعبہ کی حیثیت سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفقاء قادیانیت کے منہ زور گھوڑے کو کھری پر باندھنے کی کاوش کرتے رہے مگر وہ انگریز کے کھوٹے پرناچ رہا تھا ملک عزیز تقسیم ہوا تو جنوری 1949ء میں ملتان کی ختم نبوت کانفرنس میں ”مجلس تحفظ ختم نبوت“ پاکستان کے نام سے مستقل جماعت کی داغ بیل ڈالی گئی۔¹

● مرزا غلام نبی جانثار لکھتے ہیں:

تقسیم ملک کے بعد سیاسی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ جنوری 1949ء میں مجلس احرار کا سیاسی نظام ختم کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام پر تبلیغی کام کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس ادارے کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔²

حضرت امیر امیر شریعت نے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام سے باقاعدہ جماعت قائم فرما کر رفقاء کو فتنہ قادیانیت کے خلاف سبسہ پلائی دیوار بنادینے کے لیے تمام تر توجہات مرکوز کر دیں۔ مگر مرزائیت ہوا کے گھوڑے پر سوار کی طرح رکنے کا نام نہ لیتی تھی لیگی حکومت نے اسے آب و دانہ اور سر چھپانے کے لئے ”ربوہ“ جیسا آشیانہ مہیا کر دیا۔ ظفر اللہ خاں کم بخت مرزا قادیانی کی متعفن لاش کو لے کر ملکوں ملکوں پھرا۔ مرزا بشیر پاکستان پر قبضے

1. الاحرار جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 877 ص 13

2. کاروان احرار جلد پنجم ص 13

کے خواب دیکھنے لگا حضرت امیر شریعت نے آل پارٹیز مجلس عمل بنا کر مرزا بشیر کے مقابل پوری امت کو لا کھڑا کیا تحریک ختم نبوت کے بعد از سر نو دوبارہ ”مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان“ باقاعدہ مستقل جماعت کی حیثیت سے 13 ستمبر 1954ء کو ”نقش ثانی“ قوم کے سامنے آیا۔

چنانچہ اس سلسلے میں جناب پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں، ان کے اخلاص کا اندازہ صرف اسی امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب انہوں نے اپنی سیاسی حیثیت ختم کرنے کا اعلان کیا تو اپنا محاذ مذہبی بنالیا۔¹

مجلس احرار اسلام اگرچہ برطانوی استعمار کے خلاف نبرد آزما تھی اور اس کے ساتھ ہی انگریزوں کے خود کاشتہ پودے مرزائیت کا احتساب اور تعاقب بھی انہوں نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا چونکہ مجلس احرار ایک پولیٹیکل جماعت تھی اور سیاسیات میں ہر مسلمان کا ان کے خیالات سے اتفاق ضروری نہ تھا۔ اس لئے مجلس احرار اسلام نے ایک خالص دینی تبلیغی اور غیر سیاسی شعبہ بھی قائم کیا جس کا نام شعبہ تبلیغ (تحفظ ختم نبوت) تھا اور اس کا مرکز قادیان میں قائم کیا گیا۔ مولانا عنایت اللہ چشتی ماسٹر تاج الدین انصاریؒ مولانا محمد حیاتؒ فاتح قادیان کے بعد دیگرے وہاں قیام پذیر رہے اور مبلغوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر قادیان اور گرد و نواح میں خوب کام کیا۔ آخر ان مخلص لوگوں کی محنت رنگ لے آئی وہاں کے کچھ مخلص مسلمانوں نے اپنی کچھ زمینیں شعبہ تبلیغ کے نام وقف کر دیں ایک مسجد میں جمعہ اور نماز پنجگانہ ہوا کرتی تھیں جس میں یہ حضرات باقاعدہ درس اور خطبہ وغیرہ دیا کرتے تھے مولانا محمد حیاتؒ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بعض دفعہ قادیان کے بازاروں میں مجمع اکٹھا کر لیتے اور مرزائیت کی تردید کھلے بندوں کی جاتی۔ قادیان کی املاک کا اس شعبہ تبلیغ کے زیر اہتمام ایک ٹرسٹ قائم کر دیا گیا جس کے ٹرسٹیوں میں قادیان کے رہنے والے پیر شاہ چراغ بھی شامل تھے مولانا محمد حیاتؒ اور بعض دوسرے اصحاب اس ٹرسٹ کے ممبر تھے قیام پاکستان تک یہ شعبہ تبلیغ کام کرتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ ختم ہو گیا۔

قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام اپنی جگہ قائم تھی اور اس کے سامنے دیانتداری

سے پھر وہی مشکل درپیش تھی کہ جو لوگ مجلس احرار اسلام سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی ہمدردیاں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کس طرح حاصل کی جائیں۔ ویسے بھی قیام پاکستان کے بعد احرار کے راہنما اور کارکن چنی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ کچھ لوگ بوجہ اب سیاسی کام نہیں کرنا چاہتے تھے اور کچھ لوگ سیاسیات سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

جماعت دو حصوں میں تقسیم

چنانچہ 20 اپریل 1954ء کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے علاوہ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا حافظ سید ابوذر (عطاء المنعم شاہ) بخاریؒ، مولانا تاج محمود، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا مجاہد الحسنی ایک اجلاس میں شریک ہوئے شریک اجلاس حضرات کی روایات کے مطابق آخری اجلاس رات کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان کی چھت پر ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔ اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ آئندہ احرار کے سربراہ ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی، اور مولانا محمد علی جالندھریؒ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ ہوں گے۔ اسی اجلاس میں دفاتر وغیرہ تقسیم کر لئے گئے اور باہم محبت خیر سنگالی قائم رکھنے کا عہد کیا گیا۔

4، 5 ستمبر کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا پہلا باقاعدہ اجلاس ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوا اس اجلاس میں حضرت شاہ صاحبؒ اپنی علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ باقی بانی ممبران کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا عبدالرحمن میانویؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا تاج محمود صاحبؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، سائیں محمد حیات پسروریؒ، مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، مولانا قاضی عبداللطیف اختر شجاع آبادیؒ، مولانا مجاہد الحسنی، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ، مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا غلام محمد، مولانا محمد صدیق، مولانا شیخ احمد صاحب بورے والا، مولانا خلیل الرحمن صاحب، چوہدری بشیر احمد، حافظ احمد دین صاحب۔

اس اجلاس میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا دستور مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا

دی گئی جو درج ذیل حضرات پر مشتمل تھی۔ مولانا محمد علی جالندھری، مولانا تاج محمود صاحب، مولانا مجاہد الحسنی۔

13 دسمبر 1954ء کو مجلس کا ایک اجلاس مرکزی دفتر ملتان شہر میں منعقد ہوا اور دستور کی منظوری دی گئی۔ پہلی مجلس شوریٰ اور عہدیداروں کا اعلان کیا گیا۔

1 حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر۔

2 مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ۔

اراکین شوریٰ

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی	مولانا محمد شریف بہاولپوری
مولانا علاء الدین ڈیرہ اسماعیل خان	مولانا تاج محمود فیصل آباد
مولانا نذیر حسین پنو عاقل سندھ	مولانا محمد رمضان علوی راولپنڈی
مولانا محمد یوسف مجاہد الحسنی مظفر گڑھ	مولانا محمد حیات فاتح قادیان
مولانا عبدالرحمن میانوی	مولانا حبیب اللہ ساہیوال
مولانا حکیم عبدالرحمن آزاد گوجرانوالہ	مولانا محمد شریف جالندھری
مولانا عبدالرحیم اشعر وغیرہ	

ختم نبوت کی تنظیم جدید

ملکی تقسیم کے بعد مبلغین تحفظ ختم نبوت بھی باقی مہاجرین کی طرح جہاں انہیں سر چھپانے کی جگہ مل سکی قیام پذیر ہو گئے۔ اور بسر اوقات کے لئے جو کچھ ان سے بن پڑا ذریعہ معاش اختیار کر لیا۔ ادھر ملکی تقسیم کے بعد قادیانی گروہ حکومت کے اہم اور بنیادی محکموں پر قابض ہو گیا۔ اور اپنے اثر و اقتدار کے بل بوتے پر عالی شان عمارتوں، کونٹیوں، باغات، زمین اور بڑی بڑی فیکٹریوں پر قبضہ کر لیا۔ اور چنیوٹ (ضلع جھنگ) کے قریب ایک غیر آباد سرکاری زمین کا کافی حصہ کوڑیوں کے مول نوے سالہ لیز پر حاصل کر کے اپنا ایک مستقل اڈہ قائم کر لیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے اراکین میں سے نہ تو کوئی حکومت کے کسی عہدہ پر متمکن تھا اور نہ ہی ان

میں سے کوئی وزارت کی کرسی پر فائز تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں مبلغین تحفظ ختم نبوت اپنے لئے یا جماعت کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ اور قادیانیوں کے مقابلہ میں دنیاوی اثر و اقتدار میں ان کا کیا حصہ ہو سکتا تھا۔ قادیانیوں کے اثر و اقتدار نے یہاں کے عام مسلمانوں اور بالخصوص مہاجرین کو معاشی طور پر بری طرح کمزور کیا اور غیر مسلموں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کر کے وہ ہاتھ رنگے۔ کہ ”وارے نیارے ہو گئے“ اور یہ بات ہم نہیں کہہ رہے۔ بلکہ قادیانیوں کے امیر مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے ایک خطبہ میں اس امر کا خود اعتراف کیا کہ ”ہمارے آدمی اب اچھی طرح آباد ہو گئے ہیں اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ بعض آدمی ہندوستان میں خوانچہ فروش تھے۔ مگر یہاں پاکستان میں اب وہ بڑے بڑے کارخانوں کے مالک ہیں ہمارے کئی آدمی وہاں نان جویں کوترستے تھے۔ مگر یہاں اب ان کے قبضے میں دو دو کاریں ہیں اور وہ بنگلوں میں رہتے سہتے ہیں۔ قادیانی اس طرح لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے۔ اور بے چارے مسلمانوں کو انتہائی بے کسی کے عالم میں سرچھپانے کے لئے جھونپڑی میسر نہ آرہی تھی۔

مسلمانوں کی معاش و اقتصاد پر قادیانی ڈاکہ

چنانچہ قادیانیوں نے مسلمانوں کی معاشی بد حالی اور اقتصادی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سرمائے کی امداد اور الاٹمنٹ کا لالچ دے کر مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اور مرزائی مبلغین نے سادہ لوح مسلمانوں کا ناک میں دم کر دیا۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے جماعت کے شعبہ تبلیغ کے نام بے شمار خطوط آنے لگے اور انہیں دعوت دی جانے لگی کہ جس قدر ممکن ہو سکے یہاں کے مسلمانوں کو قادیانی گروہ کی خلاف اسلام تبلیغی سرگرمیوں سے بچایا جائے۔

ادھر حال یہ تھا ہمارا نظام تبلیغی نظام معطل ہو چکا تھا۔ مبلغین حضرات ملک کے مختلف حصوں میں اپنی آباد کاری کے لئے ضروری انتظامات میں مشغول تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کا مطالبہ شدت اختیار کر رہا تھا قادیانی گروہ مسلمانوں کے ایمان پر پوری قوت کے ساتھ ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ خدا کے لئے اس سے بچاؤ کی صورت پیدا کیجئے۔

چنانچہ ابتدا میں مولانا محمد حیات فاتح قادیان کو ملتان آنے کی دعوت دی گئی۔

مولانا محمد حیات، چونکہ ان دنوں ریاست خیرپور میرس میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مستاجر پر زمین لے کر بسا اوقات کر رہے تھے اور یہاں کسی کے پاس یہ نظام قائم کرنے کے لئے کوئی فنڈ موجود نہ تھا اس لئے طے کیا گیا کہ مولانا محمد حیات جس طرح بھی ہو سکے ملتان تشریف لے آئیں۔

اور خیرپور میں ان کی جگہ کاشتکاری کا کام کرنے کے لئے ایک آدمی ملازم رکھ دیا جائے اس طرح تیس روپیہ ماہوار مولانا محمد علی جالندھری نے اپنے ذمہ لے کر ایک آدمی کا انتظام کر دیا اور مولانا محمد حیات تبلیغی نظام میں کام کرنے کے لئے ملتان پہنچ گئے۔

ان کی آمد پر جماعت کا باقاعدہ دفتر قائم کرنے کے لئے حضرت امیر شریعتؒ نے ایک مکان کرایہ پر لے کر دفتر کا قیام کر دیا۔ ابھی اس سلسلہ میں کوئی خاص انتظام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ مرزائیوں کی خلافِ اسلام تبلیغ مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر رہی ہے۔ ان دنوں مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ کے مدرسہ جامعہ محمدیہ حسین آگاہی ملتان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ خیر المدارس سے بھی دورہ حدیث سے فارغ ہو چکے تھے۔

چنانچہ وہ بھی اس جماعت میں شریک ہو گئے اور باقاعدہ طور پر تبلیغی کام شروع کر دیا۔ نومبر 1949ء میں اس تبلیغی مشن سے عوام کو روشناس کرانے کے لئے ملتان میں آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس منعقد کی گئی۔ اور مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام پر قائم ہونے والی جماعت کا اعلان کیا گیا۔ اور 1953ء میں جن جماعتوں نے آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر تحریک میں حصہ لیا مجلس ان میں سرفہرست ہے۔ تحریک کے خاتمہ کے بعد جسٹس منیر کی سربراہی میں جو کمیشن مقرر ہوا۔ مجلس اس کمیشن کے سامنے فریق کی حیثیت سے پیش ہوئی۔ اگے اس سے بڑھ کر جسٹس منیر نے جن اداروں کو فریق بتایا۔ ان میں چوتھے نمبر پر مجلس عمل (مقرر کردہ مجلس تحفظ ختم نبوت پنجاب) کا تذکرہ ہے۔ (انکوائری رپورٹ ص 3)

مجلس کا تبلیغی نظام

پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے صرف فریضہ تبلیغ ہی اپنی امت کے لئے چھوڑا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس کام کے لئے تاکید فرمائی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ

اور دوسری جگہ امت محمدیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ

”یعنی تم میں سے ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے کہ جو لوگوں کو نیکی کی دعوت
دے۔ لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف متوجہ کرے۔ اور برے کاموں سے روکے۔“

علاوہ ازیں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بار بار تاکید فرمائی
چونکہ نبوت و رسالت کے تمام سلسلے منقطع ہو گئے ہیں اب اشاعت اسلام اور دین کی تبلیغ دین
کا کام امت محمدیہ کے ذمہ عائد ہو گیا ہے۔ اس وقت تمام باطل فرقوں کے لوگ اپنے
عقائد و نظریات کی اشاعت میں دن رات صرف کر رہے ہیں اور مسلمان اپنے دین کی تبلیغ
و اشاعت سے بالکل غافل ہیں۔ دوسروں کا حال یہ ہے کہ مثلاً پاکستان کے سابق وزیر خارجہ
چوہدری ظفر اللہ خاں کو کراچی میں تقریر کرنے سے سابق وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے جب
منع کیا تو ظفر اللہ خاں نے جواب دیا کہ میں اپنے عہدہ سے مستعفی تو ہو سکتا ہوں لیکن اپنی
جماعت کے اجتماع میں تقریر کرنے سے ہرگز نہیں رک سکتا۔

اور ادھر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ہمارا ذمہ داران حکومت اور صاحب اقتدار لوگ
اسلام کی تبلیغ کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے اکثر مقامات ایسے بھی
ہیں جہاں کے مسلمان نماز روزہ سے بھی ناواقف ہیں اور برادریوں کی رسومات قبیحہ میں الجھ کے
رہ گئے ہیں اور کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں کے لوگ دین کی بات تک سننا پسند نہیں کرتے۔ اور
کئی ایسے بھی ہیں جو اپنے اندر یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ کسی مبلغ کو بلا کر اس کے اخراجات
کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ اس طرح وہاں تبلیغ کے تمام راستے بالکل مسدود ہیں۔

تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی جماعت کی سخت ضرورت تھی کہ جو اپنے اخراجات پر
علماء کرام اور مبلغین بھیج کر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دے۔ تاکہ وہ ملک کے ایسے تمام

علاقوں میں خود پہنچیں اور وہاں ان کی خدمت کے لئے رقم خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ امیر شریعتؒ کی سرپرستی و امارت میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے ایک تبلیغی نظام قائم کر کے اس کمی کو باحسن طریق پورا کر دیا۔ اور اپنے خرچ پر مبلغین کی ایک بڑی جماعت پاکستان کے مختلف علاقوں میں مقرر کر دی۔ مبلغین اپنے جماعتی اخراجات پر ہر جگہ جا کر تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تبلیغ کا نتیجہ

1954ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیم جدید کی گئی تھی۔ 1953ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں اگر حکومت اس کے دفاتر کو بند اور اس کے سامان کو اپنے قبضہ میں نہ لیتی تو یہ جماعت بڑی مضبوط ہو جاتی ان دنوں ملک میں جماعت کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ جماعت اپنے خرچہ پر اپنا کوئی مبلغ بنگال یا باہر کسی دوسرے ملک میں بھیج دیتی مگر تحریک کے دوران میں اس جماعت کے روپے سامان اور دیگر ضروری کاغذات حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لئے اس طرح جماعت کی ترقی کو زبردست نقصان پہنچا۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ و دیگر علماء کی سرپرستی

ملتان کے مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر پاکستان کے چیدہ چیدہ اور ممتاز علماء کرام مشائخ عظام ہمیشہ تشریف لاتے رہے۔ تحریک تحفظ ختم نبوت سے قبل حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا شبیر علی تھانوی بھی تشریف لائے۔ ضرورت تبلیغ کے موضوع پر ان سب حضرات سے تبادلہ خیالات کیا گیا۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطا اللہ بخاریؒ بھی اس گفتگو میں شریک تھے۔ ان حضرات کے سامنے مجلس تحفظ ختم نبوت کی تبلیغی خدمات کی مختصر روئید پیش کی گئی۔ چنانچہ ان حضرات نے جماعتی امداد کے لئے اپنے تعاون کا یقین دلایا اور تبرکاً ایک ایک روپیہ عنایت فرما کر مجلس کی رکنیت قبول کرنے کا شرف بخشا۔

جیل سے رہائی کے بعد

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے دفتر واقع ملتان کا تمام سامان پولیس نے

اپنے قبضہ میں لے کر دفتر پر قبضہ کر لیا۔ حالانکہ مجلس نے کئی ماہ تک کے لئے مالک مکان کو پیشگی کرایہ ادا کر دیا تھا۔ دفتر میں پولیس کا ایک ذمہ دار افسر رہائش پذیر ہو گیا۔

اور اس طرح یہ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت کو آج تک نہیں مل سکا ان حالات کے پیش نظر مجبوراً مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کو اپنا دوسرا دفتر کرایہ پر لینا پڑا۔ مجلس کے دفتر کے قیام کے بعد باقاعدہ طور پر جماعتی کام شروع کر دیا گیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کا نصب العین

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اپنا دستور شائع کر کے اپنے اغراض و مقاصد اور طریق کار کا واضح اعلان کر دیا۔

☆ مگر اجمالی طور پر مجلس کا نصب العین اور طریق کار حسب ذیل ہے۔

1 مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا دائرہ عمل صرف تبلیغ دین اور اشاعت اسلام تک محدود ہوگا۔ اس مجلس کے اراکین و مبلغین ملک کی مروجہ سیاسیات یعنی الیکشنی سرگرمیوں اور جنگ اقتدار میں من حیث الجماعت قطعاً کوئی حصہ نہیں لیں گے۔

2 وہ ملکی مفاد کے خلاف کسی قسم کے تشدد یا بغاوت میں قطعاً شریک نہ ہوں گے۔

3 مجلس کی بنیادی پالیسی (نصب العین اور اغراض و مقاصد) میں اراکین کی اکثریت بھی کسی وقت کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکے گی۔

4 مجلس کا مالی سال محرم سے شروع ہوگا اور ذی الحجہ پر ختم ہوگا۔ مجلس کے آمد صرف کا حساب و کتاب باقاعدہ آڈٹ کرانے کے بعد شائع ہوا کرے گا۔

5 جو لوگ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اغراض و مقاصد اور نصب العین سے متفق ہوں۔ لیکن وہ کسی وجہ سے مجلس کی شرائط رکنیت پوری نہ کر سکتے ہوں تو وہ مجلس کے معاون کہلائیں گے۔

☆ مجلس تحفظ ختم نبوت کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

1 تبلیغ و اشاعت اسلام

2 اصلاح عقائد و اعمال۔ تربیت اخلاق

اور بالخصوص تحفظ عقیدہ ختم نبوت جس کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع اختیار کئے جائیں گے۔

- (1) مبلغین و داعیان اسلام کا تقرر
- (2) شعبہ نشر و اشاعت کا قیام
- (3) دینی مدارس کا قیام اور ان کی تنظیم
- (4) تعلیم بالغان
- (5) تعلیم نسواں

انتخاب

مجلس کا دستور منظور ہونے اور موجودہ اراکین نے فارم رکنیت پر کر کے باقاعدہ ممبر بننے کے بعد فیصلہ کیا کہ مجلس کا عارضی انتخاب عمل میں لایا جائے۔

چنانچہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے صدر مرکزی منتخب کئے۔ آپ نے دستوری قواعد و ضوابط کے تحت مرکزی مجلس شوریٰ کے لئے مندرجہ ذیل حضرات اراکین شوریٰ نامزد کئے۔

- (1) مولانا محمد علی جالندھری
- (2) مولانا عبدالرحمن میانوی
- (3) مولانا لال حسین اختر
- (4) مولانا تاج محمود لائل پور
- (5) مولانا محمد یوسف مجاہد مظفر گڑھ
- (6) مولانا محمد رمضان میانوالی
- (7) مولانا ندیر حسین پنوں عاقل (سندھ)
- (8) مولانا علاؤ الدین ڈیرہ اسماعیل خان
- (9) حافظ محمد شریف ملتان
- (10) ماسٹر اختر حسین ملتان

شاہ جی تازیست مجلس کے امیر رہے۔ آپ کی وفات کے بعد خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر (چھ ماہ کے لئے) فاتح قادیان مولانا محمد حیات، شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوری۔

یکے بعد دیگرے مجلس کے مرکزی امیر رہے۔ اس وقت ان حضرات کی سیادت اور مجلس کی قیادت شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کنڈیاں شریف فرما رہے ہیں۔

مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام

..... ﴿نبیرۃ امیر شریعت، سید کفیل شاہ بخاری لکھتے ہیں:

”۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت برپا ہوئی، سفاک و ظالم جنرل اعظم خان نے مارشل لاء لگا دیا۔ بدترین ریاستی تشدد کے ذریعے ہزاروں سرفروشان احرار اور فدا یان ختم نبوت کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کیا گیا۔ تمام رہنما قید کر لئے گئے۔ بظاہر تحریک کو تشدد کے ذریعے کچل دیا گیا۔ مجلس احرار اسلام کو خلاف قانون قرار دے کر ملک بھر میں احرار کے تمام دفاتر سر بھر اور ریکارڈ قبضہ میں لے کر تلف کر دیا گیا۔ زعماء احرار چین سے بیٹھنے والے کہاں تھے۔

۱۹۵۴ء میں قید سے رہا ہوئے تو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، حضرت مولانا محمد علی جالندھری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد حیات، مولانا لال حسین اختر، مولانا عبدالرحمن میانوی اور دیگر احرار رہنما سر جوڑ کر بیٹھے۔

مجلس احرار اسلام پر پابندی کے باوجود تحفظ ختم نبوت کے مشن کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں احرار کی شیرازہ بندی کر کے اور شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت کو بحال کر کے مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے کام کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ء تک مجلس احرار خلاف قانون رہی۔ لہذا مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام خوش نام سے احرار سرگرم عمل رہے۔ ۲۱ اگست

۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعت کا انتقال ہو گیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایوب خان سے سیاسی جماعتوں سے پابندیاں اٹھائیں تو جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوزر بخاری نے احرار کے احیاء کا اعلان کیا اور ضیغم احرار شیخ حسام الدین کی قیادت میں احرار پھر سرگرم ہو گئے۔ احیاء احرار کا مشورہ دینے والوں میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری بھی شامل تھے۔

مجلس احرار اسلام سیاسی اور عوامی میدان میں قادیانیوں اور قادیانی نواز قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہوئی تو مجلس تحفظ ختم نبوت تبلیغی محاذوں پر قادیانیوں کا محاسبہ اور تعاقب کرنے لگی۔ مجلس احرار اسلام اور مجلس تحفظ ختم نبوت ایک ہی کام کے دو نام ہیں۔ ان میں گل و

بلبل کا رشتہ ہے۔ مجلس احرار اسلام کی مثال گل ہے تو مجلس تحفظ ختم نبوت کی بلبل اور یہ بلبل گلستان احرار کے ہر گل سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے۔

”احرار کا قافلہ تحفظ ختم نبوت“ ص ۴، ص ۵



باب چہارم

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں قائدانہ کردار

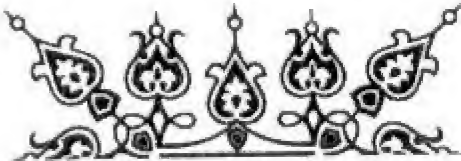
..... ۱۹۵۳ء قادیانی دھمکیوں کا سال

..... تحریک میں قائدانہ کردار

..... تحریک کا پس منظر

..... کراچی کنونشن کے فیصلے

..... منیر انکوائری کمیشن



www.ahlehaq.org

1952ء قادیانی دھمکیوں کا سال

1952ء قادیانیوں کی دھمکیوں اور اشتعال انگیزیوں کا سال تھا۔ مرزا محمود نے 1952ء کے شروع میں یہ اعلان کر دیا کہ اگر ہم ہمت کریں تو تنظیم کے ساتھ محنت سے کام کریں تو 1952ء میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ آگے چل کر کہا کہ 1952ء کو گزرنے نہ دیجئے۔ جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے۔ احمدیت مٹائی نہیں جاسکتی۔ اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کے آغوش میں آگرے۔¹

25، 26، 27 دسمبر 1952ء چینیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں تقریباً تمام مقتدر احرار رہنما موجود تھے۔

یہ اجلاس 1952ء کے اختتام پر منعقد ہو رہا تھا۔ اس میں قادیانیوں کی سال بھر کی ریشہ دوانیوں مثلاً واہ فیکٹری سے اسلحہ چرانا، بارود کی بہت بڑی مقدار ربوہ میں لانا۔ جی ایچ کیو پنڈی میں خفیہ سازشوں کا سلسلہ، مرزائی افسروں کا تبلیغی نیٹ ورک اور مرزائیوں کی حمایت میں چار حانہ انداز کار۔ ریلوے کا سامان لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ریل ہی کے ذریعے ربوہ پہنچانا وغیرہ تمام امور پر غور و خوض ہوا لیکن خاص توجہ دستور کے مسئلہ پر اور بی بی سی رپورٹ سے پیدا ہونے والی صورت حال پر دی گئی۔

اجلاس میں شیخ حسام الدین مرحوم نے بی بی سی رپورٹ سے ممبران عاملہ کو آگاہ کیا کہ ملک کے لئے دستور بنانے کے سلسلے میں بنیادی اصولوں کو طے کرنیوالی کمیٹی نے ملک کے لئے

جداگانہ طریقہ انتخاب تجویز کیا ہے۔ جداگانہ انتخابات کی صورت میں اقلیتوں کے حقوق متعین ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس میں اقلیتوں اور ان کی نمائندگی وغیرہ کا ایک شیڈول بھی شامل کیا ہے۔ اس شیڈول میں ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں وغیرہ کو اقلیت تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن مرزائیوں کو اس شیڈول میں درج نہیں کیا گیا۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بی بی پی نے مرزائیوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے انہیں سواد اعظم کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ احرار نے اس سلسلہ میں اچھی طرح غور کیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں میں شامل کرنے سے مذہب کے علاوہ ملک کی سیاست پر بھی مہلک اور گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ جب بھی انتخابات ہوں گے تو ملکی دستور کے تحت قادیانیوں کو بھی حق حاصل ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی نشستوں سے کھڑے ہوں۔ علمائے اسلام اور دیندار مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس غلط سوچ کی مخالفت کریں کیونکہ اگر اس کا تدارک نہ ہوا تو یہ چیز ہمیشہ گڑبڑ اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کرتی رہے گی۔ جب کہ دینی اعتبار سے قادیانی مسلمانوں کی نشست سے کھڑا ہونے کے مجاز نہیں۔¹ چینیٹ میں منعقد ہونے والے اجلاس اور اس میں زیر بحث آنے والے مسائل کا تمام شرکاء اجلاس پر گہرا اثر ہوا۔ کانفرنس میں شاہ جی کی تقریر نے معاملہ کی اہمیت کو دوچند کر دیا۔

امیر شریعت کا سال

● 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے پس منظر کے حوالہ سے مولانا تاج محمود قمر طراز ہیں:

”ساری صورت حال پر غور کرنے کے بعد اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا کہ اب وعظ و نصیحت کو چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے کہ تمام حجت ہو چکا ہے۔

اب مزید وقت ضائع کئے بغیر اسلامیان پاکستان کو اپنا صحیح فرض ادا کرنا چاہئے۔ یہ فیصلہ شرکائے اجلاس تک محدود رہا۔ اس کی تفصیلات سے کسی کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ البتہ مقررین کا انداز بیان بدل گیا۔ اسی چینیٹ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ جی کی معرکہ آرا تقریر ہوئی۔

دسمبر کی آخری تاریخیں تھیں۔ دو تین روز بعد نیا سال شروع ہونے والا تھا۔ شاہ

جی نے مرزا محمود کی اس دھمکی کا جس میں اس نے کہا تھا کہ 1952ء گزرنے سے پہلے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ دشمن ہمارے قدموں میں گرنے پر مجبور ہو جائے گا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود 1952ء تیرا تھا جو گزر گیا۔ اب 1953ء میرا سال ہے۔ سامعین میں اس تقریر سے انتہائی جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ اجمالاً سمجھ گئے کہ اب جماعت کوئی اقدام کرنے والی ہے۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی 1953ء کا سال شاہ جی کا تھا۔“



www.ahlehaq.org

تحریک ختم نبوت 1953ء میں قائدانہ کردار

تحریک کا اجمالی جائزہ

پاکستان کا وجود عطیہ الہی اور اس کا قیام عالم اسلام کے لئے باعث تقویت تھا۔ جغرافیائی محل وقوع، قدرتی آب و ہوا، علاقائی اہمیت، اپنی مذہبی، سیاسی، دینی اور ثقافتی اقدار کے لحاظ سے پاکستان غیر معمولی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی وطن عزیز سازشوں ریشہ دوانیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ پہلی کابینہ میں پاکستان کا نظریاتی دشمن چوہدری ظفر اللہ خان بطور وزیر خارجہ شامل تھا۔ بانی پاکستان محمد علی جناح جلد ہی داغ مغارقت دے گئے۔ اپنی زندگی میں وہ کھوٹے سکوں کا اعتراف بھی کر گئے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان، ظفر اللہ خان کی وطن دشمن سرگرمیوں اور سامراجی آقاؤں سے وفاداری بشرط استواری کی قادیانی پالیسی سے باخبر ہو چکے تھے۔ انہوں نے سامراجی مہرے کو نکالنے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن ظفر اللہ خان کا کھوٹا اتنا مضبوط تھا کہ لیاقت علی خان انہیں نکالنے سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ ان کے بعد خوجہ ناظم الدین حکومت کے متولی بنے۔ وہ بلاشبہ شریف انفس، نیک، معتدل مزاج تھے لیکن اختیارات کے لحاظ سے بے دست و پلچہدیر اعظم تھے۔ نام کے ناظم۔ حکومت کے عملی ناظم نہ بن سکے۔ لیاقت علی خان کو راہ سے ہٹانے کے بعد ظفر اللہ خان کی سرکردگی میں پاکستان کو قادیانی سٹیٹ بنانے کی سازشوں کو عملی شکل دینے کا کام شروع ہو گیا۔ سامراجی آقاؤں کی سرپرستی اور آشیرباد کی بدولت قادیانی جماعت اپنے آپ کو اقتدار کا وارث سمجھنے لگی تھی۔ اس لئے کہ اب ان کی راہیں ہموار تھیں۔ مزاحمت و رکاوٹ کا کوئی سامکان انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ قیام پاکستان کے

بعد احرار کے سرخیل سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ملتان آبسیرا کیا۔ برصغیر کی تقسیم، غریب الوطنی، مہاجرت، جماعتی قتل سیاسی کنارہ کشی، بیماری اور بڑھاپے کے باعث شاہ جی جیسی باغ و بہار شخصیت ایک بے کیف زندگی گزار رہی تھی۔ غالباً دسمبر 1948ء میں فوج اور وزارت خارجہ کے اعلیٰ افسران حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے قادیانیوں کے حکومتی اثر و رسوخ اور وطن دشمن سرگرمیوں سے آپ کو آگاہ کیا۔ دردمند افسروں نے عرض کیا کہ ماضی کی روایات کے تحت ہماری نظر انتخاب میں آپ سے زیادہ موزوں اور کوئی شخصیت نہیں۔ انہوں نے شاہ جیؒ سے التجا کی کہ کچھ کریں ورنہ یہ ملک قادیانی ریاست بن جائے گا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے عمر رفتہ کو یاد کر کے ایک آہ بھری اور تفکرات کی دنیا میں ڈوب گئے۔

☆..... اس ملاقات کی روایاد آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

”لیفٹیننٹ کرنل نے اپنے ایک سی ایس پی دوست کے ہمراہ شاہ جی سے ملاقات کی اور بیان کیا کہ ہم پاکستان سے پہلے قادیانیت سے متعلق علماء کے تعاقب کو فی الواقعہ ایک فضول مذہبی جھگڑا سمجھتے تھے۔ آپ لوگ جب قادیانیت کے متعلق لمبے لمبے وعظ کرتے تو خیال آتا کہ یہ جھیلے ملائیت کی خصوصیت ہیں یا احرار کی افتاد طبیعت کہ وہ ذہنی طور پر مشغول رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جو حقائق ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں اور جن تجربوں سے ہم گزر رہے ہیں وہ اتنے سنگین ہیں کہ پاکستان کی درجہ اول کی لیڈر شپ کے بعد۔“

(1) اپنی موجودہ اہمیت کھو بیٹھے گا اور اس کا کوئی دوسرا نقشہ ہوگا۔

(2) یا ہندوستان کی طرف کسی نہ کسی شکل میں پلٹ جائے گا۔

(3) یا اس کی حیثیت ایک مرزائی ریاست کی ہوگی۔

ان تینوں میں جو شکل جس طرح قائم ہوگی اس کے پس منظر میں مرزائی ہوں گے۔“¹

تحریک 1953ء سے پاکستان ایک خطرے سے بچ گیا

قیام پاکستان کے بعد احراری جماعتی حیثیت کا روایتی طنطنہ اور بانگنیں برقرار نہ رکھ

1. تحریک ختم نبوت ص 87 شورش کاشمیری

سکے۔ اس کی ایک وجہ تو قیام پاکستان کی مخالفت تھی دوسرا سیاست کو عبادت سمجھنے والے اب نئے سیاسی ماحول کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ ادھر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ذہن میں قادیانی اثر و رسوخ سے متعلق فکر مندی ان کے دل کا روگ بنتی جا رہی تھی۔ شاہ جیؒ نے عمر بھر کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ انہیں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اگر احرار نے اپنا سیاسی وجود برقرار رکھا تو قادیانیوں کے خلاف کامیاب تحریک نہ چلا سکیں گے۔ چنانچہ احرار نے ووٹ اور نوٹ کی سیاست سے دست کش ہو کر استحکام پاکستان اور صرف تبلیغی سرگرمیوں کو اپنا نصیب اعلین بنایا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مسلم لیگ کا حریف بننے کی بجائے حلیف بننے کو ترجیح دی۔ رقابت محبت میں ہو یا سیاست میں دوسرے کو برداشت کرنا ممکن نہیں۔ احرار مسلم لیگ کی نظر میں رقیب تھے اور معتبوب بھی۔ سیاسی تشخص کی قربانی کے باوجود مسلم لیگ احرار سے خائف رہی اور حاسد بھی لیاقت علی خاں کی شہادت کے سانحہ کے بعد قادیانی جماعت منہ زور گھوڑے کی مانند ہو چکی تھی۔ تحریکیں بنانے اٹھانے اور پروان چڑھانے والے احراری پھول کے پتوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ ایسے مایوس کن حالات میں احرار کی منتشر قوت کو مجتمع کر کے مرزائیت کے خلاف صف آرا کرنا اور تمام مکاتب و مسالک کو یکجا کرنا حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے رفقاء کا عظیم کارنامہ تھا۔ شاہ جیؒ اگرچہ اب عمر کے اس حصے میں تھے کہ ان کے اعصاب اور جسم دونوں تھک چکے تھے۔ احراریوں کی اٹھائی ہوئی تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں پاک وطن پر اقتدار کا غلبہ حاصل کرنے والی برطانوی سامراج کی ایجنٹ اقلیت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

1953ء کی تحریک نتائج کے لحاظ سے اگرچہ کامیاب نہ ہو سکی لیکن مقاصد کے اعتبار سے اس تحریک کے دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ اس تحریک کے نتیجہ میں پاکستان ایک بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

ٹھوکر سے میرا پاؤں تو زخمی ہوا ضرور
رستے میں جو کھڑا تھا وہ کوہ سار ہٹ گیا

تحریک کا پس منظر

قادیانی جماعت مدت سے دیکھے جانے والے اقتدار کے خواب کی عملی تعبیر کے لئے بے تاب تھی۔ قادیانی ذریت کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ حکومت ان کی چھوٹی میں اور اقتدار ان کے قدموں میں گرنے والا ہے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین نے اپنے سالانہ جلسہ دسمبر 1951ء میں دھمکی دیتے ہوئے کہا:

☆ ”وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مخالفین و منکرین) مجرموں کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔“

☆ ”1952ء گزرنے نہ پائے کہ دشمن پر احمدیت کا رعب غالب آجائے اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگریں۔“¹

☆ ”ہاں آخری وقت آن پہنچا ہے ان علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کا جن کو یہ علمائے سقتل کراتے آئے ہیں اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔“

(1) سید عطاء اللہ شاہ بخاری (2) ملا محمد شفیع (3) ملا عبدالحامد بدایونی (4) ملا مودودی (5) احتشام الحق تھانوی²

ظفر اللہ خان کی شرانگیزی

دینی حلقوں کی طرف سے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین کے دھمکی آمیز بیانات اور چوہدری ظفر اللہ خان کی جارحانہ سرگرمیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ خواجہ ناظم الدین مسلسل ملک غلام محمد، فیروز خان نون اور سکندر مرزا کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے۔ موصوف لیاقت علی خان کے انجام سے باخبر بھی تھے۔ امریکی خوشنودی کے پیش نظر ان میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ قادیانی جماعت کے رہنماؤں کو کچھ کہہ سکتے۔ وزیراعظم کی حیثیت سے انہوں نے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی سا اقدام نہ کیا۔ 17 مئی 1952ء کو

1 روزنامہ الفضل 11 جولائی 1951ء

2 الفضل 15 جنوری 1952ء

چوہدری ظفر اللہ خان نے جہانگیر پارک کراچی میں جلسہ عام کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں اضطراب کا پھیلنا ایک فطری امر تھا۔ خواجہ ناظم الدین نے انٹیلی جنس بیورو کی رپورٹ پر ظفر اللہ خان کو جلسہ گاہ میں نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن چوہدری صاحب کے ہوا گھوڑے پر سوار تھے۔ وہ اپنے وزیراعظم کو خاطر میں نہ لائے اور یہ دھمکی دی کہ اگر وزیراعظم مصر ہوں تو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ قبل ازیں خواجہ ناظم الدین کو امریکی وزیر خارجہ تاثر دے چکے تھے۔ کہ اگر چوہدری ظفر اللہ خان کو راضی نہ رکھا گیا تو امریکہ پاکستان کو گندم مہیا کرنے سے معذور ہوگا۔ اس بات کا انکشاف خواجہ صاحب نے تحقیقاتی کمیٹی کے روبرو کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس زمانہ میں پاکستان اپنی غذائی جنس (گندم) کے حصول میں امریکہ کا محتاج تھا۔ چوہدری ظفر اللہ پولیس اور قادیانی فورس کے پہرہ میں جہانگیر پارک کی جلسہ گاہ میں پہنچے۔ ان کی آمد پر ہنگامہ ہوا۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا چوہدری ظفر اللہ نے تقریر میں کہا:

”احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اب یہ جڑ پکڑ چکا ہے۔ اگر یہ پودا اکھاڑ پھینکا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا۔ بلکہ ایک سوکھے درخت کی مانند ہو جائے گا۔ دوسرے مذاہب پر اپنی برتری کا ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔“¹

اس تقریر پر ردِ عمل ہوا اور کراچی میں فساد ہو گیا۔ ملک بھر میں جلسے جلوسوں اور کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ سر ظفر اللہ خان کو وزارت سے الگ کرنے کا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے مطالبات زور پکڑ گئے۔ مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر نے سر ظفر اللہ خان کی تقریر سے پیدا ہونے والی صورت حال پر غور کرنے اور آئندہ کالائٹ عمل طے کرنے کے لئے تمام مکاتیب فکر کے علماء کا اجلاس بلایا۔ یہ اجلاس 3 جون 1952ء کو سویٹل ہال کراچی میں زیرِ صدارت مولانا سید سلیمان ندوی منعقد ہوا۔ اجلاس کا دعوت نامہ جاری کرنے والوں میں مولانا لال حسین اختر (مجلس احرار) مولانا احتشام الحق تھانوی (دیوبندی) مولانا حامد بوایونی (بریلوی) مولانا محمد یوسف (الہمدیث) مفتی جعفر حسین مجتہد (شیعہ)

شامل تھے۔ شرکائے اجلاس نے درج ذیل مطالبات متفقہ طور پر مرتب کئے۔

(1) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(2) سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے۔

(3) تمام کلیدی آسامیوں سے قادیانی افسروں کو علیحدہ کیا جائے۔

13 جولائی کو ہی برکت علی محمد ن ہال لاہور میں پنجاب کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں کا عظیم اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں 3 جون کے مرتب کردہ مطالبات کی حمایت کردی گئی اور آل پارٹیز مسلم کنونشن بلانے پر زور دیا گیا۔ 13 جولائی کے بعد حکومت نے کنونشن کے منتظمین شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور سید عنایت شاہ بخاری کو گرفتار کر لیا۔

ملتان میں چھ آدمیوں کی شہادت نے جلتی پر تیل کا کام کیا

☆..... گرفتاری کے خلاف اہل ملتان نے 18 جولائی کو احتجاجی جلوس نکالا تو پولیس نے فائرنگ کر کے چھ افراد شہید اور دس کو زخمی کر دیا۔

☆..... وسط جولائی میں مولانا اختر علی خان ایڈیٹر ”زمیندار“ نے خواجہ ناظم الدین اور دوسرے وزراء سے ملاقاتیں کیں۔

☆..... اور انہیں اہل اسلام کے مطالبات اور عوامی جذبات سے آگاہ کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے مولانا کو یقین دہانی کرائی کہ وہ 14 اگست 1952ء کو خصوصی خطاب میں مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں گے۔

☆..... 13 اگست 1952ء کو ایک وفد نے خواجہ صاحب سے ملاقات کر کے مطالبات تحریری طور پر پیش کئے۔

اسی اثناء میں سر ظفر اللہ خان چناب نگر (ربوہ) آئے اور قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود سے مل کر تازہ صورت حال پر غور کیا۔ قادیانیوں نے اپنے آقاؤں سے مداخلت کی درخواست کی۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ 14 اگست کو اپنی تقریر میں مطالبات کا ذکر تک نہ کیا۔ اس وعدہ خلافی پر اسی شب آرام باغ کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانوی (کنوینر علماء بورڈ برائے کنونشن) کی صدارت میں

احتجاجی جلسہ ہوا۔ مطالبات سے روگردانی کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا۔ اسی طرح کا احتجاجی جلسہ 23 اگست میوچی دروازہ لاہور میں بھی منعقد ہوا۔ مطالبات کے حق میں سارے ملک میں جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ 25، 26، 27، دسمبر 1952ء چنیوٹ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مجلس احرار اسلام کی ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس بند کمرے میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مطالبات کے علاوہ بی پی سی رپورٹ پر غور کیا گیا اور قادیانی فتنہ کے سدباب کے لئے ایک عوامی تحریک کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ 16، 17، 18 جنوری 1953ء کو کراچی میں کل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن میں ملک بھر کے جید علمائے کرام نے شرکت کی۔ کنونشن میں درج ذیل فیصلے کئے گئے۔

کراچی کنونشن کے فیصلے

(1) خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لئے درج ذیل حضرات پر مشتمل وفد تشکیل دیا گیا۔ جو وزیراعظم سے ملاقات کر کے مطالبات پیش کرے۔

☆ مولانا عبدالحامد بدایونی (قائد)

☆ پیر صاحب سرسینہ شریف (مشرقی پاکستان)

☆ ماسٹر تاج الدین انصاری

☆ سید مظفر علی شمس

(2) وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کے رویے کو منفی قرار دے کر ”راست اقدام“ کا فیصلہ کیا گیا۔

(3) قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کرنے کی تجویز پاس ہوئی۔

(4) اگر خواجہ ناظم الدین قادیانی وزیر خارجہ کو برطرف نہیں کرتے تو خود مستعفی ہو جائیں۔

(5) مقتدر علمائے کرام اور مختلف مذہبی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی ایک جنرل

کونسل بنائی گئی۔ جنرل کونسل نے مطالبات مسترد ہونے کی صورت میں راست اقدام کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان قائم کی۔ جنرل کونسل نے آٹھ علمائے کرام کو مجلس

عمل تحفظ ختم نبوت کا رکن منتخب کیا اور دیگر سات ارکان نامزد کرنے کا اختیار دیا۔
اس پندرہ رکنی مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ارکان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

- | | |
|--|---------------------------------------|
| (1) سید عطاء اللہ شاہ بخاری | (2) مولانا ابوالحسنات قادری |
| (3) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی | (4) مولانا عبدالحمید بدایونی |
| (5) حافظ کفایت حسین | (6) پیر صاحب سرسید شریف مشرقی پاکستان |
| (7) مولانا یوسف کلکتوی | (8) مولانا احتشام الحق تھانوی |
| (9) پیر غلام مجدد سرہندی | (10) مولانا نور الحسن شاہ بخاری |
| (11) ماسٹر تاج الدین انصاری | (12) مولانا اختر علی خان |
| (13) مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ | (14) سید مظفر علی شمش |
| (15) حاجی محمد امین سرحدی ¹ | |

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کا صدر بریلوی مکتب فکر کے رہنما مولانا ابوالحسنات قادری کو منتخب کیا گیا۔ جب کہ اہل حدیث مکتب فکر کے رہنما مولانا محمد داؤد غزنوی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔²

الٹی میٹم

مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نامزد کردہ چار رکنی وفد نے 22 جنوری 1953ء کو خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی اور مجلس عمل کے مذکورہ بالا مطالبات پیش کئے ایک ماہ کا الٹی میٹم دیا کہ اگر 12 فروری 1953ء تک مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو حکومت کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔ وزیراعظم نے مطالبات سے ہمدردی ظاہر کی مگر انہیں تسلیم کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ الٹی میٹم دینے کے بعد مرکزی مجلس عمل نے تحریک راست اقدام کے لئے ملک بھر سے کارکنوں کی بھرتی شروع کر دی۔ یہ تحریک پاکستان کی سب سے بڑی دینی اور عوامی تحریک تھی جو بڑے بڑے شہروں کے علاوہ قصبات تک پھیل گئی جس میں ہزاروں لوگوں

1 تحریک ختم نبوت 93، شورش کشمیری

2 تفصیلات ملاحظہ فرمائیں تحریک ختم نبوت 1953ء مولانا دوسایا

نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کئے اور بے شمار لوگوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا حتیٰ کہ مارشل لاء کے ذریعے اس تحریک کو کچل دیا گیا۔ مرکزی مجلس عمل کے رہنماؤں کا اندازہ تھا کہ اگر ایک لاکھ شمع ختم نبوت کے پروانے قید ہونے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیں تو حکومت مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔¹

پنجاب میں ہڑتال

الٹی میٹم سے خواجہ صاحب پریشان ہوئے تو 12 جنوری 1953ء کو بذریعہ جہاز کراچی سے سرگودھا پہنچے۔ ملک خضر حیات نوانہ سے ملاقات کر کے انہیں آئی آئی چنہ دہگر کی جگہ گورنر پنجاب بنانے کی پیش کش کی جو ملک صاحب نے مسترد کر دی۔ خواجہ ناظم الدین نے اسی روز شام کو لاہور آنا تھا مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے پنجاب میں ہڑتال کی اپیل کر دی۔ مجلس عمل کے مطالبات کے حق میں ہڑتال بے حد کامیاب ہوئی۔ وزیراعظم لاہور آئے تو ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔ اسی روز مجلس عمل کے زیر اہتمام دہلی دروازہ میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔ مولانا تاج محمود مرحوم اس جلسہ میں شریک تھے۔ مولانا کا کہنا تھا کہ یہ شاہ صاحبؒ کی تاریخی اور یادگار تقریر تھی۔²

لاہور میں خواجہ ناظم الدین کی آمد پر ان سے مجلس عمل کا ایک چار رکنی وفد ملا۔ لیکن خواجہ صاحب اپنے جواب پر قائم رہے۔ اب تصادم ناگزیر تھا۔ مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے رہنما 22 فروری کو کراچی میں جمع ہو چکے تھے مگر تحریک شروع کرنے کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا کیونکہ مشرقی پاکستان سے مجلس عمل کے اراکین کراچی نہیں پہنچ سکے تھے۔ ملک بھر کے کارکنوں اور مقامی رہنماؤں کی نظریں مرکزی مجلس عمل کے فیصلے پر جمی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف مرکزی مجلس عمل کی ہدایت تھی کہ جب تک کراچی میں تحریک کا آغاز نہ کیا جائے۔ اس وقت تک دوسرے شہروں میں بھی تحریک شروع نہ کی جائے۔ تین چار روز مشرقی پاکستان کے نمائندوں

1۔ لولاک 20 جون 1972ء

2۔ تحریک ختم نبوت

کے انتظار میں گزر گئے۔ رضا کار سخت پریشان تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ تحریک کیوں شروع نہیں ہو رہی۔ بالآخر 26 فروری 1953ء کو کراچی میں مجلس عمل کا فیصلہ کن اجلاس مولانا ابوالحسنات صدر مجلس عمل کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں راست اقدام کا طریقہ کار طے کیا گیا کہ پانچ پانچ رضا کار مطالبات کے بینرز اٹھا کر وزیراعظم کی کوٹھی پر جائیں اور پرامن طور پر مظاہرہ کریں۔ اسی قسم کا مظاہرہ گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی جاری رکھا جائے۔ مولانا ابوالحسنات قادری کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا اور عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ رضا کاروں کے ساتھ مطلقاً نہ جائیں۔¹

26 فروری 1953ء کی رات کو آرام باغ کراچی میں مجلس عمل کے زیر اہتمام فقید المصال جلد منعقد ہوا جس میں تمام مکاتیب فکر کے رہنماؤں نے اعلان کیا کہ وہ باہمی اتحاد کو برقرار رکھیں گے۔ اور ہر قسم کی قربانی دیں گے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تاریخی خطاب فرمایا۔ اس جلسہ میں سکندر مرزا ڈیفنس سیکرٹری اور مرکزی حکومت کے ایک سیکرٹری مسٹر جی احمد بھی جلسہ سننے کے لئے آئے حالانکہ یہ بات پروٹوکول کے خلاف تھی۔ یہ لوگ نیک نیت نہیں تھے۔ انہوں نے آدھی رات کے بعد جا کر خواجہ ناظم الدین کو نیند سے بیدار کرا کے جلسہ رپورٹ پیش کی۔ ان دونوں حضرات کے ایما پر اسی شب کا بینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں تحریک ختم نبوت کو کچلنے اور مجلس عمل کے رہنماؤں کو گرفتار کرنے کا احمقانہ فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ رات گئے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری اور ماسٹر تاج الدین انصاری، سید مظفر علی شمس، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ فیض الحسن شاہ وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ 27 فروری کی صبح سارے ملک میں اکابر علما کی گرفتاری کی خبر پھیل گئی جس سے ہر شہر میں تحریک کا آغاز ہو گیا۔²

صوبائی حکومتوں میں پنجاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اور پنجاب ہی درحقیقت تحریک کا گڑھ تھا۔ چنانچہ میاں محمد دولتانہ کی صدارت میں اجلاس ہوا۔ جس میں درج ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

1 تحریک ختم نبوت صفحہ نمبر 94 شورش کشمیری

2 سوانح مولانا تاج محمود ص 84

- 1- تحریک کے تمام سرگرم کارکنوں کو آج 27 اور 28 فروری کی درمیانی رات صوبہ بھر میں گرفتار کر لیا جائے۔
 - 2- لاہور کے علاوہ باقی اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اپنی صوابدید کے مطابق زبردفعہ پنجاب سیفٹی ایکٹ گرفتاریاں کرنی چاہئیں۔
 - 3- جو لوگ پنجاب سیفٹی ایکٹ میں گرفتار کر لئے جائیں۔ ان کی نظر بندی میں مناسب توسیع حکومت پنجاب کرے گی۔
 - 4- مرکزی کابینہ کے فیصلہ کے مطابق روزنامہ زمیندار آزاد اور الفضل کی اشاعت ممنوع قرار دے دی گئی۔
 - 5- ہوم سیکرٹری صاحب نے کہا خواجہ کمال دین (قادیانی) نگران سول اینڈ ملٹری گزٹ (مرزائی اخبار) کو طلب کر کے انہیں سمجھائیں کہ وہ ان گرفتاریوں پر خوشی کا اظہار نہ کریں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قادیانی اس پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔)
 - 6- مرزا محمود کو تنبیہ کی جائے کہ وہ اور ان کا عملہ ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے باز رہیں۔
 - 7- جو رضا کار لاہور سے کراچی روانہ ہوں انہیں راستے میں گرفتار کر لیا جائے۔
 - 8- ہوم سیکرٹری پریس کے ذریعہ عوام کو صبر و تحمل کی تلقین کریں۔
- چنانچہ ان فیصلوں کی روشنی میں مولانا محمد علی جالندھری ملتان، قاضی احسان احمد شجاع آباد، مولانا غلام اللہ راولپنڈی، مولانا عبداللہ، مولانا لطف اللہ ساہیوال، مولوی محمد اسماعیل گوجرانوالہ، مرزا غلام نبی جاناں، فیصل آباد، سمیت پورے صوبہ میں تحریک کے اہم راہنما گرفتار کر لئے گئے۔¹

ان گرفتاریوں سے پورے صوبہ میں ہڑتالیں شروع ہو گئیں۔ اور مسئلہ ختم نبوت ہر شخص کا موضوع بن گیا۔ لوگوں کو حکومتی کارروائیوں پر صدمہ ہوا۔ پورے صوبہ میں جلسے جلوس شروع ہو گئے۔ لاہور (جو تحریک کا مرکز تھا۔ مرکزی قائدین کی گرفتاری کے بعد) میں سخت مظاہرے شروع ہوئے۔ مسجد وزیر خاں سے جلسے پر جلسہ ہونے لگا۔ پورے صوبہ سے رضا کار

1. تحریک ختم نبوت 1953ء، ص 338، 337 مصنفہ مولانا اللہ وسایا

مسجد وزیر خاں میں جمع ہونے لگ گئے۔ قائدین عوام کو ہر جلسہ میں پُر امن رہنے کی تلقین کرتے۔ جب تمام قائدین گرفتار ہو گئے تو مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا خلیل احمد قادری، مولانا بہاؤ الحق قاسمی، چوہدری ثناء اللہ بھٹہ نے کسی طریقے سے مسجد وزیر خاں میں پہنچ کر تحریک کی کمان کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ادھر صوبائی حکومت نے پورے لاہور میں دفعہ نمبر 144 نافذ کر دی۔ اور مساجد میں دفعہ 144 کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اس دوران فردوس شاہ نامی ڈی۔ ایس۔ پی۔ D.S.P. قرآن پاک کی اہانت کی وجہ سے قتل ہو گیا۔ جس کے انتقام کے لئے پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کر کے سینکڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا گیا۔ رات گئے یہ قتل عام جاری رہا۔ لاشوں پر لاشے گرتے رہے۔ رات کو لوگوں نے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اذانیں شروع کر دیں۔ کوئی گھرایا نہ تھا۔ جو ماتم کدہ نہ ہو۔ 5 مارچ کو سول سیکرٹریٹ ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل آتے اور سینے کھول کر گولیاں کھاتے رہے۔ محکمہ بجلی کے ملازمین نے چیف انجینئر کو نوٹس دیا کہ شہر میں ہونے والے مظالم بند کئے جائیں۔ بصورت دیگر ہم بجلی کی سپلائی بند کر دیں گے۔ مرزا نعیم الدین۔ ایس۔ ایس۔ پی۔ لاہور نے استعفیٰ کی دھمکی دی۔ اور حالات کا صحیح رخ سامنے رکھا۔ اور کہا کہ ظلم اور سختی سے تحریک کو نہیں دبایا جاسکتا۔

5.4 مارچ کو پولیس نے شرح صدر کے ساتھ گولی چلائی۔ محتاط اندازے کے مطابق دس ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ اور ان کی نعشیں ٹھکانے لگائی جاتی رہیں، ملک فیروز خان نون نے پبلک طور پر بیان دے کر اس بات کی تصدیق و تائید کی۔ 6 مارچ کو مارشل لاء کا اعلان ہو گیا۔ فوج نے شہر کے بیرونی حصے پر پہرے لگا دیئے جس سے شہر میں سناٹا طاری ہو گیا۔ مگر مسجد وزیر خاں میں صبح و شام تقریریں ہوتیں۔ بیرون شہر فوج کا قبضہ تھا۔ اور اندرون شہر مجلس عمل اور شہریوں کا قبضہ تھا۔ 8 مارچ کو فوج نے مسجد کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ پانی کے نل کاٹ دیئے۔ بجلی کا کنکشن منقطع کر دیا۔ قائدین نے 5.5 افراد پر مشتمل ٹولیاں بنا کر گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا۔ آخر میں مولانا بہاؤ الحق قاسمی نے گرفتاری پیش کی۔ جنہیں شاہی قلعہ میں بند کر دیا گیا۔ مولانا خلیل احمد قادری کو پروفیسر قدوانی نے گرفتار کر دیا۔ انہیں بھی شاہی قلعہ میں پابند سلاسل کر

دیا گیا۔ اور علمائے کرام، دیندار حضرات پر اتنے غیر شریفانہ مظالم ہوئے کہ شرافت سرپیٹ کر رہ گئی۔ اور یوں تمام قائدین ایک سال کے لئے پابند سلاسل کر دیئے گئے۔

خدا رحمت کند عاشقان پاک طینت را

منیر انکوائری کمیشن

فسادات کے اسباب پر غور کرنے کے لئے جسٹس منیر کی قیادت میں کمیشن مقرر کیا گیا۔ جس نے رپورٹ دی منیر انکوائری رپورٹ کے متعلق آغا شورش کشمیری رقمطراز ہیں:

اس تحریک کا سب سے بڑا الیہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ تھی..... جسٹس منیر اس کے صدر اور جسٹس رستم کیانی ممبر تھے۔ کمیٹی کی تجویز کردہ ترمیموں کے فسادات پنجاب کے متعلق تحقیقات عامہ ایکٹ 1954ء بن گیا۔ یکم جولائی 1953ء کو تحقیقات کا آغاز ہوا کمیشن نے 28 فروری 1954ء کو اپنا کام ختم کیا۔ انگریزی میں 387 صفحات کی ایک رپورٹ لکھی جس کا اردو ترجمہ 432 صفحات میں شائع ہوا۔ جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی راقم الحروف سے کیا تھا۔ کہ وہ اس کتاب کی اشاعت سے پریشان و پشیمان ہیں۔ اس میں جو حصہ اسلام کے خلاف ہے۔ اور جہاں تہاں احرار سے متعلق برے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ جسٹس منیر کے قلم سے ہیں..... کسی لحاظ سے رپورٹ کسی جج کی تحریر نہیں۔ بلکہ ایک ایسے اخبار نویس کا ادارہ ہے جو کسف دروہاں قلم سے تبصرہ کرنے کا عادی ہوا۔¹

جسٹس منیر نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور احرار سے متعلق اپنے نبٹ باطن کا خوب اظہار کیا۔ بہر حال اس تحریک میں شاہ جی کا کردار قابل رشک رہا۔

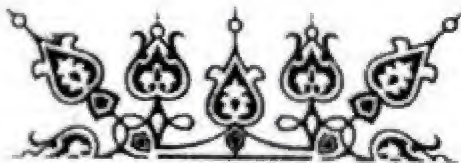


www.ahlehaq.org

باب پنجم

علامت اور وفات

- نماز جنازہ جانشینی اور امام جنازہ
- آخری منظر تعزیتی جلسہ
- آغا شورش کشمیری کا مرثیہ
- تاریخہائے وفات
- مشاہیر ہندوپاک کا خراج تحسین
- نسب نامہ حریت



www.ahlehaq.org

علالت! اور وفات!

حضرت امیر شریعتؒ کے بیماری کے ایام، علاج و معالجہ کن رفقا نے شاہ جیؒ کا آخر وقت تک ساتھ نبھایا۔ وفات اور جنازہ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ ہماری حقانیت کے فیصلے ہمارے جنازے کریں گے۔

..... چنانچہ داستانِ غم سناتے ہوئے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ لکھتے ہیں:

مرض کا حملہ

کوئی چار سال قبل اچانک یہ اندوہناک خبر ملک میں پھیل گئی کہ حضرت امیر شریعتؒ پر فالج کا حملہ ہو گیا ہے۔ حملہ کے خلاف سہام اللیل کی بارش شروع ہو گئی۔ اہل ملک نے عموماً اور اہل اللہ نے خصوصاً بارگاہ رب العزت میں التجائیں کیں۔ مشہور و معروف حکماء ملتان جناب حکیم عطاء اللہ صاحب و جناب حنیف اللہ صاحب ہر دو باپ بیٹوں نے اپنی خدمات امیر شریعتؒ بلکہ حفاظت شریعتؒ کے لئے وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے شرف قبول عطا فرمایا۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کو افاقہ ہو گیا۔ عوام نے آپ کو صحت یاب سمجھا۔ مگر خواص جو آپ کی رفتار و گفتار کے واقف اور عادات و اطوار کے راز دار تھے۔ جانتے تھے کہ یہ صحت نہیں ہے افاقہ ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اس کو پیام رحیل موت سمجھا۔ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ دوروں پر جانا بند کر دیا۔ اور دولت خانہ میں بھی خدام و زائرین کو صبح و شام زیارت کم نصیب ہونے لگی۔ اب حضرت شاہ صاحبؒ ”فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ“

والی دُجّہ فادُغِب“ کے مقام پر تھے۔ یا تو حضرت شاہ صاحب نماز تہجد کے وقت بھی قرآن پاک سناتے رہتے یا اب عبادت ہی عبادت اور ذکر و فکر کے بن کے رہ گئے۔ صرف دن کو تھوڑا وقت عقیدت مندوں کے سکون خاطر کے لئے دیتے۔

مرض کا دوسرا دور.....

لیکن اب غیر محسوس طریقہ سے کمزوری بڑھتی جا رہی تھی کبھی کبھی حضرت شاہ صاحب حکیم صاحب کے پاس خود ہی تشریف لے جاتے جو آپ کے قریب ہی قیام فرماتے تھے۔ ان سے آپ کو انس تھا اور پرانی محبت بھی تھی۔ مہمانوں کو ابھی تک شاہ صاحب اپنے دست مبارک سے چائے اندر سے لا کر پلاتے اور اپنے مخصوص اقوال کے شکر پاروں سے ان کی تواضع فرماتے، اب حضرت شاہ صاحب نے دوستوں کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔ مگر پشاور سے کراچی تک دوست غلام، اور عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا۔ نزدیک اور دور سے آکر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سکون کا سامان مہیا کرتے۔ مگر میں یہ محسوس کرتا رہتا۔ کہ حضرت شاہ صاحب گوشفقت و اخلاق کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہونے دیتے۔ مگر وہ اب مخلوق سے تجل اختیار کر کے خالق سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔ بیماری کے اس دور میں کہ جب ابھی وہ مغلوب تھی۔ حضرت شاہ صاحب اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری مرحوم کی خدمت میں بھی لاہور آکر چند روز قیام فرما رہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ کہ ان نورانی صحبتوں میں مرشد کامل اور مرید قابل کے درمیان ربط و نسبت اور سیر و سلوک کی کتنی منازل طے ہوئی ہیں۔

مرض کا تیسرا دور.....

وفات سے چند ماہ پہلے اچانک یہ افسوسناک خبر پہنچی کہ حضرت شاہ صاحب کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ محترم بھائی حافظ عطاء الحسن شاہ صاحب مجھے اندر لے گئے۔ دیکھ کر مضطرب ہوا۔ آپ کو بولنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی، اور چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔ میں ضبط نہ کر سکا۔ اور مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد

حضرت شاہ صاحب گوشتِ ہسپتال میں لے جایا گیا۔ چند دن کے بعد میں وہاں بھی حاضر ہوا۔ ہوش و حواس قائم تھے۔ زبان اور حلق میں تکلیف تھی۔ نماز کے لئے تیمم فرماتے۔ جب وہاں افاقے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو چند دن کے بعد آپ کو گھر لے جایا گیا۔

اسی دن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب صدر مدرس قاسم العلوم ملتان کی معیت میں دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ وہاں چند اور خادم بھی حاضر تھے۔ حضرت شاہ صاحب، حافظ عطاء الحسن صاحب کے سہارے سے اندر سے چل کر دروازے تک تشریف لائے۔ مشکل سے دستِ مبارک مصافحہ کے لئے بڑھایا۔ ہم یاس و حسرت کے ساتھ رخصت ہوئے۔ مشورہ کے بعد آپ کو لاہور لایا گیا۔ سلطان فوٹوٹری کے مالک مولوی محمد اکرم صاحب اور مولوی محمد افضل صاحب کی کوشی واقعہ ماڈل ٹاؤن میں کرنل ضیاء اللہ صاحب نے علاج شروع کیا۔ چوٹی کے حکماء حضرات نے بھی معائنہ فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب تعارف کے بعد ہر ایک کو پہچان لیتے۔ اور جب حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے فرزند عیادت کے لئے تشریف لائے جن کی (حضرت مفتی صاحب) وفات کی خبر حضرت شاہ صاحب گول چکی تھی۔ تو آپ ان کو دیکھ کر بہت روئے اور جب بول نہ سکے تو لکھنے کی سعی کی جس سے یہ اندازہ ہوا۔ کہ حضرت مفتی صاحب میرے استاد مکرم تھے۔ لاہور میں ہر چند بہترین علاج جاری رہا۔ اور مولوی اکرم صاحب موصوف نے آپ کو اور مہمانوں کو ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کی تمام رفقاء کار اور مشتاقان دید کو زیارت نصیب ہوتی رہی۔ مگر مرض میں کیونکر تخفیف ہوتی یہاں تو یہ حال تھا۔

از سر بالین ماہر خیز اے ناداں طبیب
درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست
اقربا آپ کو واپس ملتان لے گئے۔

مرض کا چوتھا دور.....

14 اگست 1961ء کو اس خبر نے پریشان کر دیا۔ کہ حضرت شاہ صاحب کو غشی کے دورے پڑے ہیں۔ اس کے بعد طاقت مضحل اور قوت سلب ہونی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ

بیس اگست تک آپ کے خویش واقارب کو بلایا گیا۔ 21 اگست کو آپ پر غنودگی ہی طاری رہی۔ اور تیسرے پہر سے دم بدم یہ وحشت ناک خبریں لاہور پہنچنے لگیں۔ کہ حضرت شاہ صاحب کی حالت نازک ہے۔ عجیب تماشا تھا۔ کہ پاؤں مبارک سرد ہو چکے ہیں۔ مگر بخار قدرے زوروں پر ہے۔ اصولاً تو اتنے شدید بخار سے فالج کی کیفیت بدل جانی چاہیے تھی۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ مرض شاخ گل کاٹنے میں مصروف اور طائر روح اس سے پرواز کے لئے بے چین تھا۔ مرض کالب خاکی کے درپے اور روح عالم ملکوت کے لئے بے قرار تھی۔ آخر کار وہ گھڑی آہی پہنچی جب کہ مرض اور جسم کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ انسانی روح اگر طیب ہے۔ تو ہر طرح کی کوفت و کلفت سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جاتی ہے۔

☆ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَائَهُ

”جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے بے چین ہو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے اور محبوب رکھتے ہیں۔“

آخر کار وہ گھڑی آہی پہنچی۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب کے پاس چند دوست، چند اہل اللہ اور چند عزیز واقارب تھے۔ بعض نیک آدمیوں نے بتایا۔ کہ حضرت کی سانس میں ذکر کی کیفیت تھی۔ بہر حال میں دفتر ترجمان اسلام میں بیٹھا تھا۔ اور اخبار میں حضرت شاہ صاحب کے نزاکت حال کی خبر لکھ دی گئی تھی۔ کہ ساڑھے چھ بجے کے قریب محترم مخدوم ماسٹر تاج الدین صاحب نے پاکستان ٹائمز کے دفتر کے حوالہ سے یہ اطلاع دی۔ کہ حضرت شاہ صاحب وفات پا گئے۔

﴿ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴾

عالمگیر اضطراب

یہ خبر شہر لاہور کیا تمام ملک میں بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ ہر طرف اضطراب ہی اضطراب تھا۔ جن احباب کو حضرت شاہ کی طویل نازک بیماری کا علم اور صحت سے مایوسی تھی۔ ان کو تو اس صدمہ کو برداشت کرنا کچھ آسان ہو چکا تھا۔ مگر جن کو یہ علم نہ تھا ان کو اس ناگہانی حادثے سے

نا قابل بیان پریشانی ہوئی جس جس کو خبر ہوئی کوئی بسوں کی طرف دوڑا، کسی نے اسٹیشن کا رخ کیا مگر وہ دونوں چیزیں اپنے قابو کی نہ تھیں۔ اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي اِلَى اللّٰهِ O

21, 22 اگست کو ملتان لائن پر آنے والے تمام اسٹیشن سوگوار تھے اور جب لائل پور اور لاہور کی ٹرینیں ملتان پہنچیں تو آہ و بکاہ اور دلدوز چیخ و پکار سے اسٹیشن ماتم کدہ بن گیا۔

ٹبی شیر خان

اعلان ہو چکا تھا کہ جنازہ کل چار بجے ہوگا۔ مگر مخلوق خداراتوں رات پہنچتی اور روتی رہی۔ 22 اگست کو صبح سویرے محلہ ٹبی شیر خاں میں آدمی ہی آدمی تھے۔ کھانے پینے سے بے نیاز۔ پریشانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحب کے مکان سے مدرسہ قاسم العلوم تک پھیلے ہوئے تھے۔ نو بجے تک آنے والوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

مدرسہ قاسم العلوم

مدرسہ قاسم العلوم اسی علاقہ میں ہے۔ اس کی وسیع عمارت کھلی مسجد دارالحدیث اور جاذب نظر درسگاہیں اسلامی فیوض و انوار کی جلوہ گاہیں ہیں۔ اس مدرسہ کا صحن اس کے دالان تمام درسگاہیں دارالحدیث مسجد اور کمرے مہمانوں سے بھر چکے تھے۔ جن کو آرام پہنچانے کی کوشش طالب علم اور اساتذہ ہر طرح کرتے رہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کی آخری خدمت تھی جو مدرسہ قاسم العلوم نے کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

جانشینی

مدرسہ قاسم العلوم میں کم و بیش دو ہزار علماء صلحاء مشائخ اور عوام و خواص کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب کے بڑے فرزند حضرت مولانا قاری حافظ سید عطاء المنعیم شاہ (سید ابوذر بخاری) صاحب کو حضرت شاہ صاحب کا جانشین تجویز کیا گیا۔ اس مبارک تجویز میں حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی اور حضرت مولانا خیر محمد (جالندھری) صاحب خلیفہ اعظم حضرت تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم قاسم العلوم اور حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری جیسے اکابر ملت اور دیگر

سینکڑوں علماء و مشائخ شریک تھے۔ چنانچہ پھر دستار بندی بھی ہوئی۔

نماز جنازہ

نماز ظہر کے بعد شاہ جی کے گھر سے جنازہ اٹھا۔ اور ایمر سن کالج گراؤنڈ کی طرف بڑھا۔ جنازے کے ساتھ لمبے لمبے بانس تھے۔ مگر مشتاقین کے ہجوم میں کوئی انتظام باقی نہ رہ سکا۔ ملتان کی سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں دو میل تک آدمی ہی آدمی تھے۔ غمزدہ تو سب ہی تھے۔ مگر تقریباً نصف آدمی آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ حکیم عطاء اللہ صاحب جیسے سنجیدہ بزرگ اپنے اوپر کنٹرول نہیں کر سکے۔ چیخیں مار مار کر روتے اور فرماتے لوگو عاشقِ رسول کا جنازہ ہے۔ انتقال ہو کر پورے بیس گھنٹے ہو چکے تھے مگر آنسو تھمتے نہ تھے۔ کم و بیش ایک سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ ملتان کی تاریخ میں ایسا دن نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ آئندہ اُمید ہے۔ علماء و مشائخ اور سلاطین کے جنازوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ سچ ہے۔

عاشق! کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

امام جنازہ

یہ اعلان ہو چکا تھا کہ نماز جنازہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب پڑھائیں گے۔ خود مولانا حافظ سید عطاء المنعم صاحب نے یہی تجویز کی تھی۔ مگر حضرت مولانا موصوف نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرت شاہ صاحب کے جانشین قاری حافظ سید عطاء المنعم بخاری صاحب جن کی دستار بندی کر دی گئی ہے اب نماز جنازہ کے لئے زیادہ موزوں ہیں خاص کر اس لئے کہ وہ ولی بھی ہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے اپنے قابلِ رشک باپ کا جنازہ خود ہی پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔ ان کا صبر و حوصلہ قابلِ داد تھا۔ غم و اندوہ کے اس طوفان میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

قبر

وفات کی خبر سن کر ڈی۔ سی ملتان اور جناب بی۔ اے قریشی صاحب مفسر ملتان

ڈویشن مکان پر تعزیت کے لئے آئے اور صدر مملکت (محمد ایوب خاں) کا پیغام بھی پہنچایا۔ کمشنر صاحب موصوف نے قبر کے لئے پرانے قلعہ پر جگہ پیش کش کی اور صوبائی حکومت سے اجازت بھی لے لی۔ مگر علماء کرام اور اعزہ و اقارب نے حضرت شاہ صاحب کے مزاج کے مطابق عام قبرستان میں دفن کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ شاہ صاحب زندگی میں بھی عوام کے پاس بیٹھتے تھے۔ برزخ میں کیسے ان سے جدا ہوتے ہیں۔

آخری منظر

ہر دو بڑے فرزندوں، مولانا حافظ عطاء المعنم صاحب اور حافظ عطاء الحسن صاحب نے حضرت شاہ صاحب کو قبر میں اتارا جہاں وہ قیامت تک کے لئے محو خواب ہو گئے۔ (نَمِ كُنُومَتِهِ الْعُرُوسِ) یہاں دل بے قرار چاہتا ہے کہ یہ شعر پڑھ دوں۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرِ أَنْتَ سَاكِنُهُ

فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ آرام فرما ہیں

اس قبر میں پاکی اور جود و کرم کے سوا اور کچھ نہیں

آہ! اب ہم انہیں کبھی نہ سن پائیں گے ہمارے بس میں ہوتا، تو ان کو ختم نبوت کے سارقوں کی سرکوبی کے لئے روک دیتے۔ لیکن ان کا وقت معین ہو چکا تھا۔ اپنے آخری دنوں میں وہ اکثر کہا کرتے تھے، مجھے جانے دو، اب موت و حیات میں دو گام ہی کا فاصلہ ہے۔ اور یہ فاصلہ آخر طے ہو گیا۔¹

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آخری دیدار

وقت کا سب سے بڑا خطیب، جس کی زبان سے پھول جھڑتے تھے، آج موت کے بستر پر آخری نیند سو رہا تھا۔ وہ بطل جلیل جس نے بارہا دس دس اور بارہا بارہا گھنٹے تک لوگوں کو

مسحور کئے رکھا جس کی آواز کے جادو سے سمندروں کی لہریں اور ہواؤں کے جھونکے مسحور ہو جاتے، اور بہتے ہوئے دریا ٹھہر کر جس کی خطابت سے اپنی روانی کا ذائقہ بدلتے تھے، آج بے حس و حرکت پڑا تھا..... اللہ اللہ وہ انسان جس نے برصغیر کے طول و عرض میں لاکھوں انسانوں کے دل و دماغ بدل دیئے اور چالیس برس تک کروڑوں لوگوں کے ولولہ ہائے ارادت کا مرکز بنا رہا، اللہ کی رضا کے سامنے سربسجود تھا۔ گاڑھے کفن میں لپٹا ہوا، بلند و بالا انسان اپنے ہزار ہا عقیدت مندوں کے اشکبار چہروں کی فریاد پر بھی چپ چاپ تھا، ہمیشہ کے لئے چپ ہو گیا تھا، وہاں چلا گیا تھا، جہاں سے آج تک کوئی نہیں لوٹا۔ ظہر کی نماز تک یہ تانتا بندھا رہا۔ زندہ باد کہنے والی زبانیں اب آنکھوں کے آنسوؤں سے پائندہ باد کہہ رہی تھیں۔

ایک عہد، ایک تاریخ

۱۱

● جناب حنیف رضا لکھتے ہیں:

۲۲ اگست ۱۹۶۱ء کو گرد گرما گداو گورستان کے شہر ملتان میں ایک کچی قبر کا اضافہ ہو گیا۔ قبرستان کے پر پچ راستوں پر انسانی سروں کا سمندر اُٹ آیا تھا۔ بچے، بوڑھے، جوان، عوام و خواص بلا تفریق مراتب اشکبار چہروں اور ڈوبتے دلوں سے میت کو لحد میں اترتا دیکھ رہے تھے۔ گرمی معمول سے بہت زیادہ تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آفتاب کرہ ارضی کے قریب آ گیا ہے۔ اور میت کے ساتھ ہی دفن ہونا چاہتا ہے۔ پاکستان کے طول و عرض سے آتے ہوئے سو گور اس عجلت میں گھروں سے نکلے تھے کہ اکثر کوڑا دراہ تک لینے کا ہوش نہ رہا تھا۔ دفن ہونے والی شخصیت اگرچہ سالہا سال سے زندگی سے بے نیاز تھی۔ لیکن گذشتہ شام ریڈیو سے ان کے وصال کی خبر سن کر لاکھوں نفوس تڑپ کی آخری دیدار کے لئے نکل پڑے تھے۔ رات بھر اسپیشل گاڑیاں چلتی رہیں۔ دن چڑھے تک ملتان کے محلہ ٹبی شیر خاں کے ایک بوسیدہ سے مکان کے سامنے انسان ہی انسان جمع ہو گئے تھے۔ یہیں خطیب اعظم امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کی تھی۔

بزم و رزم کے ساتھی

آخری زیارت کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ بعد کی ٹرینوں سے آنے والے جوق در جوق ایمرن کالج کے گراؤنڈ کی سمت جا رہے تھے۔ ملتان کے درو دیوار سے حزن و ملال ٹپک رہا تھا۔ گلی کو چے ویران تھے۔ بلند و بالا عمارتیں مبہوط کھڑی تھیں۔ محمد بن قاسم کی معزولی و گرفتاری پر اس کی رعایا کی آہ و زاری کے جودل گداز واقعات تاریخ میں رقم ہیں۔ آج ملتان انہیں دہرا رہا ہے۔ انوار دوں کو راستہ دکھانے والا کوئی نہ تھا۔ جنازہ اٹھایا گیا تو انسانوں کا یہ سیلاب قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے کے لئے بے تاب تھا۔ شاہ جی کے بیٹیوں، عزیزوں، رشتہ داروں کے علاوہ ان کے پرانے ساتھی، رزم و بزم کے ہمراہی جیل اور ریل کے جانثار، جماعتی رفقاء بھی آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ ان میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی بھی تھے۔ جنہیں شاہ جی بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کے بے شمار شب و روز شاہ جی کی رفاقت میں گزارے تھے۔ شیخ حسام الدین بھی تھے۔ جو ہر معزز کے میں ان کے ہمراہ رہے تھے۔ مولانا محمد علی جالندھری بھی تھے۔ جنہوں نے عہد و وفا نبھایا، اور ان کے مشن کو زندہ رکھا، نوابزادہ نصر اللہ خاں، آغا شورش کاشمیری، مولانا تاج محمود اور مولانا مجاہد الحسینی کے علاوہ ان گنت علماء سیاست دان ادیب و شاعر، صحافی، طالب علم، عقیدت مند اور سرکاری نمائندے سر جھکائے خاموشی سے چل رہے تھے۔ جیسے گوش بر آواز ہوں اور متفکر ہوں کہ ابھی ”الحمد للہ“ سے حجازی لے شروع ہوگی اور سامعین کو ثور و حرا کے ارد گرد لے جائے گی۔ اور وہ چشم تصور سے قرآن کو نازل ہوتا دیکھیں گے ان کانوں نے بارہا اس آواز کو سنا تھا اس آواز کے لاتعداد معجزے دیکھتے تھے۔ شیسکپز کے جویس سیزر میں اس کا ایک کردار محض اپنی خطابت کے بل پر لوگوں کو رائے بدل دینے پر مجبور کر دیتا ہے یہ ایک شاعر، اور ڈرامہ نویس کے تخیل کی پرواز تھی، لیکن اس ملک میں بھی ایسے لوگ بقید حیات ہیں۔ جنہوں نے وہ نظارہ دیکھا ہے۔

جب شاہ جی موچی دروازے سے تقریر کرتے ہوئے حاضرین کے دل و دماغ پر

قبضہ کر چکے ہوئے تھے اور ایک اشارہ پر پورا مجمع رات کے پچھلے پہر موچی دروازے سے مغل پورہ انجینئرنگ کالج کے دروازہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس آواز کے بے شمارشہ پارے آج بھی ان کے کانوں میں گونج رہے تھے اور جس نے جھوٹے مدعی نبوت کو بارہا لکا رہا تھا۔

”میں نبی کا نواسا ہوں، وہ نبی کا بیٹا ہے، وہ میدان میں آئے، مناظرہ کرے اس سے کہو چھپ کر نہ دیکھے، وہ انگریز کے عطا کردہ وہ الہامات لے کر آئے اور ادھر میں لاتا ہوں محمد عربی پر نازل شدہ قرآن مجید کو۔ میں کوثر کا پانی پی کر آؤں وہ پلو مر کی ٹائلنگ وائن پی کر آئے، میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں وہ ریشم واطلس میں اپنا مرمریں بدن سمیٹ کر آئے۔ پھر دیکھئے بات کیا رنگ لاتی ہے۔ یہ پردہ دارنا زمین کی طرح مرزا محمود چھپ کر کیوں اندر بیٹھا ہے۔ ایک دفعہ میدان میں اترے، مولاعلی کے کرتب دیکھئے، جو میدان چاہے منتخب کرے جس طرح چاہے اپنی روحانیت آزمائے۔“

تیری ہر میا بدنامی موتے دے لوگ والے

تعزیتی جلسہ

رات کو قاسم ہاغ میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی زیر صدارت تعزیتی جلسہ ہوا۔ شاہ جی کے پرانے رضا کار مرزا غلام نبی جانباز نے نظم پڑھی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے اپنے مخصوص انداز میں چند باتیں کیں۔ پردرد لہجے نے سامعین کو بہت متاثر کیا۔ خصوصاً جب ماسٹر جی نے یہ شعر پڑھا۔

تو عزم سفر کردی و رفتی ز برما
بستی کمر خویش شکستی کمر

اور کہا شاہ جی کی موت سے میرا دل روتا ہے لیکن مجھے تسلی ہے کہ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ جلد ہی اپنے شاہ جی سے جاملوں گا۔ شیخ حسام الدین کے بعد آغا شورش کاشمیری کا نام پکارا گیا۔ آغا صاحب کی حالت اس وقت غیر تھی ایک ہاتھ میں جوتے تھے دوسرے ہاتھ میں چھوٹی

سی بیاض گلے اور بازوؤں کے بٹن کھلے ابتداً تامل کیا۔ دوسری بار نام سن کر اسی طرح مائیکروفون کے سامنے آئے ایک دولہے پتھرائی آنکھوں سے سامعین کو تکتے رہے پھر بھرائی آواز میں فرمایا!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں اس انسان کا ماتم کروں جس نے ہماری بے زباں کو زبان بخشی جس نے ہمیں خطابت کے تیور سکھائے۔ جس نے ہمیں الفاظ کے درو بست سے آشنا کیا جس نے اپنے قدموں میں بٹھا کر یہ بتایا تھا کہ جرأت کسے کہتے ہیں۔ اور حق کے دشمنوں سے لڑنے کا طریقہ کیا ہے۔

یہ چاند جس طرح چمکتا ہے اور سورج کی کرنیں جس طرح اس کائنات کو منور کرتی ہیں اسی طرح یہ صاف ستھری حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آج انہیں دفن دیا۔ لیکن آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو دفن ہونے کے بعد زندہ ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زندہ رہ کر بھی مردوں سے بدتر زندگی گزارتے ہیں۔ آج ہم میں ہر شخص دلیر ہے، ہر شخص بہادر ہے، ہر شخص جرأت گفتار رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی جن کی جبینوں پر کبھی آستانہ فرنگ کی خاک تھی حریت کے آفتاب عالم تاب بن کر چمکتے اور اس کائنات پر اپنی تابانی پھینکتے ہیں۔

سوچئے، غور کیجئے اور اس سوچ میں ڈوب جائیے کہ اس انسان نے اس وقت نوہ حش بلند کیا جیسا نقطاب زندہ باد کہنے سے انسان کے حصہ اسفل کا گوشت اڑا دیا جاتا تھا اور اسے تختہ دار کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت شاہ جی یہاں کے باغوں میں گئے اور اپنے الفاظ کو شبنم کے ریشمی قطروں کی صورت میں کلیوں کی نذر کیا اور انہیں مجبور کر دیا کہ وہ پھولوں کی طرح کھل کھلائیں میری زبان پر اس وقت لکنت ہے میرے الفاظ ٹوٹتے ہیں لیکن اتنی بات کہہ سکتا ہوں اور ضرور کہوں گا۔ کہ وہ زمانہ آنے والا ہے۔ کیوں کہ ہم لوگ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوئے وہ وقت آنے والا ہے جب تاریخ کی مقدس محراب عطاء اللہ شاہ بخاری کے احترام میں اپنی جبین جھکا دے گی۔

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ پر اس قدر رقت طاری تھی کہ صرف چند جملے کہہ سکے اس طرح تاریخ حریت کا یہ عظیم باب ختم ہو گیا۔

ہدیہ عقیدت

پاکستان میں اکثریت شاہ جیؒ کے سیاسی نظریات سے اختلاف رکھتی تھی۔ لیکن ان کی عظمت خلوص اور دیانت کے معترف تھے ان کے وصال پر ان کے تقریباً سبھی معاصرین نے ان کے حضور عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ ۱۹۶۱ء میں پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان تھے۔ اور عوام کی اکثریت اس وقت انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی۔ صدر ایوب مملکت پاکستان کی بد حالی کا ذمہ دار پرانے سیاستدانوں کو گردانتے تھے۔ لیکن شاہ جیؒ کی بیماری کے دوران..... انہوں نے نشر ہسپتال کے ڈاکٹروں کو خصوصی ہدایات جاری کیں اور شاہ جیؒ کے وصال پر تعزیت کا پیغام بھیجا کہ:

”مجھے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے۔ ہم تحریک آزادی کے ایک جانناز سے محروم ہو گئے۔“

علامہ علاؤ الدین صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے لاہور میں تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے شاہ جیؒ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ:

”ہم لوگ شخصیت پرست واقع ہوئے ہیں شخصیتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے یا یوں کہئے کہ گزشتہ پچیس سال کی تاریخ دیکھئے اور آئندہ ۲۵ برس میں آنے والی شخصیات دیکھئے تو آپ میری بات کی تصدیق کریں گے کہ نصف صدی میں شاہ جیؒ کے پائے کی شخصیت نظر نہیں آتی۔“

میاں محمود علی قصوری با ایٹ لانے شاہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے سیاسی میدان میں شاہ جیؒ کی ہمنوائی نہیں کی۔ وہ سید تھے آل رسول تھے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ عاشق رسول ثابت کیا وہ حسب و نسب کی بنیاد پر بزرگی کے مخالف اور کردار کی عظمت کے داعی تھے انہوں نے ہمیشہ جہاد کیا جب کہ دوسرے لوگ فساد کرتے رہے میرے بعض دوست جہاد اور فساد کا فرق نہیں جانتے، میں نے بارہا واضح کیا آج بھی واضح کرتا ہوں کہ نظریات کی بقا کے لئے جو قربانی دی جائے وہ جہاد ہے اور مفادات کے تحفظ کے

لئے جو کام کیا جائے وہ فساد ہے شاہ جی کی شخصیت کے یہی پہلو تھے جنہوں نے ہم سے اپنی عظمت منوائی۔

ملک کے نامور اخبارات نے مقالے لکھے کوہستان، امروز چٹان نے خصوصی نمبر شائع کئے شاعروں نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ اور نئی نسل سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سن کر سراپا سوالیہ علامت بن جاتی ہے۔ جیسے یہ نام آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات سے متعلق ہو یا عجائب گھر میں اس کے نام کا کوئی نشان موجود ہو اور پھر انہیں کون بتائے کہ شاہ جی کون تھے؟ آج کوئی اقبال نہیں، انور شاہ نہیں ابوالکلام نہیں خود فرمایا کرتے تھے۔

”میں تیس سال قرآن سنایا اسلام کو تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے واپس جاتے دیکھا ہے اب تو صرف اس کے نقشِ پایاقی ہیں وہ مسافر نو جہاں سے آیا تھا، شاید وہیں پلٹ گیا، یہ بال سفید ہو گئے سا بھی ایک ایک کر کے پھڑ گئے محمد علی چلا گیا، شوکت علی چلا گیا، حکیم اجمل خاں گیا، ڈاکٹر انصاری گیا، حضرت مدنی چلے گئے، میں تو اس ڈار کا پھڑا ہوا پنچھی ہوں۔ وہ جا چکے ہیں اب تو ٹوٹے کچھ خم ہیں کچھ سبو ہیں، جن سے میخانہ چلا رہا ہوں..... اور آج ۷۴ برس ہوئے ہیں یہ مے خانہ بھی بند ہو گیا۔“

www.ahlehaq.org

آغا شورش کشمیری کا مرثیہ

ایک تاریخ، ایک عہد ایک انجمن

جی چاہتا ہے آج جی بھر کر رو لیں، بالآخر وہ بھی رخصت ہو گیا جو اس زمانے میں اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھا۔ جس نے مرتے دم تک فقر و استغنا کے پرچم کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ جس کی زندگی بہت سی زندگیوں کا مجموعہ تھی۔ جس کا وہ ایک تاریخ تھا، جو ایک عہد تھا۔ ایک ادارہ تھا، ایک انجمن تھا، ایک تحریک تھا، غرض ایک ایسا محور تھا جس کے گرد افراد ہی نہیں محاسن بھی گھومتے ہیں وہ اس پائے کا خطیب تھا، کہ اس کی آتش بیانی کا لوہا اس کے حریف بھی مانتے تھے۔ اردو زبان نے اس مرتبے کا خطیب نہ کبھی پیدا کیا، اور نہ آئندہ کبھی پیدا ہو سکے گا۔

وہ ایک عظیم مجاہد تھے، انہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی، کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں شاید ان کے ارادوں کی بابت شک رہا ہو مگر انہیں اپنے فیصلوں کے بارے میں کبھی شبہ نہیں ہوا، وہ اس مدرسہ فکر کے علمبردار تھے جس کی بنیادیں محمد قاسم نانوتوی اور محمود الحسن کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھیں۔ تمام زندگی، ایک ہی مشن رہا، کہ برصغیر سے انگریز کی حکومت کیونکر نکالی جاسکتی ہے، وہ علی الاعلان کہا کرتے تھے، کہ میرے سامنے دو چیزیں ہیں۔ اولاً انگریزی حکومت یہاں سے ختم کی جائے۔ ثانیاً وہ ختم نہیں ہوئی تو میں اُس کے خلاف تبلیغ کرتے کرتے تختہ داز پر لٹک جاؤں۔“

ان کا دل عشقِ رسول کا جلوہ

پھر ان کا دل عشقِ رسول ﷺ کی جلوہ گاہ تھا، حضور ﷺ کے عشق میں وہ اس قدر شرشار تھے، کہ انہوں نے اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگ لیا تھا، اُن کا اوڑھنا بچھونا ہی یہ عشق تھا..... اس عشق ہی نے انہیں ختمِ نبوت کے عقیدہ کی تحریک کا مجاہد بنادیا، پھر جس عشق و ایثار کے ساتھ انہوں نے اس راستہ کا سفر کیا، اُس کی نظیر نہیں ملتی، وہ بہت سی غلطیوں کو معاف کرتے رہے، اور کئی لوگوں کو ان کی واضح حرکاتِ سفیہ کے باوجود معاف کر دیا۔ مگر دو چیزوں سے نہ وہ کبھی سمجھوتے پر آمادہ ہوئے، اور نہ انہوں نے ان کے معاملہ میں عفو و درگزر پسند کیا..... اول انگریز کی غلامی اور اس کے گماشتوں کا دوستانہ دوم ختمِ نبوت کے قزاقوں کا تعاقب، وہ کہا کرتے تھے میں تو شہِ آخرت کے طور پر یہی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، اور سچ تو یہ ہے کہ اپنے ساتھ وہ یہی لے گئے ہیں۔¹

اپنے عہد کے ابوذر غفاریؓ

وہ اپنے عہد کے ابوذر غفاری تھے۔ فقر و فاقہ ان کا شعار تھا۔ انہوں نے کبھی کسی تحریک و تنظیم اور قائدِ جماعت کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے وہ خطابت و ضمیر کی سودا بازی کے بازار ہی سے نا آشنا تھے۔ ان پر زمانے نے بہت سا گرد و غبار پھینکا، اور خود فروشوں نے الزامات کے چولہے سے چنگاریاں لے کر بارہا ان کی دستارِ فضیلت پر پھینکیں۔ مگر وہ تہمتوں کے بازار میں سے کنکریاں کھاتے ہوئے نکل گئے، وہ اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہو گئے، انشاء اللہ قیامت کے روز بھی سرخرو ہی اٹھیں گے۔

تذکروں میں ہے کہ جب امام ابن تیمیہؒ کا جنازہ اٹھا تھا، تو پورا شہر اشکبار ہو کر نکل آیا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی مظلومیت نے لوگوں کے دلوں کا احاطہ کر لیا ہے اور بے چین عوامِ وقت اس عظیم الشان دولت کو آخری خراج ادا کرنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں، شاہ

جی کا جنازہ بھی اس دھوم دھام ہی سے اٹھا، ایک انسان جو عمر بھر مہاجر رہا۔ اور جب امرتسر سے مہاجر کر کے ملتان میں پناہ گزین ہوا، تو ایک کچا مکان کرایہ پر لے کر اس میں رہا۔ بارہ برس اس میں رہا۔ آخر وہیں اس کی روح نے نفسِ عنصری سے پرواز کیا وہیں سے اس کا جنازہ اٹھا۔ لیکن فقیر کا جنازہ شاہوں کے جنازے کو مات دے گیا، ایک ایسا شخص جو بالطبع فقیر تھا، جس کے دامن میں اللہ کے خوف اور رسول اکرم ﷺ کے عشق کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو کبھی قصراقتدار میں نہیں رہا، جس کو ہمیشہ زنجیروں نے سلام کیا۔ جس کا ایم وزر کے بت خانوں میں ذکر تک مفقود رہا۔ جس نے ایک لحظہ کے لئے بھی اخباروں اور کتابوں کے صفحوں میں اپنا نام ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی۔ جو آخر وقت تک چٹائی پر بیٹھتا، لیٹتا اور سوتا رہا۔

جو اس مقام میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا عکس تھا، اور جب اس نے داعی اجل کو لبیک کہا، تو ایک اور ڈیڑھ لاکھ کے درمیان لوگ اشکبار چہروں کے ساتھ اس کی میت کے گرد جمع ہو گئے، ان میں تہائی لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، لوگوں نے سینے پیٹ لئے۔ کیا اس فقیر نے یہ آنسو خریدے تھے؟ وہ تو شاید دوسرے وقت کی روٹی خریدنے پر بھی قادر نہ تھا! یہ سب کچھ اس کی غرضی اور بے نفسی کا صلہ تھا، وہ اگر لاہور، لائل پور (فیصل آباد)، گوجرانوالہ، یا سیالکوٹ میں رحلت فرماتے، تو ہجوم کئی لاکھ تک پہنچ جاتا۔ لیکن ذرا افتاد اور پسماندہ ملتان میں بھی ان کا ماتم ۱۱ شدت سے کیا گیا، کہ ملتان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

ہم نے اپنے اس وطن عزیز میں بہت سے جنازے دیکھے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے علماء اور فضلا آغوشِ لحد میں اتارے گئے۔ لیکن شاہ جی کی میت کے گرد عشاق کا جو ہجوم تھا، اور لوگوں نے جس بے اختیاری کے ساتھ ان کا ماتم کیا فقراء و علماء کی پوری صف اس سے خالی ہے۔¹

دل و دماغ پر حکمران

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب دماغوں اور دلوں کے حکمران تھے اپنی بے سرو سامانی

کے باوصف انہیں اس اقلیم میں جو وقار اور اقتدار حاصل تھا، اُس کا اقرار و اعتراف ہر جگہ موجود ہے۔ پاکستان میں وہ ایک ہی شخص تھے، جو سیاسی اقتدار، جماعتی رفاقت اور تنظیمی خطوط کے بغیر اپنی ذات میں ایسا جادو رکھتے تھے، کہ لوگ سردینے کے لئے تیار ہو جاتے ان کے فدائیوں کا قبیلہ ملک کے ہر گوشہ میں موجود ہے ان کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، وہ کبھی پُر نہ ہوگا۔ خطابت بیوہ ہو گئی لوگ کبھی اس طرف گدرا کریں گے، جہاں شاہ جی گرجتے اور گونجتے رہے ہیں، تو دلوں سے ہوک اٹھا کرے گی۔

کہ یہاں کبھی مرد مجاہد صریح آغوش راتوں میں اپنا چہرہ اُغ جلا یا کرتا تھا۔ جس کی نور پیرایوں پر قیاس ہوتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کا کوئی غزوہ نقاب الٹ کر سامنے آ گیا ہے۔ یا پھر لوگ غارِ حرا کے ارد گرد کھڑے ہیں کہ قرآن اتر رہا اور قد و تیاب کی طرح گھلتا کانوں کے راستے سے دلوں کی انگوٹھی میں نگینہ کی طرح بیٹھتا چلا جا رہا ہے۔¹

اب وہ رعنائی خیال کہاں

علماء حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں

میں اُن سُروروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں، جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں، میں کچھ نہیں چاہتا، ایک فقیر ہوں، اپنے نانائے رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر مر مٹا ہوں اور اگر کچھ چاہتا ہوں، تو صرف اس ملک سے انگریز کا انخلا۔ دو ہی خواہشیں ہیں، میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے، یا پھر میں تختہ دار پر لٹکا دیا جاؤں.....

میں اُن علمائے حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں، جو 1857ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ رب ذوالجلال کی قسم مجھے اُس کی کچھ پروا ہیں، کہ دو گ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں..... لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے، وہ شروع سے تماشائی ہیں، اور تماشا دیکھنے کے عادی۔ میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں سید احمد شہید کی غیرت کا

نام لیوا، اور شاہ اسماعیل شہید کی جرأت کا پانی دیوا ہوں۔ میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پایہ زنجیر صلحائے اُمت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں، جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔

ہاں! ہاں!! میں انہی کی نشانی ہوں انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں، آگ دھڑکتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں، کہ میں قاسم نانوتوی کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے، میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں، اور چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا یا دفنانا۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

تاریخ ہائے وفات 1381ھ

- (1) کفن امیر شریعتؒ (2) والا گہر شد بخاریؒ (3) کون پیکر شد بخاری (4) آسمان
- مکاں شد بخاری (5) حسان انجم شد بخاری (6) نجر وصال عطاء اللہ شاہ بخاری (7) زبدۂ زماں
- عطاء اللہ شاہ بخاری (8) لحد سید عطاء اللہ شاہ بخاری (9) امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری
- (10) مزار پر انوار والا جاہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (11) مزار پر انوار مدینہ گو سید عطاء اللہ شاہ
- بخاری (12) راہ شناس آتش بیان (13) مرقد منورہ دیدہ مومنوں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (14)
- مرقد منورہ سیف زباں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (15) محمود جہاں خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ
- شاہ بخاری (16) ممدوح جہاں خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (17) دانائے کامل
- خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (18) آہن گداز خطیب قوم سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
- (19) نجم دین خطیب جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

قطعہ

عطاء اللہ شہ سوئے جنت سدھارے
 خبر آئی جس وقت از شہر ملتان
 گھٹا چھا گئی مطلع دل پہ غم کی
 ہوا مضطرب سن کے ہر اک مسلمان
 جو ہاتھ سے تاریخ پوچھی تو بولا

نہ ہو اختر و صفی تو پریشاں
بتاتا ہوں تاریخ ہجری تجھے میں
”امیر شریعت گیا پاک داماں“

1961ء

(۱) مفتاح شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری (۲) والا رتبہ سید عطاء اللہ شاہ فوت شد
(۳) رفتن امیر شریعت (۱) مخزن علوم شہ بخاری (۵) شام غم علامہ روزگار (۶) مقبول دوران
سید عطاء اللہ شاہ بخاری خلد آشیان (۷) عطار نفس سید عطاء اللہ شاہ خلد آشیان (۸) سید عطاء
اللہ شاہ بخاری نور مانی نور (۹) علامہ روزگار امیر شریعت عطاء اللہ جا (۱۰) علم دین امیر
شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۱) جلال علم امیر شریعت (۱۲) نگہ و ہسین امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۳) لوح مزار نیکو قلب امیر شریعت سید عطاء اللہ (۱۴) مزار پر انوار
سید قوم سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۵) مرقد منورہ امیر عطا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۶) مرقد
منورہ عالم با عمل سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۷) مرقد منورہ پاک باطن امیر شریعت (۱۸) مرقد
منورہ باب وعظ امیر شریعت (۱۹) مرقد منورہ کان جادو امیر شریعت (۲۰) شستہ زباں خطیب
شہیر (۲۱) روشن خیال آتش بیان (۲۲) ہفت بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۲۳) مہر منیر
جادو بیاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔

قطعہ

وہ سید کہ تھا صدر احرار ملت
جسے لوگ کہتے تھے شاہ خطابت
یہ دنیا کہ مومن کا ہے قید خانہ
اسے چھوڑ کر وہ گیا سوئے جنت
ہوئی جستجو اختر و صفی کو

چو از بہر ارقام تاریخ رحلت
ندا آئی کیوں نہ تاریک عالم
گیا مہر تاباں امیر شریعت

.....1961ء.....

مرد ہم خطیب اعظم

رخصت ہوئے دنیا سے بخاری کے جلو میں
اندازِ بیاں، سحر بیاں، لذتِ گفتار
نصرت پئے تاریخ یہ ہاتھ نے ندا دی
اب ختم ہوئی رونق ہنگامہٴ احرار

1961- نصرت قریشی

”خدام الدین“ کلاہور یکم ستمبر 1961ء



آہ! امیرؐ

تاریخ وفات

بزمِ جہاں میں سب ہیں لیکن نہیں بخاریؐ
عالم کو کر گیا ہے اندوگئیں بخاریؐ
پیدا نہ ہوگا کوئی ایسا خطیب دانش
ایوانِ خلد میں ہے محفلِ نشیں بخاریؐ

.....8113.....

www.ahlehaq.org

مشاہیر ہندوپاک کا خراج تحسین!

علامہ اقبالؒ

☆..... شاہ جیؒ اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

☆..... ملک و ملت کا ہر گوشہ ان کا شکر گزار ہے۔

مولانا محمد علی جوہرؒ

☆..... مقرر نہیں ساحر ہیں، تقریر نہیں جادو کرتے ہیں۔

مولانا شوکت علیؒ

☆..... وہ بولتے نہیں موتی رولتے ہیں۔

مولانا داؤد غزنویؒ

☆..... بخاری مرحوم جیسا اسلام کا شیدائی دنیا میں پیدا ہونا مشکل ہے۔

نواب بہادر یار جنگ

☆..... اے کاش میں اس شخص کو مسلم لیگ میں لاسکتا۔ اگر یہ شخص میرے ساتھ ہو تو چھ ماہ کے اندر ملک میں انقلاب برپا کر دوں۔

سردار عبدالرب نشتر

☆..... وہ باغ و چمن سے اُٹھے اور دارورسن سے گزرے ہیں۔

شیخ حسام الدین

☆..... وہ فن خطابت کے امام تھے ان کی موت سے اس محفل کے جو چراغ گل ہوئے ہیں اب وہ ہمیشہ روشنی کو ترستے رہیں گے۔

مولانا حسرت موہانی

☆..... وہ خطابت کے شہسوار ہیں۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادی

☆..... وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

مولانا محمد علی جالندھری

☆..... وہ فقر و استغناء کا پہاڑ تھے۔

ماسٹر تاج الدین انصاری

☆..... وہ علم و ادب، فکر و دانش، سیاست و تدبیر کی محفلوں کا چراغ تھے۔

مولانا مظہر علی اظہر

☆..... ان کی سیاسی بصیرت کے ان کی دینی، علمی اور ادبی بصیرت کی مثال دنیا کے کسی انسان میں نہیں مل سکتی۔

مولانا عبدالرحمن میانوی

☆..... جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مرحوم

☆..... وہ جنگِ آزادی اور اسلام کے زبردست مجاہد تھے۔

سید مظفر علی شمشئی

☆..... وہ حقیقتاً فانی الرسول تھے۔

میاں محمود علی قصوری

☆..... ان کا چلن زندگی کے سفر میں چراغِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا غلام رسول مہر

☆..... ان کے وجود کی ماہیت و معنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت سے سرشار تھا۔

علامہ علاء الدین صدیقی

☆..... اسلام اور آزادی وطن پر دل و جان سے قربان ہو جانا ان کی زندگی کا منہبہ تھا۔

احمد ندیم قاسمی

☆..... ان کے بے داغ اور بے لوث خلوص کی قسمیں صدیوں بعد کھائی جاتی رہیں گی۔

مولانا تاج محمود

☆..... ان کے کل محاسنِ خطابت کے لئے اور ان کی خطابتِ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔

مختار مسعود

☆..... انہیں حسرتِ موبانی اور ابوالکلامِ آزاد کی خطابت کا زمانہ نصیب ہوا اس میں ان کے

ہم سفر تو بہت تھے مگر ہمسر کوئی نہ تھا۔

مولانا ظفر علی خاں

☆..... بلبل چمک رہا ہے ریاضِ رسول میں۔

مولانا حسین احمد مدنی

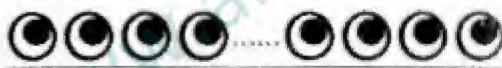
☆..... ان کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی

☆..... ان کی باتیں عطاءِ الہی ہوتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامی

☆..... انہیں دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمان یاد آ جاتے ہیں۔



شاہ جی کا نسب نامہ حریت

ہر شخص اپنا شجرہ نسب ساتھ رکھتا ہے، میرا یہی شجرہ نسب ہے۔ میں سراونچا کر کے
فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔ 23 مارچ 39ء
حضرت مجدد الف ثانیؒ

قلعہ گوالیار میں دو سال قید

شاہ ولی اللہ

قرآن پاک کے ترجمہ قاری پر دست خوان شای کے ریزہ پیموں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور پانچ تہہ زلے۔

شاہ عبدالغنیؒ

شاہ عبدالقادرؒ

شاہ رفیع الدینؒ

شاہ عبدالعزیزؒ

چاروں بھائی تھے۔ آخری تین چھوٹے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ کی زندگی ہی میں وفات پا
گئے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے سب سے پہلے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا، جو آج تک سبھی اردو
تراجم کی بنیاد ہے۔ سلطنت کے آخریری فرزندوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کو دوسرے زہر دیا، جو
ناکام رہا۔ بدن پر چھکلی کا اُٹن مل دیا گیا جس سے (1) برص ہو گیا (2) بیٹائی جاتی رہی
(3) خون میں حدت پیدا ہو گئی (4) مختلف امراض نے گھیر لیا..... ایک دفعہ فتح پور
سیکری کی جامع مسجد میں تراویح پڑھا رہے تھے، کہ غنڈوں کا ایک غول شراب میں ڈھت
طوائف کو رہنما بنا کر آواز سے کستار ہا۔ اس طائفہ نے تاشے پیٹ پیٹ کر وہ اُدھم مچایا،
کہ پناہ بخدا.....

شاہ اسماعیل شہید (فرزند شاہ عبدالغنی)

شہادت

سید احمد بریلویؒ

شہادت

ان نفوس قدسیہ کی معیت میں علمائے حق اور مجاہدین اسلام کا ایک قافلہ جامِ شہادت نوش
کر کے سرخرو ہو گیا

1857ء

سزایافتگان موت (جنگ آزادی) پھانسی دیئے گئے یا گولی سے آزاد دیئے گئے

نواب عبدالرحمن خاں نواب مظفر الدولہ نواب میر خاں نواب اکبر خاں بخش احمد مرزا میر محمد حسین والی بھجر

حکیم عبدالحق قاضی فیض اللہ کشمیری میر بخش خوشنویس امام بخش صہبائی نواب احمد علی خاں نواب محمد حسین خاں (بیل میں موت واقع ہوئی)

انعام الدین خاں نواب محمد علی خاں عبداللہ خاں دلدار علی خاں صوفی حسن عسکری غلام محمد خاں (رکس فرخ نگر)

قیدی 1857ء

سید اسماعیل حسین منیر مفتی عنایت احمد کوردی مفتی مظہر کریم مولانا فضل حق خیر آبادی مولانا دلایت علی بھو درو یا شور بھو درو یا شور بھو درو یا شور بھو درو یا شور

پانچ مقدمہ ہائے سازش

انبالہ 1866ء مولانا یحییٰ علی صادق پوری مولانا عبد الرحیم صادق پوری قاضی میاں جان میاں عبدالغفار مولانا محمد جعفر قاسمی

وہ اسے موت سنا کر صرف اس لئے جو

قید میں تبدیل کر دی گئی، کہ پھانسی کو دوست رکھتے تھے کل گیارہ ملزم تھے، صرف ایک وعدہ معاف گواہ بنا،

پٹنہ 1865ء مولانا احمد اللہ صادق پوری کو موت کی سزا دی گئی، جو عمر قید میں تبدیل ہو گئی،

داعی اجل کو لبیک کہا ان کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی۔ حتیٰ کہ قبریں بھی اکھاڑ دی گئیں۔

راجہ محل 1870ء جناب ابراہیم منڈل کو عمر قید اور ضبطی جائیداد کی سزائیں دی گئیں۔

مالدہ 1870ء مولوی امیر الدین کو عمر قید کی سزا دی گئی، گیارہ سال قید کٹوا کر رہا کئے گئے۔

پٹنہ

1871ء

کل سات ملزم تھے۔ مولانا مبارک علی نے جیل میں انتقال کیا۔ مولانا تبارک علی عمر قید کئے گئے۔
دو چھوٹ گئے۔ باقی کو مضبوطی جائداد کے علاوہ مختلف المعادسزادی گئی۔

دیوبند

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۱۸۵۷ء کے سرکس میں مطلوب تھے۔ تھانہ چلے گئے، چھ ماہ قید رہے، والد شہید کر دیئے گئے۔ بانی دارالعلوم ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت میں

وہیں داخل تھے۔ مگر میں دفن ہیں۔ مطلوب تھے انگریزوں نے عمر بھر تعاقب کیا

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد، حضرت نانوتویؒ کے فخر روزگار تلمیذ، ۱۸۹۱ء میں اپنی ہی

درس گاہ کے صدر مدرس ہو گئے۔ انگریزوں کے حکم اور شریف حسین کی غداری سے مالٹا میں چار

سال تک قید رکھے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں وصال ہو گیا..... اپنی نظر، اپنے علم اور اپنے ایمان سے،

اپنے شاگردوں میں انگریز دشمنی کا ایسا بیج بو گئے، کہ علمائے حق کا نوشتہ تقدیر ہو گیا۔

تلامذہ حضرت شیخ الہند

مولانا انور شاہ مولانا حسین احمد دینی مولانا عبد اللہ سندھی مولانا منصور ہندوی مفتی کفایت اللہ مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا محمد علی لاہوری
غلام اقبال کے دینی (چھ سال) (۲۲ سال جلاوطنی) (۲۲ سال جلاوطنی) (۲۱ سال) (مظہر آں۔ پاکستان میں فتح و صوم) (۲۵ سال قید و محبس)
مشورہ میں آئے و اسلاء

مجاہدہ حریت کی شاخیں

مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی مولانا حسرت موہانی مولانا ابوالکلام آزاد مولانا ظفر علی خاں
(۸ سال قید) (۸ سال قید) (۲ سال قید) (۱۰ سال قید) (۱۰ سال قید)

مجلس احرار

مولانا حبیب الرحمن چوہدری افضل حق مولانا مظہر علی اعظم ماسز تاج الدین انصاری مولانا محمد کاشمیر شہید مولانا غلام نموت ہزاروی
لدھیانوی ۱۲ سال ۸ سال ۸ سال ۶ سال ۲ سال قید۔ شہادت چھ سال

داؤد غزنوی شیخ حسام الدین مولانا قاضی احسان احمد محمد علی جالندھری سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرتبہ۔ شورش کاشمیری
چھ سال ۸ سال چھ سال چار سال ۱۵ سال ۲ ماہ ۱۵ سال چار ماہ

مقام فیض کوئی راہ میں چچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے لکے تو سوئے دار چلے

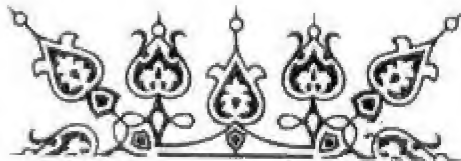
بہشت روزہ چٹان سا نامہ ۱۹۹۲ء ۱۳۱۲

www.ahlehaq.org

باب ششم

امیر شریعتؒ پر ہونے والا

تحریری کام



www.ahlehaq.org

امیر شریعتؒ پر ہونے والا تحریری کام

پروفیسر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں۔

بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انسان کے کمالات و صفات کو ضبط تحریر میں لائے تو پڑھنے والا انہیں نہ صرف اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے بلکہ ان افکار سے خاطر خواہ استفادہ بھی کر سکتا ہے اس کے برعکس بعض شخصیتوں کے کمالات اور ان کی صفات اس قدر محیر العقول ہوتے ہیں کہ اول تو انہیں ضبط تحریر میں لانا ہی مشکل ہوتا ہے اور اگر لکھ بھی دیا جائے تو تحریر سے اس بات کا صحیح مفہوم ادا کرنا جو کہ کہنے کے وقت درپیش تھا مشکل ہوتا ہے اس طرح اکثر اوقات ایسی عظیم ہستیوں کے کمالات اور ان کی صفات کا تذکرہ تشنہ رہ جاتا ہے۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ مؤخر الذکر ہستیوں میں سے تھے کہ اول تو ان کے افکار کو احاطہ تحریر میں لانا ہی مشکل تھا اور اگر کسی نے اس امر کی کوشش کی بھی کی تو وہ تحریریں اپنا صحیح مفہوم ادا نہ کر سکیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام

شاہ جی کی زندگی میں ان پر تحقیقی کام نہ ہو سکنے کی ایک وجہ خود شاہ صاحب بھی تھے کہ وہ تحریر کے تحت مخالف تھے تحریر کے بارے میں ان کا نظریہ تھا کہ ”انسانی معاشرے میں تمام فتنے تحریر سے پھیلتے ہیں۔ جب سے حافظ کی جگہ تحریر نے لے لی ہے نہ صرف انسان کو عقلی

اعتبار سے ضعف پہنچا ہے بلکہ ہر کہیں عجیب الخلقیت تنازعوں کی ہوا پھیل گئی ہے۔“
ایک لحاظ سے ان کا یہ نظریہ عقل کو اپیل بھی کرتا ہے کیونکہ جن حادثات سے شاہ جی کو
واسطہ رہا ان کا لازمی نتیجہ یہی افکار ہو سکتے تھے آخری عمر میں جب ان سے کہا جاتا کہ شاہ جی اپنی
سوانح عمری لکھئے تو جواب ملتا کس لئے؟

سوال کرنے والا: ہمارے لئے
شاہ جی: آخرت میں بتیس برس تم لوگوں میں رہا ہوں اس سے تم نے کیا حاصل کیا کہ
اب چند اوراق کی کہانی سے حاصل کر لو گے؟
سوال کرنے والا: اچھا اپنے لئے لکھئے۔

شاہ جی: میں لکھی لکھائی کہانی ہوں ہر روز اپنے آپ کو پڑھ لیتا ہوں۔
سوال کرنے والا: شاہ جی اس طرح ایک تاریخ محفوظ ہو جائے گی۔
شاہ جی: پھر وہی بات؟ تاریخ کیا؟ اور کس لئے؟
پہلے ہی لوگوں نے تاریخ کے کس حصہ سے سبق حاصل کیا کہ اب اپنی زندگی لکھنے
بیٹھوں؟

سوال کرنے والا: شاہ جی ”زبان“ کا نہیں ”قلم کا زمانہ ہے۔“
شاہ جی: ٹھیک ہے بھائی لیکن لکھوں کیا؟
سوال: ”کچھ تو کہئے کہ زمانہ گوش بر آواز ہے۔“

شاہ جی: ہائے ذوق ساری سوانح عمری تو اس شعر میں کہہ گیا ہے:-
لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے
زندگی میں محض سوانح ہی نہیں ہوتے کچھ اور چیزیں بھی ہوتی ہیں؟ بعض گفتنی،
بعض ناگفتنی، ناگفتنی میں کام کی کوئی چیز نہیں اور گفتنی میں خطرات ہی خطرات ہیں؟
حاصل عمرم سے سخن بیش نیست

خام بودم، پختہ شدم، سو ختم
انہی وجوہات کی بناء پر انہوں نے تمام عمر نہ کچھ لکھانہ لکھنے کو پسند کیا۔ بعض حضرات
نے ان کی زندگی میں ان پر چند کتابیں لکھیں لیکن ان کتب کی حیثیت محض بے ترتیب شدہ یاد
داشتوں کی سی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شاہ جی کی مکمل سوانح عمری نہیں ہے۔
1 ﴿ شاہ جی پر سب سے پہلے جس نے نظم میں قلم اٹھایا وہ ظفر الملت والدین مولانا
”ظفر علی خاں“ تھے ان کی مشہور نظم ع

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمرے
اکتوبر 1928ء میں کہی گئی تھی اور یہ سب سے روزنامہ ”زمیندار“ کی اشاعت مورخہ
21 اکتوبر 1928ء میں عندلیب چمنستان پنجاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام چھپی۔
اس کے بعد مولانا ظفر علی خاں کا مجموعہ کلام ”بہارستان“ 1933ء میں شائع ہوا تو
اس میں یہ نظم ص 55 شائع ہوئی تھی بعد میں ”بہارستان“ کے ناشرین نے ان بوجھی مصلحتوں
کے تحت یہ نظم اس سے خارج کر دی حالانکہ ”بہارستان“ کا مذکورہ بالا نسخہ جو کہ خود مولانا ظفر علی
خاں نے مرتب کیا تھا اس میں یہ نظم شامل کی مولانا ظفر علی خاں نے شاہ جی پر اور بہت سی
نظمیں کہیں جو کہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات شائع ہوتی رہیں۔

2 ﴿ شاہ جی پر نثر میں سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا وہ خاں حبیب الرحمن خاں غازی
کابلی (خاں کابلی) ہیں انہوں نے یکے بعد دیگرے شاہ جی پر دو کتابیں لکھیں جن میں پہلی
کتاب ”بخاری کیس“ ہے۔

سر سکندر حیات نے شاہ جی پر جو مقدمہ بنایا تھا اس مشہور مقدمہ کی کاروائیاں اس
وقت کے اخبارات میں مسلسل شائع ہوتی رہی تھیں اور یہ مقدمہ تاریخی حیثیت اس وقت اختیار
کر گیا تھا، جب کہ مقدمہ ہذا کا سرکاری رپورٹر لدھارام اپنی لکھی ہوئی رپورٹوں سے منحرف
ہو گیا تھا اس مقدمہ سے ہندوستان بھر میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔ خان کابلی نے اس تاریخی
مقدمہ کی تمام کاروائی بیانات وغیرہ کو ایک خوبصورت ترتیب دے کر مارچ 1940ء میں

”بخاری کیس“ کے نام سے شائع کیا اس سے قبل چوہدری افضل حق کی طرف سے بھی شاہ صاحب کے مقدمہ کا فیصلہ ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔ 112 صفحات کی یہ دیدہ زیب کتاب ”ادارہ بکڈ پومصری شاہ لاہور“ نے شائع کی تھی اور اس کے سرورق پر احرار کا سرخ پرچم اور اس کے ساتھ لدھارام کی تصویر تھی جس کے نیچے ”چیف گواہ بخاری کیس“ لکھا ہوا تھا جب کہ سرورق کے اندرونی صفحہ پر یہ عبارت تحریر تھی۔

”حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقدمہ ہائی کورٹ میں ”مقدمہ بخاری“

”مسٹر لدھارام سرکاری رپورٹر اور دیگر گواہان استغاثہ کے دلچسپ بیانات“

خان کابلی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ مارچ 1940ء میں شائع ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد مختلف اصحاب نے اپنی اپنی ”مقدمات امیر شریعت“ میں اس کو یکمال و تمام نقل کر لیا اس طرح اس کے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہ آئی اسی کتاب کی پشت پر خاں موصوف کی طرف سے شاہ جی کی سوانح عمری کے متعلق ایک اشتہار شائع کیا تھا کہ ”بخاری کی داستان حیات“ غمگین شائع ہونے والی ہے۔

3 خان کابلی کی دوسری کتاب ”سوانح حیات سید عطاء اللہ شاہ بخاری“ تھی۔ شاہ صاحب پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب تھی جو کہ جون ۱۹۴۰ء میں ”ہندوستانی کتب خانہ لاہور“ نے شائع کی تھی اس کتاب کی تقریظ غازی حسین بخش ڈکٹیٹر مجلس احرار نے جو کہ اس وقت سنٹرل جیل لاہور میں مقید تھے لکھی تھی اور اس کا مقدمہ ممتاز صحافی جناب ملک نصر اللہ خاں عزیز نے تحریر فرمایا تھا اور ابتداء میں شاہ صاحب کی ایک خوبصورت نایاب تصویر بھی شامل تھی اس کتاب کے ساتھ ساتھ اس تصویر کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔

یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل تھی جن میں پہلا باب ”سوانحی حالات“ دوسرا ”عادات و خصائل“ اور تیسرا ”ملفوظات“ پر مشتمل تھا اور آخر میں ممتاز شعراء جن میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، شورش کاشمیری، دود علی خاں، انعام اللہ خاں ناصر کا خراج عقیدت بھی شامل تھا۔ اس کتاب کا طرز عمل نہایت دلچسپ اور پرکشش تھا اور ہر بات کے حوالے اور شاہ جی کی تقاریر

کے اقتباسات نے کتاب کی افادیت کو دو بالا کیا ہوا تھا۔

﴿4﴾ قیام پاکستان کے بعد شاہ صاحبؒ کے فرزند اکبر مولانا حافظ سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ سید ابوذر معاویہ ابوذر بخاریؒ نے شاہ جیؒ کے اس وقت (سن اشاعت) تک کے تمام شعری تبرکات کا مجموعہ ”سواطع الالہام“ کے نام سے ترتیب دیا 152 صفحات کی اس خوبصورت کتاب کی ابتداء میں مرتب رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل ”تعارف“ تحریر کیا تھا جو کہ بجائے خود ایک سوانح عمری ہے اس کتاب کا مقدمہ علامہ طالوتؒ نے تحریر فرمایا تھا جس میں شاہ صاحبؒ کے ذوق شعر گوئی پر مفصل روشنی ڈالی گئی تھی۔¹

اس کتاب میں ہر شعر کے ساتھ اس کا شانِ ورود خود شاہ صاحبؒ سے دریافت کر کے لکھا گیا تھا جس سے کتاب کی افادیت دوچند ہو گئی تھی۔

یہ کتاب 1955ء میں ”مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی“ ملتان کے زیر اہتمام پہلی اور اب تک آخری مرتبہ شائع ہوئی۔ مولانا ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ نے بارہا اعلانات کئے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے مگر یہ خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔

﴿5﴾ تیسری اور آخری کتاب جو شاہ صاحبؒ کی زندگی میں ان پر لکھی گئی وہ شورش کاشمیریؒ کی ”سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ“ ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ 1956ء میں شائع ہوئی اس کی ابتداء میں شاہ صاحبؒ کی ایک خوبصورت تصویر بھی شامل تھی ابتداء میں کچھ خاندانی حالات بیان کرنے کے بعد باقی کتاب شورش کاشمیریؒ کے شاہ صاحبؒ سے تعلقات اور ان کے ملفوظات پر مشتمل تھی۔ 200 صفحات کی یہ کتاب ”مکتبہ چٹان“ سے شائع کی تھی۔ اس کتاب کا ظاہری حسن بھی قابلِ دید تھا۔

شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد یہ کتاب ایک عرصہ تک نایاب رہی بعد میں شورش کاشمیریؒ نے 1973ء میں قدرے اصلاح و اضافہ کے بعد دوبارہ شائع کیا۔ اب کتاب پہلے بھی بہت بہتر ہے اور اپنی مقبولیت کی بناء پر اب تک کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

یہ کتاب چونکہ ”منیر انکوائری کمیشن“ کی نا انصافیوں سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔ اس

1. علامہ طالوتؒ کے مقدمہ کو کتاب ہذا کا حصہ ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

لئے اس میں کسی حد تک اس رپورٹ کا بھی تجزیہ اور تردید موجود ہے علاوہ ازیں مرزائیت پر بھی دو گراں قدر ابواب شامل ہیں۔

﴿6﴾ 21 اگست 1961ء کو شاہ جیؒ اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ شاہ جیؒ پر لکھنے کا دور یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ شاہ جیؒ کی وفات کے بعد 1963ء میں ایک کتاب منصفہ شہود پر آئی۔ یہ جانباز مرزا کی ”مقدمات امیر شریعت“ تھی۔ 200 صفحات کی یہ کتاب دراصل ایک ہی مقدمہ پر مشتمل تھی جس کا فیصلہ جسٹس یگ نے کیا تھا اور یہ وہی پرانا فیصلہ تھا جو قبل ازیں بھی دو مرتبہ شائع ہو چکا تھا جانباز صاحب نے اس کا نام ”مقدمات“ تجویز کیا حالانکہ یہ مقدمہ تھا۔ 1963ء میں مکتبہ تبصرہ لاہور کے زیر اہتمام شائع ہونے والی یہ کتاب دوبارہ کبھی شائع نہ ہوئی۔

﴿7﴾ اس کتاب کے کچھ عرصہ بعد حکیم مختار احمد الحسینی نے ”فرمودات امیر شریعت“ کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جس میں شاہ صاحبؒ کے مشہور و معروف اقوال و واقعات درج تھے ”فرمودات امیر شریعت“ 124 صفحات کی مختصر کتاب تھی جس میں فرمودات کے علاوہ ابتداء میں شریف اشرف کی ایک نظم اور قاری محمد طیب مدظلہ کا مضمون بھی شامل تھا۔ اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت تحریر تھی:-

”فرمودات امیر شریعت“ حصہ اول“ نیز ابتداءً میں کہا گیا تھا کہ اگر قارئین نے حوصلہ افزائی کی تو بہت جلد دوسرا حصہ پیش کر دیا جائے گا مگر یہ کتاب پہلی مرتبہ (اور اب تک آخری) مکتبہ تعمیر حیات چوک رنگ محل لاہور نے شائع کی اور آج تک نہ ہی یہ دوبارہ چھپی اور نہ ہی اس کا دوسرا حصہ شائع ہوا۔

﴿8﴾ شاہ جیؒ کی وفات پر ملک بھر کے اخبارات و رسائل نے بہت کچھ لکھا بہت سے رسائل و اخبارات نے خاص نمبر شائع کئے۔ (جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔)

محترم نذیر مجیدی نے ان تمام مضامین، نظموں اور مرثیوں وغیرہ کو ایک خوبصورت ترتیب دے کر ”شاہ جیؒ“ کے نام سے ایک ضخیم کتاب ترتیب دی جسے 1965ء میں مکتبہ جدید لائل پور (فیصل آباد) نے شائع کیا۔ شاہ صاحبؒ پر اب تک جس قدر کتب شائع ہو چکی تھیں

مذکورہ بالا کتاب ان میں سب سے زیادہ ضخیم تھی 492 صفحات کی اس خوبصورت کتاب میں شاہ صاحب کے پرانے رفقاء کار، جماعتی ساتھی، دوست، احباب، متوسلین، فدائین، الغرض ہر گوشہ زندگی کے افراد کے 37 طویل و قلیل مضامین اور ممتاز شعراء کی 48 نظمیں اور ”قطعات تاریخ وفات“ شامل تھے۔

9 اس کتاب کے کچھ عرصہ بعد جناب رحیم بخش سیال نے ”یادگار بخاری“ کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی مرتب نے خلوص اور عقیدت کے ساتھ شاہ جی کے سوانح اور ملفوظات کو جمع کیا اور 116 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ”مکتبہ رحیمیہ ملتان“ نے شائع کی تھی اس میں پہلا باب مرتب کے قلم سے شاہ جی کی سوانح حیات اور دوسرا ملفوظات پر مشتمل تھا اور تیسرے حصہ میں مقدمہ قادیان کی روایات مع فیصلہ جسٹس جی ڈی کھوسلہ شامل تھی اور سب سے آخر میں ”عقیدت کے پھول“ کے عنوان سے (اکابرین ملت) کے یادگاری مضامین شامل تھے منظوم خراج عقیدت میں کئی ایک شعراء کی نظمیں شامل تھیں علاوہ ازیں شاہ جی کا اکلوتا مضمون ”میرا عقیدہ“ اور ان کی تین تقاریر جو 1927ء میں لاہور، 1952ء میں کراچی اور 1952ء میں پشاور میں کی گئی تھیں اس کتاب میں جن عنوانات پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں عصمت انبیاء عظمت صحابہ، توحید و شرک، مسئلہ ختم نبوت، تقلید ائمہ اربعہ وغیرہ۔ مرتب نے ابتدائی میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا کہ ”میرا خیال تھا کہ اس موضوع پر اور لوگ قلم اٹھائیں گے مگر کسی نے توجہ نہ دی تو میں نے ہی اس موضوع کو اٹھالیا تا کہ شاہ جی کی ایک ”یادگار“ قائم ہو جائے۔ افسوس کہ یہ کتاب بھی دوبارہ شائع نہ ہو سکی۔

اس کتاب کے بعد کراچی کے جناب اعجاز احمد خاں سنگھانوی نے ”شاہ جی کے علمی و تقریری جواہر پارے“ لکھی 152 صفحات کی یہ خوبصورت کتاب ادارہ اشاعت اسلام کورنگی کالونی کراچی نے شائع کی تھی اور اس کا مقدمہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی نے تحریر فرمایا تھا اس کتاب کے چار حصے تھے جن میں سے ہر ایک کو نہایت خوبصورت انداز سے تحریر کیا گیا تھا۔ ابتداء میں عام رواج کے مطابق شاہ جی کی سوانح حیات اور اس کے بعد ”علمی جواہر پارے“ اور

تیسرا حصہ تقریری جواہر پاروں پر مشتمل تھا کہ چوتھے حصہ میں ”حکایات“ اور آخر میں ”نمونہ کلام شاہ جی“ شامل تھے۔ نمونہ کلام میں تمام منظومات ”سواطع الالہام“ سے لی گئی تھیں۔ ہر باب میں مختلف مضامین سے عنوانات کے مطابق خوبصورت انداز میں ملفوظات تحریر کئے گئے تھے اور ہر باب کے شروع میں زعمائے ملت کی آراء گرامی درج تھیں۔

10 ﴿ 1966ء ہی میں شاہ جی پر ایک اور کتاب منصہ شہود پر آئی۔ یہ مولانا سید عبدالمجید ندیم مدظلہ کی ”باتیں ان کی ہی یاد رہیں گی“ تھی اس کتاب میں بھی شاہ جی کے مقبول عام فرمودات شامل ہیں۔ البتہ آخر میں ایک نیا موضوع ”خیال یار“ کے عنوان سے شامل ہے اس باب میں شاہ جی کے طنز و مزاح کے واقعات شامل ہیں جو کہ ایک نئی اور خوبصورت چیز ہے یہ کتاب سب سے پہلے ”مکتبہ الباسط ملتان“ سے 1966ء میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں یہ جلد ختم ہو گئی اور ایک عرصہ نایاب رہے۔

11 ﴿ بعد میں 1976ء میں سرگودھا کے جناب حیدر حسین واسطی کے توسط سے دوبارہ شائع ہوئی اب اس کا نام ”باتیں ان کی یاد رہیں گی“ کے بجائے ”نوائے درویش“ رکھ دیا گیا تھا۔ 124 صفحات کی اس کتاب کی ابتداء میں مولانا ندیم نے شاہ جی کا سوانحی خاکہ بھی قلم بند فرمایا ہے نیز یہ کتاب ”شاہ جی کی خطابتی زندگی کی ایک اجمالی جھلک“ ہے اس میں صرف منتخب تقاریر سے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

12 ﴿ ان کتب کے ایک طویل عرصہ بعد 1969ء میں شاہ جی پر سب سے زیادہ مشہور کتاب ”حیات امیر شریعت“ شائع ہوئی۔ ضخیم کتاب جناب جانباز مرزا نے تحریر کی ہے۔ ”حیات امیر شریعت“ ان معدودے چند کتابوں میں سے ہے جو آج بھی دستیاب ہیں۔ 480 صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مکتبہ تبصرہ لاہور نے شائع کیا۔ اس کے ابتداء میں شاہ جی کی تین تصاویر کے بعد ان کی آخری آرام گاہ کی تصویر بھی شامل ہے اس کتاب میں مؤلف نے خاصا مواد فراہم کیا ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری پر ”شاہ جی“ کے بعد یہ سب سے زیادہ ضخیم کتاب ہے۔

13 • ”حیات امیر شریعت“ کے بعد اپریل 1969ء میں ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاریؒ نے ”مقدمات امیر شریعت“ شائع کی اس میں شاہ صاحبؒ پر بنائے گئے ان مقدمات کا مفصل تذکرہ تھا جو قیام پاکستان سے قبل غیر ملکی حکومت نے ان پر قائم کئے مندرجہ بالا کتاب اس وقت کی عدالتی کاروائیوں کے ریکارڈ، اخبارات اور مختلف کتابچوں کی مدد سے ترتیب دی گئی تھی جس میں وہ تمام کتابچے بہ ترتیب شامل کر دیئے گئے تھے جو مخالفین یا معاونین کی طرف سے شائع ہوئے۔

اس کتاب کے صفحہ اول پر یہ عبارت درج تھی:-

”جز واول از سوانح حیات و سیرت امیر شریعت“

اور ساتھ ہی ایک مفصل ابتدائیہ میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ جلد ہی اس کتاب کا دوسرا حصہ بقیہ مقدمات پر مشتمل شائع کر دیا جائے گا اور شاہ جیؒ کی زندگی پر مزید کتب شائع کی جائیں گی مگر یہ کتاب جو اپریل 1969ء میں پہلی اور اب تک آخری مرتبہ شائع ہوئی نہ ہی اس کا دوسرا حصہ شروع ہوا اور نہ ہی مزید کوئی پیش رفت ہوئی۔

258 صفحات کی یہ کتاب نہایت خوبصورت انداز میں مکتبہ احرار اسلام ملتان نے

شائع کی تھی۔

14 • اس کے بعد اگست 1973ء میں ایک مختصر کتاب ”سید الاحرار“ شائع ہوئی جس کے

مرتبین میں حاجی عبداللطیف خالد چیمہ اور محمد عباس نجمی ایڈوکیٹ شامل ہیں۔ یہ کتاب دراصل بعض مضامین، تقاریر اور منظومات پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے شاہ صاحبؒ کو خراج عقیدت ادا کرنے کے لئے لکھے۔ 64 صفحات کی یہ مختصر کتاب پہلی مرتبہ تحریک طلبہ اسلام چیچہ وطنی نے شائع کی تھی اس میں مختلف حضرات کے مضامین اور مولانا عبید اللہ انور کی ایک تقریر شامل تھی۔ علاوہ ازیں شورش کاشمیری، حبیب جالب اور سید امین گیلانی کی نظمیں بھی شامل تھیں۔

15 • اس کے بعد جون 1947ء میں ”نوادرات امیر شریعت“ کے نام سے ایک اور

کتاب شائع ہوئی جس کے مرتب مولانا سید منظور احمد شاہ حجازی تھے۔ 126 صفحات کی یہ

کتاب جو کہ ”مکتبہ نشریات اہل سنت مفتاح العلوم کھروڑ پکا ملتان“ نے شائع کی ایک خوبصورت کتاب ہے اس کتاب میں شاہ جی کی بعض اہم تقاریر و تحاریر شامل ہیں۔ تقاریر میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، انجمن حمایت اسلام کے جلسہ چوک فرید امرتسر میں کی گئی تقاریر، اردو پارک دہلی کا آخری خطاب اور ملتان کے ابن قاسم باغ کی تقریر شامل ہے۔ یہ ایک مختصر لیکن جامع اور خوبصورت کتاب ہے جو احسن طریقہ سے ترتیب دی گئی ہے۔

16 علاوہ ازیں شاہ صاحبؒ پر سیالکوٹ کے جناب نعیم آسی کی ”مکاتیب امیر شریعت“ ہے یہ کتاب (مارچ 1981ء) میں مسلم اکادمی سیالکوٹ کے تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ 144 صفحات کی اس مختصر کتاب میں شاہ صاحب کے آٹھ خطوط، چار آٹو گراف اور دوسری تحریریں شامل ہیں۔ اپنے موضوع کی وسعت کے لحاظ سے یہ کتاب ابھی تشنہ تکمیل اور مزید محنت طلب کرتی ہے بہت سی ایسی چیزیں (خطوط وغیرہ) ہیں جو کبھی شائع ہو چکے ہیں اور وہ بھی اس کتاب میں شامل نہیں ہیں ایسے مقامات جہاں پر اس موضوع سے متعلق مواد موجود تھا اور مرتب نے کتاب ہذا میں شامل نہیں کیا۔ راقم نے اس کتاب پر اپنے تبصرہ میں جو کہ ہفت روزہ چٹان لاہور کی اشاعت مورخہ 4 اکتوبر 1982ء شائع ہوا تھا کی نشاندہی کر دی تھی۔

(جناب نعیم آسی کی مکاتیب امیر شریعت کتاب ہذا میں شامل ہے)

بہر حال نعیم آسی نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر اچھا کیا۔ ان سے پیشتر کسی نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا۔

17 اپریل 1984ء مجلس احرار کے ترجمان روزنامہ آزاد کے سابق ایڈیٹر شاہ صاحبؒ کے ایک رفیق کار اور ادارہ صوت الاسلام فیصل آباد کے ناظم اعلیٰ مولانا مجاہد احسینی کی مرتب کردہ کتاب ”خطبات امیر شریعت“ شائع ہوئی 256 صفحات کی اس کتاب کے آغاز میں شاہ صاحبؒ کی 1953ء کی قید کے کچھ واقعات اور صفحہ ۷۳ تک شاہ صاحبؒ کے ملفوظات ہیں جب کہ صفحہ 75 سے اعتراف عظمت کا باب شروع ہوتا ہے جس میں شاہ صاحبؒ کے بارے میں مختلف علمی و ادبی شخصیات کے مضامین اور تاثرات شامل ہیں اس کے بعد مزید کچھ واقعات

ہیں اور پھر صفحہ 121 سے شاہ صاحب کی تقاریر کا باب ”خطیب اعظم کا سحر خطابت“ شروع ہوتا ہے جس میں چھوٹی بڑی شاہ صاحب کی کل نو تقاریر شامل ہیں۔

مولانا مجاہد الحسنی صاحب نے خوبصورت جلد عمدہ کاغذ اور بہترین کتابت کی حامل اس کتاب کو خطبات امیر شریعت کا حصہ اول قرار دیا ہے۔

18 ﴿ اس سے پہلے جانباز مرزا صاحب نے بھی خطبات امیر شریعت کے عنوان سے شاہ صاحب کی کچھ تقاریر کی اخباری رپونٹنگز پر مشتمل ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ اس کا پیش لفظ مرحوم اشرف عطاء نے تحریر کیا تھا۔ یہ کتاب مکتبہ تبصرہ کے اہتمام سے چھپی تھی۔ 152 صفحات پر مشتمل یہ کتاب جو سن طباعت کے اندراج سے محروم ہے۔ دو مرتبہ شائع ہوئی۔

پروفیسر زاہد منیر عامر نے ”سید عطاء اللہ شاہ بخاری“ اور پاکستان کے نام سے 229 صفحات پر مشتمل خوبصورت کتاب تحریری فرمائی۔ جسے مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا تاج محمود نے نہ صرف پسند کیا بلکہ اسے اپنی نگرانی میں شائع کرایا۔ اور دوسرا ایڈیشن مولانا محمد اکرم طوفانی نے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا۔ جو تقریباً نایاب ہے۔

ان کتب سے قطع نظر مختلف اوقات میں شاہ جی کی تقاریر وغیرہ کے بعض پمفلٹ شائع ہوتے رہے ہیں جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:-

1 ﴿ Bukhari, s Judgment (بخاری کا فیصلہ) یہ شاہ جی کے ایک مقدمہ کا فیصلہ تھا جو مولانا عبدالکریم مہبلہ نے مہبلہ بک ڈپو قادیان کے زیر اہتمام شائع کیا۔

2 ﴿ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ کا تاریخی فیصلہ: یہ بھی شاہ جی کے مقدمہ کا فیصلہ تھا جو چوہدری افضل حق نے شائع کیا۔

3 ﴿ نوادرات امیر شریعت: یہ شاہ جی کی ایک تقریر تھی جو سید عبدالغفار خالد نے شائع کی۔

4 ﴿ ختم نبوت، اُمت محمدیہ، مرزائیت اور پاکستان: یہ بھی شاہ جی کی ایک تقریر ہی تھی جو مولانا حافظ سید عطاء المنعم ابو معاویہ ابو ذر بخاری نے شائع کی۔

(ان کے علاوہ مختلف اوقات میں مختلف اصحاب اور بالخصوص مولانا سید ابو معاویہ

ابو ذریٰ بخاری کی طرف سے شاہ جی کی تقاریر کے کتابچے شائع ہوتے رہے ہیں۔ (کسی بڑے انسان کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے جو کہ اس جہاں سے رخصت ہو چکا ہو ان اخبارات اور رسائل کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے جو اس کی رحلت پر شائع ہوتے ہیں ان سے اس شخص کے بارے میں ملک و ملت کے احساسات و جذبات کا صحیح اور بروقت اندازہ ہوتا ہے تو آئیے ایک جھلک ادھر بھی۔

1۔ شاہ صاحب کی زندگی میں اخبارات کے نمبروں کا معاملہ کچھ ایسے ہے کہ روزنامہ ”آزاد“ جو کہ مجلس احرار کا ترجمان تھا اس کا جو بھی خاص نمبر شائع ہوتا اس میں شاہ صاحب کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی مگر ان کی حیات میں خاص شاہ صاحب سے منسوب کر کے کوئی نمبر نہ نکالا گیا ہاں البتہ شاہ صاحب کی زندگی میں روزنامہ ”کوہستان“ نے ایک مرتبہ شاہ صاحب پر خاص اشاعت کا اہتمام کیا تھا یہ اخبار 10 ستمبر 1960ء کو شائع ہوا تھا جس میں صفحہ اول پر شاہ صاحب کی دو تصاویر اور ایک شاہ صاحب کی قیام گاہ 232 کوٹ تغلق شاہ ملتان کی تصویر شامل تھی۔ اور جناب ایثار رانی کا مضمون بھی شامل اشاعت تھا جس کا عنوان خطیب اعظم تھا۔ ہفت روزہ رسائل میں ”چٹان“ لاہور گا ہے گا ہے سرورق پر شاہ صاحب کی تصاویر اندر کوئی نظم وغیرہ شائع کرتا رہتا تھا۔

2۔ مگر شاہ صاحب کی زندگی میں پہلا باقاعدہ ”بخاری نمبر“ دینے کا شرف ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور کو حاصل ہے۔ یہ نمبر جون 1961ء میں نکلا۔ بڑے سائز کے 94 صفحات پر مشتمل اس خاص نمبر کی خاص بات ”بخاری کے خطوط“ تھے جس میں شاہ صاحب کے قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری اور قادیان کانفرنس کے بارے میں خطوط شامل تھے اور اس میں شاہ صاحب کی ایک 1930ء کی نادر و نایاب تصویر بھی شامل تھی۔

3۔ 21 اگست 1961ء کو شاہ صاحب کی وفات پر ملک کے تمام اخبارات و رسائل نے خاص اشاعتیں دیں مگر ان میں سب سے پہلے شاہ صاحب کے نام سے منسوب کر کے نمبر دینے کا شرف ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ لاہور کو حاصل ہوا۔ ترجمان اسلام کو جاری ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور اس کے ایڈیٹر مولانا غلام غوث ہزاروی تھے۔ اس کے جس شمارے

میں شاہ صاحب کی وفات کی خبر آئی اس کے ساتھ ہی چوکھٹے میں ”بخاری نمبر“ دینے کا اعلان کیا گیا تھا! یہ نمبر اگرچہ بہت مختصر یعنی صرف 16 صفحات (بڑے سائز کے) پر مشتمل تھا مگر اس کی خاص بات یہ تھی کہ یہ ترجمان اسلام کی زندگی کا پہلا نمبر تھا اس میں مولانا غلام غوث ہزاروی، ڈاکٹر احمد حسین کمال کے مضامین اور ایک طویل رپورٹ ”عالمگیر ماتم“ شامل تھے اور سرورق پر مولانا حافظ محمد یوسف ہری پور کی طویل نظم ”بخاری کے فراق میں“ شامل تھی۔ یہ نمبر شاہ صاحب کی وفات کے صرف اٹھارہ دن بعد یعنی 8 ستمبر 1961ء کو شائع ہوا۔ اس میں جناب سالک ربانی کی نظم بھی شامل تھی۔

4۔ اس طرح 1961ء کو روزنامہ ”کوہستان“ نے ”امیر شریعت نمبر“ دیا۔ یہ بڑے سائز کے، صفحات پر مشتمل تھا۔ (کئی ایک حضرات) کے مضامین شامل تھے اور ”قیصر مصطفیٰ قیصر“ کی نظم اور آخر میں شاہ صاحب کے ساتھیوں کی تصاویر بھی شامل تھیں۔

5۔ اس کے بعد شاہ صاحب پر سب سے زیادہ بہترین اور ضخیم نمبر روزنامہ ”امروز“ لاہور نے دیا۔ 15 اکتوبر 1961ء کو شائع ہوا۔

علاوہ ازیں شاہ صاحب کی قیمتی اور نایاب تصاویر بھی اس میں شامل تھیں۔

6۔ اخبارات و رسائل میں سب سے عظیم ضخیم رنگین بخاری نمبر دینے کا شرف ہفت روزہ ”چٹان“ کو حاصل ہے۔ چٹان کا یہ نمبر 15 جنوری 1962ء کو نکلا۔ اس زمانے میں چٹان اپنا سالنامہ بڑی باقاعدگی سے شائع کرتا تھا یہ شمارہ دراصل چٹان کا 1962ء کا سالنامہ تھا مگر ایڈیٹر کے قول کے مطابق یہ سالنامہ اب شاہ جی کی یاد سے منسوب ہو گیا تھا۔ یہ نمبر چٹان کے پرانے سائز کے 106 صفحات پر مشتمل تھا جس میں شاہ صاحب کی تین نایاب تصویریں اور صفحہ اول پر شاہ صاحب کے مرشد اول حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی رنگین تصویر بھی شامل تھی۔ اس نمبر کی سب سے اہم بات شورش کاشمیری کا مرتب کردہ ”شاہ جی کا نسب نامہ حریت“ تھی جو اس نمبر کے ابتدائی صفحات میں شائع ہوا تھا۔¹

اور اس میں شاہ صاحب پر چلائے جانے والے سرسکندر حیات کے مقدمہ کی مکمل

1۔ کتاب ہذا میں شامل ہے۔

کا روائی جو کہ کئی صفحات پر مشتمل تھی بھی شامل تھی۔

8 ہفت روزہ رسائل میں ”چٹان“ کے علاوہ جس رسالہ نے یادگار ”امیر شریعت“ نمبر شائع کیا وہ لاہور کا ہفت روزہ ”پیام اسلام“ تھا جو اس وقت ”طالب حق“ کی زیر ادارت شائع ہوا کرتا تھا اس نمبر کا انداز ترتیب اور حسن نگارش ہر لحاظ سے قابل تعریف تھا۔ 130 صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت ضخیم نمبر 24 نومبر 1961ء کو شائع ہوا۔

درحقیقت شاہ جی پر شائع ہونے والے نمبروں میں ”پیام اسلام“ کا مذکورہ نمبر ایک تاریخی دستاویز کی سی اہمیت کا حامل ہے۔

9 احرار کے ترجمان روزنامہ ”آزاد“ لاہور نے بھی 30 اگست 1962ء کو ایک ”امیر شریعت نمبر“ دیا۔ اس وقت شیخ حسام الدین کے صاحبزادے شیخ ریاض الدین ”آزاد“ کے ایڈیٹر تھے۔ مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات کے یادگار مضامین شامل تھے، علاوہ ازیں کئی ایک نامی گرامی شعراء کا شاہ جی کو خراج عقیدت بھی شامل تھا۔

اس کا سرورق شاہ جی کی مشہور رنگین تصویر سے مزین تھا اور پس ورق اور اندرونی سرورق پردی گئی تصاویر کا معیار ناقص تھا۔ پس ورق کی تصاویر روزنامہ ”کوہستان“ لاہور کے امیر شریعت نمبر سے لی گئی تھیں اور اندرونی سرورق کی تصاویر چٹان کے شاہ جی نمبر سے لی گئی تھیں۔ یہ تو تھے وہ نمبر جو شاہ جی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد شائع ہوئے۔ خاص نمبروں کے علاوہ بھی اس غم ناک واقعہ پر ملک کے ہر اخبار رسالہ نے مختلف پہلوؤں سے اظہار غم کیا تھا۔ اس کے بعد ہر سال شاہ جی کے یوم وصال پر ملک کے اخبارات و رسائل خالص شاعری شائع کرنے ہیں۔ بالخصوص روزنامہ ”امروز“، روزنامہ ”مشرق“، روزنامہ ”کوہستان“ اس میدان میں پیش پیش تھے، ”کوہستان“ جب تک زندہ رہا اس روایت کو نبھاتا رہا جب وہ اپنی عمر پوری کر چکا تو یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ جب کہ ”مشرق“ نے ایک طویل عرصہ تک نمبر دینے کا سلسلہ جاری رکھا لیکن اب گذشتہ چند برسوں سے وہ اس سلسلہ میں خاموش ہے۔ ہفت روزہ رسائل میں ”چٹان“ ”لولاک“ اور ماہنامہ ”تبصرہ“ ہمیشہ سے اس روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

10 ﴿ 16۔ جولائی 1972ء کو مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاریؒ کی زیر ادارت شائع ہونے والے پندرہ روزہ ”الاحزاب“ کا ایک واقع ”امیر شریعت نمبر“ شائع ہوا 44 صفحات پر مشتمل اس شمارے کا سب سے اہم مضمون مولانا ابوذر بخاریؒ کا ادارہ ہے جو ”آتا ہے بہت محرم اسرار و فایاد“ کے عنوان سے شامل ہے۔

ان کے علاوہ اس شمارہ میں سید عطاء المومن بخاری صاحب کی مرتب کردہ امیر شریعت کی 26 اپریل 1946ء کی اردو پارک دہلی کی ایک تقریر بھی شامل ہیں۔

11 ﴿ تحریک طلبہ اسلام کی ماہانہ رپورٹ جو ایک مجلہ موسومہ تحریک کی شکل میں شائع ہوئی تھی کے اولین شمارہ کا ذکر بھی ضروری ہے جو امیر شریعت نمبر کے طور پر شائع ہوا تھا اس شمارہ کا سرورق شاہ صاحبؒ کی مشہور تصویر اور پس ورق الجزائرؒی رہنماؤں کے ساتھ شاہ صاحبؒ کی ملاقات کی تصاویر سے مزین ہے۔

42 صفحات پر مشتمل ”تحریک“ کا یہ امیر شریعت نمبر محمد یوسف سیال ایم، اے کی زیر ادارت شائع ہوا تھا۔ ان کے بعد کے نمبروں میں دو نمبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں ایک ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور اور ہفت روزہ ”لولاک“ فیصل آباد کے نمبر شامل ہیں۔

12 ﴿ ماہنامہ ”تبصرہ“ لاہور کا نمبر نومبر 1966ء میں شائع ہوا جس کے سرورق پر شاہ جیؒ کی وہ تصویر جو سر سکندر حیات کے مقدمہ سے باعزت بری ہونے کے بعد واپس آتے ہوئے اتاری گئی تھی خوبصورت انداز میں شائع کی گئی تھی۔

یہ یادگار ”امیر شریعت نمبر“ 120 صفحات پر مشتمل تھا۔

13 ﴿ اس کے ایک طویل عرصہ بعد زابد منیر عامر نے ہفت روزہ ”لولاک“ کے اعزازی مدیر کی حیثیت سے ستمبر 1982ء میں ایک ”امیر شریعت“ نکالا جو کہ 108 صفحات پر مشتمل تھا۔ اس نمبر میں ارار یہ، عکس تحریر اور تمہید کے بعد چار ابواب ہیں۔

(۱۴) ابن امیر شریعتؒ مولانا سید عطاء الحسن شاہ بخاریؒ نے ”بخاری کے زمرے“ کے نام سے شاہ جیؒ کے خطبات کو خوبصورت انداز میں شائع کیا۔

(۱۵) موصوف کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ ملتان نے دو ضخیم نمبروں میں آج تک شاہ جی پر لکھے جانے والے مضامین کو جمع کیا گیا۔ جنہیں قوم نے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

(۱۶) ”سید عطاء اللہ شاہ بخاری“ سوانح و افکار کے نام سے مرتب (محمد اسماعیل شجاع آبادی) نے بھی انگلی کٹوا کر شہیدوں کی صف میں اپنا نام لکھوایا۔ اور ۵۹۲ صفحات پر مشتمل خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مجموعہ شائع کیا۔ جس میں سوانح کے ساتھ ساتھ خطبات کو اکٹھا شائع کیا گیا۔ جس کے دواڈیشن شائع ہوئے۔

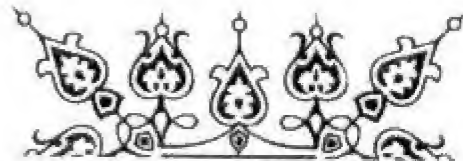
(۱۷) مذکورہ بالا کتاب کا یہ **تیسرا ایڈیشن** ہے۔ جس میں سوانحی حصہ کو ملحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔ جب کہ خطبات کو دوسری جلد میں شائع کیا جائے گا۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ پروردگار عالم نسل نو کو ان کے نقش قدم سے راہتہ تلاش کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔



باب ہفتم

منظوم خراج تحسین



www.ahlehaq.org

سید عطاء اللہ شاہ بخاری!

شورش کاشمیری

فاش ہیں مجھ پہ کئی سال ہے اسرار دروں
سوچتا ہوں کہ سر عام کیوں نہ کہوں
کوئی ہنگامہ بہ عنوان وفا ہو جائے
کوئی تحریک ابھر آئے بہ عنوان جنوں
کیا ضروری ہے کہ ہم بستہ زنجیر رہیں
دن وہ آتا ہے کہ ٹوٹے گا شب غم کا فسوں
رات نے گاڑ کے خورشید کے سینہ میں سناں
جگمگاتے ہوئے تاروں کا اجاڑا ہے سکوں
وہ سر پردہ تاریخ سے باہر آئیں
جن کی یلغار سے عشاق ہوئے خوار و زبوں
جن کے پنچے اٹھے دامن گل ولالہ پہ
جن کی گردن پہ ہے قربانی و ایثار کا خون
ہم نے جو کچھ بھی کیا اس کا خلاصہ یہ ہے

توڑ ڈالے ہیں فرنگی کی سیاست کے ستوں
تم نے جو کچھ بھی کیا سامنے لے کر نکلو!
ہاں! وہ افسانہ شب تاب ذرا میں بھی سنوں
آج بھی روح بخاری یہ صدا دیتی ہے
تیز رکھو سر ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پامیرے بعد



اے خاکِ لحد!

دیکھنا ضائع نہ ہو جائے وطن کا بانگین
داغ تک آنے نہ پائے اور نہ ہو میلا کفن
قبر کی مٹی سے کہہ دو لحد کو آواز دو
با ادب آئیں فرشتے روک دیں حشرات کو
پاک رہنا چاہئے محشر تلک تیرا ضمیر
سو رہا ہے تیرے دامن میں شریعت کا امیر

عطاء اللہ شاہ بخاری!

عبدالمکرم رحمہ اللہ

کبھی پستیوں میں چکا تو فراز آسمان سے
کبھی رفعتوں سے الجھا تو نشیب خاکداں سے
جو مئے گا دین حق پر وہی رہ سکے گا زندہ
یہ سبق ملا ہے مجھ کو تری مرگ ناگہاں سے
تھکے ہارے قافلے نے تجھے خطرِ وقت جانا
تو چلا ہمیشہ بٹ کر رہ ورسم کارواں سے
گلِ سرمدی بکھیرے ترے خامہ و زباں نے
تو خراج لے رہا ہے ابھی خامہ و زباں سے
یہ خلوص یہ عقیدت یہ حضورؐ سے محبت
تجھے نسبتِ خصوصی تھی نبیؐ کے آستان سے
تری آہ صبح گاہی ترا نالہ شہانہ
یہی یاد رہ گیا ہے شبِ غم کی داستاں سے
ترا ذوقِ حق پسندی تجھے لے گیا رن تک
بنے خار بھی گلستانِ ترے شوق بیکراں سے
تری بے غرض قیادت ترا علم اور خطابت
تری داستاں کو چھینریں مگر ہم کہاں کہاں سے



بخاری تقریر کر رہا ہے!

... شریف اشرف

رفو گران پیسری کی تمام محنت ادھڑ رہی ہے
عروسِ شب کی سیاہ زلفوں سے گردایام جھڑ رہی ہے
ہواؤں کو مار پڑ رہی ہے فضاؤں کو مار پڑ رہی ہے
زمانے کی ہر فریب ناک سے اب ملمع اتر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ہے

حدیثِ مولا بھی کہہ رہا ہے وہ ذکرِ لیلیٰ بھی کر رہا ہے
وہ ہاتھ جس میں کتاب بھی ہے وہ ہاتھ ساغر بھی بھر رہا ہے
پُرانی شیرازہ بندیوں کا نظام باطل بکھر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ہے

مہکتی شامیں ہیں گیسوؤں میں جیس پہ جیسیں ڈھلکدہ ہیں
اور آستیں سے قرونِ اولیٰ کی داستانیں ٹپک رہی ہیں
خرد کی بچکی بندھی ہوئی ہے جنوں کی نبضیں دھڑک رہی ہیں

خدا میری سادگی کو سمجھے کہ جیسے الہام اُتر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ہے

یہ حُسن جس کی شوخی شراب خانے انڈیلتی ہے

کبھی اُبھرتی ہے تیرگی پہ کبھی ستاروں پہ کھیلتی ہے

مگر یہ آواز کو ذوقوں کی بد مذاقی بھی جھیلتی ہے

ہمیشہ سے بدنصیب قوموں کا یہ مذاق نظر رہا ہے

بخاری تقریر کر رہا ہے



www.ahlehaq.org

آہ! بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فانی مراد آبادی

فضا کے سینے پہ خونی کرگس کے تیز پنچے مچل رہے ہیں
چراغِ علم و ادب کی لو سے دھوئیں کے بادل ابل رہے ہیں
کہ آج احرار کا نگہبان جو تختِ علمی پہ تھا فروزاں
حیاتِ فانی سے ہو کے گریاں، سدھار اسوئے جہاں یزداں
وہ ایک عالم جسے جہاں نے خراجِ تحسین ادا کیا تھا
وہ ایک مومن جو لطفِ احمد کی برکتوں سے قمر بنا تھا
حلم بجز اور تواضع کا پیکر
وہ ایک رہبر کہ جس کی نظروں میں ساری دنیا کو زہ گل
وہ اک معلم کہ جس کے صدقے میں رہنوردوں نے پائی منزل
وہ اک مفسرِ دلوں سے جس نے نکالے شبہاتِ نو سیداً
وہ اک مقرر کہ جس کے طرزِ بیاں میں شعلوں کا سوز پیدا
اسی چراغِ سحر بہ پہلو کے غم میں عالم یہ رو رہا ہے
مگر وہ بادِ قضا سے بچھ کر زمین کے پہلو میں سو رہا ہے



نقیبِ عظمت رسالت ﷺ

منفرد ذوقِ عمل، زورِ بیاں رکھتا تھا
 دل پر سوز، لب شعلہ فشاں رکھتا تھا
 لب پہ توحید کے نعمات رواں رہتے تھے
 دل میں عشقِ شہ لولاک نہاں رکھتا تھا بحرِ خدمت دیں
 اس تمنا کو بہر حال جواں رکھتا تھا
 اٹھ گیا عظمت و تقدیس رسالت کا نقیب
 سینہ شوق میں جو برق تپاں رکھتا تھا
 روشِ اہل جہاں کا وہ نہیں تھا پابند
 مردِ آزاد الگ اپنا جہاں رکھتا تھا
 اس کے پاؤں میں نہ آئی کبھی لغزش تاب
 راہ میں گرچہ کئی سنگِ گراں رکھتا تھا

(فیضانِ نبی)



سوز نہاں

آج انور سائیں بیٹم

سینے میں عجب سوز نہاں چھوڑ گیا ہے
 دل میں خلش زخمِ جواں چھوڑ گیا ہے
 ہنستا ہوا پہنچا ہے درخلدِ بریں تک
 دنیا میں ہمیں گریہ کناں چھوڑ گیا ہے
 پہلو میں وہ سب داغِ جگر بن کے رہیں گے
 جو اپنی محبت کے نشاں چھوڑ گیا ہے
 اے قافلہ جادۂ احرار کے رہبر
 حیرت ہے ہمیں لا کے کہاں چھوڑ گیا ہے
 خود چین سے سونے کے لئے کنجِ لحد میں !
 اک محشرِ فریاد و فغاں چھوڑ گیا ہے !
 اللہ کے قرآن کی تفسیر مجسم
 بہرنگِ حق نگراں چھوڑ گیا ہے

ہر لفظ میں تھیں موجِ زمزم کی ادائیں
 کوثر میں دھلا، حسنِ زباں چھوڑ گیا ہے
 سدا کے کلیجوں میں غمِ دل کے شرارے
 ماحول میں آہوں کا دھواں چھوڑ گیا ہے
 کہتے تھے جسے ساقی کوثر کا نواسہ
 پیاسا ہمیں وہ پیر مغاں چھوڑ گیا ہے



www.ahlehaq.org

اتنی دلکش تو ترے حُسن کی دنیا بھی نہیں

آسان داتش

ذوق شیون بھی عشق کا دعویٰ بھی نہیں
میرے آداب جنوں کا یہ تقاضا بھی نہیں
عشق میں اہل تمنّا کے خسارے پہ نہ جا
حسن کم بخت تو بدنام ہے رُسا بھی نہیں
آپ زنداں کے مصائب سے ڈراتے ہیں انہیں
جن کو اس دور میں جینے کی تمنا بھی نہیں
سوچتا ہوں کہ کہاں اہل جنوں دم لیں گے
دشتِ ایثار میں کوسوں کہیں سایہ بھی نہیں
میرے جہدوں کا صلہ میری عبادت کی جزا
بزمِ دنیا کا تو کیا ذکر ہے عقبیٰ بھی نہیں
پہلی بار آج یہ اشکوں کا تسلسل ہے شدید
اس طرح دل مرا پہلے کبھی دھڑکا بھی نہیں
اپنا دل، اپنی نظر، اپنی طلب، اپنی پسند،
ہم نے اُس حسن کو چاہا جسے دیکھا بھی نہیں
مشکلوں کو دی آسان کرے گا داتش
اپنا اُس در کے سوا کوئی سہارا بھی نہیں



سوئے ریاضِ خلد بخاری چلا گیا

علامہ انور صابری

سالار کاروانِ جہان وفا گیا!
 سوئے ریاضِ خلد بخاری چلا گیا
 ہر آنکھ میں ہیں اشک ہر اک لب پہ آہِ سرد
 اربابِ دردِ عشق کا درد آشنا گیا
 پہنچا جہاں فضا میں لطافتِ بکیر دی
 گذرا جدھر سے نقشِ قدم چھوڑتا گیا
 زوجِ ابوالکلام کا آئینہ دارِ فکر
 چشم و چراغِ محفلِ مشکل کشا گیا
 تصویرِ خلق، پیکرِ اخلاصِ زندگی
 سرتاپا اک نمونہ صبر و رضا گیا
 الفاظ کے مزاجِ معانی کا رازداں
 جمہور کے دلوں میں اترتا ہوا گیا
 آزادیِ وطن کا جواں عزم رہنما
 آزادیِ وطن کے ستم جھیلتا گیا

ہفت روزہ لولاک (اکل پور) فیصل آباد 21 مئی 1964ء



مرگِ عظیم!

سارغردتہ

موت کی جرأتِ بیباک پہ حیران ہوں میں
 شیشہِ فکر و نظر چور ہوا جاتا ہے
 ہر شگوفہ مرے تخیل کا مرجھایا ہے
 ہر نفسِ نالہ رنجور ہوا جاتا ہے
 آج وہ پھول لٹا ہے مرے گلشن کا ندیم
 جس کی خوشبو سے معطر تھے بہاروں کے
 موت کو راہ میں ظلمات کا اندیشہ تھا
 چھین کر لے گئی ایوانِ مشیت کا چراغ
 مہرِ جس کی جبیں ماہِ سا جس کا چہرہ
 قبلہ اہل نظر نقشِ قدم تھے جس کے
 جگمگاتے ہوئے سینے میں گدازِ قرآن
 نطق و ادراک اشاروں کا چشم تھے جس کے
 سو گیا راہِ سیاست کا جیالا راہی!

بجھ گئیں شمع فصاحت کی ضیائیں افسوس
 اب ہمیں کون سنائے گا شریعت کا پیام!
 لٹ گئیں حسن خطابت کی آدائیں افسوس
 درد میں ڈوبے سیہ پوش فلک پر بادل
 آہ و ماتم کے نشاں کرب و الم کی دنیا
 آج مٹی کا وہاں ڈھیر سا ہوگا ساغر
 سر جھکاتی تھی جہاں لوح و قلم کی دنیا



www.ahlehaq.org

سوچ کی گھڑیاں

سید عبدالحمید عدم

اخوت کے پرچم اڑاتا ہوا
 محبت کے خطبے سناتا ہوا
 گرجتا ہوا، دندناتا ہوا
 مگر دم بدم مسکراتا ہوا
 صداقت کے چہرے سے بے ساختہ
 توہم کے پردے اٹھاتا ہوا
 خدا کی محبت کے عرفان سے
 چمکتا ہوا جگمگاتا ہوا
 مخالف ہواؤں کی یلغار پر
 عزائم کے خنجر چلاتا ہوا
 ضمیر منور کی تلوار سے
 رگیں شرک کی کاٹ جاتا ہوا
 محمدؐ کی سیرت کا پیغام بر

خدا کے سندیے سناتا ہوا
 جوانوں کا عاشق، سپاہی کی ہتھ
 حمیت کے جوہر دکھاتا ہوا
 بڑی منزلیں کر کے طے حلم کی
 بڑی دیر چلتا چلاتا ہوا
 نہایت اہم سوچ میں کھو گیا
 گھڑی دو گھڑی کے لئے سو گیا
 اگرچہ وہ مصروف ہے خواب میں
 حسین ولولے اس کے بیدار ہیں
 صبا اس کے اخلاق کا گیت ہے
 ریاض و چمن اس کے اطوار ہیں
 ہیں لوحِ ابد پر جو لکھے ہوئے
 وہ اس کی ریاضت کے اشعار ہیں
 بقا اس کی مرغوب پوشاک ہے
 خدا اس کی تحقیق ادراک ہے

”خدام الدین“ انور علیہ نمبر 1961ء



ٹوٹ گئی زنجیر

ایک طرف توپوں کے دہانے ایک طرف تقریر
زنداں میں بھی ساتھ رہی آزادی کی توقیر
خوشبو بن کر پھیلی تیرے خوابوں کی تعبیر

ٹوٹ گئی زنجیر

تجھ سے پہلے عام کہاں تھی دار و رسن کی بات
چاروں جانب چھائی ہوئی تھی محکومی کی رات
اپنے بھی تھے ظلم پہ مائل بیگانوں کے ساتھ
آگے بڑھ کر تو نے بدل دی ہم سب کی تقدیر

ٹوٹ گئی زنجیر

گلی گلی میں تیرے چرچے نگر نگر کہرام
بول کے مینھی بولی تو نے کیا تھا جگ کو رام
جب تک قائم ہے یہ دنیا رہے گا تیرا نام
کون مٹا سکتا ہے تیری عظمت کی تحریر

ٹوٹ گئی زنجیر

ہنسی ہنسی میں تو نے کھولے اہل ستم کے راز

مرتے دم تک تو نے اٹھائے سچائی کے ناز
کہیں دبائے سے دہتی ہے شعلہ صفت آواز
چیر گئی ظلمت کا سینہ لفظوں کی شمشیر
ٹوٹ گئی زنجیر

تیرے خوشہ چین ہوئے ہیں آج بڑے دھنواں
تو نے اپنی آن نہ بیچی کیسی ہے تیری شان
بات پہ اپنی جو مٹ جائے وہی ہے بس انسان
شاہ جی تجھے کہتی ہے دنیا تو تھا ایک فقیر
ٹوٹ گئی زنجیر

حبیب جالب



حضرت شاہ صاحب بخاریؒ کے فراق میں

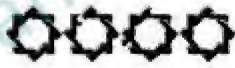
از:- مولانا حافظ محمد یوسف صاحب ساکن ملکپور
تخصیل ہری پور (ہزارہ)

باطل پہ آج خوف سا طاری نہیں رہا
کیا حکم عرش فرش یہ جاری نہیں رہا
بولا کوئی ، مجاہد باری نہیں رہا
دنیا میں آج شاہ بخاری نہیں رہا
محبوب بزم گوشہ نشین ہو گیا ہے آج
اُف آفتاب زیرِ زمیں ہو گیا ہے آج
درویش تجھ سا کوئی تہ آسمان نہیں
ایسی ادا نہیں رہے کسی کی زبان نہیں
تجھ سا بلا مبالغہ قرآن خواں نہیں
واعظ تو بے شمار ہیں جادو بیاں نہیں
خوش دل تھے، خوش مزاج تھے اور خوش خصال تھے
اسلاف کی مثال تھے خود بے مثال تھے

اے دلبر فصیح و بلیغ و حسین آ
 آنکھوں کے نور دل کے سرور و مکین آ
 نانا کے دین پاک کے وارث امین آ
 تجھ کو تلاش کرتے ہیں اہل زمین آ
 چرچا ترے فیوض کا ہے ہند و پاک میں
 تو کس خیال سے شہا سویا ہے خاک میں
 جنگل میں کوہسار میں، تیری تلاش ہے
 ندی، میں آبشار میں تیری تلاش ہے
 گلشن سبزہ زار میں تیری تلاش ہے
 بستی میں رہگذار میں تیری تلاش ہے
 اے نورِ چشم، چشم کے تم رو برو رہو
 اس بزم کے چراغ رہو گل کی بو رہو
 اے حضرت امیر شریعت بتائیے
 اے آشنائے راہ طریقت بتائیے
 اے رازدارِ سر حقیقت بتائیے
 اے پیشوائے اہل بصیرت بتائیے
 تیرے بغیر قوم کو آکر جگائے کون
 اعلائے حق کے واسطے سب کچھ لٹائے کون
 پاکیزہ بچپن اور جوانی بھی طے ہوئی
 سیلاب غم کی تیز روانی بھی طے ہوئی

حق گوئی اور فیض رسانی بھی طے ہوئی
 آخر بخیر منزل فانی بھی طے ہوئی
 اب اس جہاں کی منزلیں آساں خدا کرے
 جنت مقام صدقہ خیر الوریٰ کرے
 اے، بے شعور قوم کے معمار الوداع
 اخلاق عالی شان کے معیار الوداع
 اے شاہ اور شاہ کے کردار الوداع
 عالی وقار قائد احرار الوداع
 اے جانے والی ہستی ممتاز السلام

ترجمان اسلام لاہور 8 ستمبر 1961ء



کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے

غریق قریشی

جس نے کئے ہیں تاجوروں سے مقابلے
 درویش جس نے جیتے ہیں شاہوں سے معرکے
 سحر آفریں خطیب، اثر آفریں خطاب
 اک موج ہے کہ شعلہ! اسے کوئی کیا کہے
 جھڑتے ہیں جس کے خلوت و جلوت میں منہ سے پھول
 شیریں ہے جس کا ہر کلمہ شہد و شیر سے
 ہر نکتے میں فسوں فصاحت کی انتہا
 ہر بات میں حروف گننے جڑے ہوئے
 الفاظ میں ہے صور اسرافیل کا خروش
 اسلوب میں ہیں جوش شہادت کے دلولے
 اقلیم پاک و ہند کا سرمایہ غور
 اس مرد باخدا کے عجب ہیں معاملے

ہر دوست کے لئے ہیں سپر اس کے جان و دل!
 اک تیر بے اماں ہے وہ دشمن کے واسطے
 افزندگی نگاہ میں کانٹا بنا رہا
 جس کی ہر اک سانس سے صدہا چمن کھلے
 صبح شباب، شام کبولت، شب حیات
 ٹکڑے ہیں اک جہاد مسلسل کے دیکھئے
 قرآن کے معارف و انوار کا بیاں
 خوش بخت ہے جو اس کی زبان سے کوئی نے
 سورت گریمانی و بہزاد خوب تھی
 لیکن ہے گردِ نطق بخاری کے
 تقریر میں وہ حسن، بیاں میں وہ باتکین
 کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے

ہفت روزہ لولاک لائل پور فیصل آباد

21 اگست 1964ء



آئینہ دار عظمت اولادِ بوترا ب

..... (سید عبدالمنان شاہد)

آئینہ دارِ عظمت اولادِ بوترا ب
 ہر وصف بینظیر ہر اک بات لاجواب
 اس کی رگوں میں عشقِ پیمبر تھا موجزن
 اس کے لبوں پہ سدی ابوذر تھا ضو فگن
 ملت کو اس نے عزم و عمل کا دیا سبق
 اس کی کتاب زیست کا روشن ہر ورق
 اس کی نوا تھی یا جسِ کاروانِ حق
 باطل کا جس سے رنگ ہوا زرد چہرہ فق
 عشقِ نبی جوت جگاتا چلا گیا
 طاغوتیت کا نقش مٹاتا چلا گیا
 آتشِ نفس خطیب و پیمبر صفت زعیم
 اوصاف میں حمید تو اخلاق میں عظیم

ذوقِ نظر بلند، مذاقِ سخنِ سلیم
 ہیبت سے اس کی سطوتِ افرنگ ہے دو نیم
 رشکِ شہنشاں تھا فقیری میں اس کی ذات
 ملتے کہاں ہیں دہر میں اب ایسے خوش صفات
 دل کا ہر ایک زخم نمایاں کئے ہوئے
 آنکھوں میں شمعِ عشقِ فروزاں کئے ہوئے
 نطقِ حسین کو حشرِ بداماں کئے ہوئے
 حبِ نبی کو حرزِ دل و جان کئے ہوئے
 جو کام اس کو کرنا تھا وہ کام کر گیا
 باطل کو ہر محاذ پہ ناکام کر گیا

ہفت روزہ لولاک لائل پور فیصل آباد

۲۱ اگست 1964ء

☆☆.....☆☆

قدرت کے شاہکار بخاریؒ بھی چل بسے

نذر عقیدت از جناب سالک ربانی صاحب۔ میاں چنوں

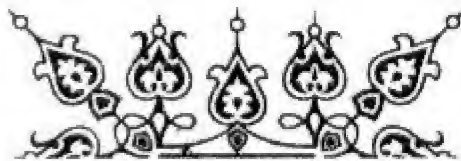
آنکھیں ہیں اشکبار بخاریؒ بھی چل بے
 دنیا ہے سوگوار بخاریؒ بھی چل بے
 جادو اثر ادیب وہ شعلہ نوا خطیب
 یکتائے روزگار بخاریؒ بھی چل بے
 بے باک حق پسند محب وطن خطیب
 ملت کے جانثار بخاریؒ بھی چل بے
 آزاد زبں صحن گلستانِ ایشیاء
 رنگ گل و بہار بخاریؒ بھی چل بے
 ظاہر پرست آنکھ نے شبنم سمجھ لیا
 گریاں تھے برگ و بار بخاریؒ بھی چل بے
 اے بوستانِ فکر و عمل بزمِ شاعری
 اجڑی تری بہار بخاریؒ بھی چل بے
 وحشت فزائے آہوئے افزنگ جس کی ذات

وہ شیر مرغزار بخاری بھی چل بے
 جوہ فرنگ گردشِ ایام کے اسیر
 خنداں تھے زیرِ دار بخاری بھی چل بے
 صدرِ نظامِ مجلسِ احرار بالخصوص
 قائد وہ شہسوار بخاری بھی چل بے
 جن کا ضمیر فیضِ نبوت سے مستنیر
 الفت کے راز دار بخاری بھی چل بے
 گریاں فلک ملائکہ نوحہ کناں بہ زمیں
 قدرت کے شاہکار بخاری بھی چل بے
 جرأت شکن تھے زاویے جس کی نگاہ کے
 ہائے وہ شعلہ بار بخاری بھی چل بے
 سالکِ زبانِ شعر میں کیسے ادا کروں
 مذہب کے غمگسار بخاری بھی چل بے



باب ہشتم

مکتوبات



www.ahlehaq.org

مکتوبات امیر شریعتؒ

امیر شریعتؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تمام عمر کسی عنوان سے اخبارات میں کوئی بیان نہیں دیا۔

شاہ جیؒ تحریر کو فتنہ سمجھتے تھے۔ بہت ہی کم لوگوں کو آٹو گراف دیتے۔

شاہ جیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ فرمایا کہ میری کتاب ”قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ“ ہیں۔

(روایت ابن امیر شریعتؒ پیر جی سید عطاء المصمیم بخاری)

شاہ جیؒ نے گنے چنے خطوط لکھے۔ اس سلسلہ میں ادیب شہیر جناب مولانا نعیم آسیؒ سیالکوٹ نے مکاتیب امیر شریعتؒ کے نام سے 9 خطوط جمع کئے۔

ایک خط آپ نے حسین شہید سہروردی کو لکھا جس میں (مارشل لا، 1953ء) کے ایک سزائے موت کے قیدی کی سزا کو عمر قید کے ساتھ تبدیل کرنے کی سفارش کی جو قبول کر لی گئی۔

اس باب میں کل چودہ 14 خطوط ہیں۔ جو پیش خدمت ہیں:

ایک خط مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا تاج محمودؒ کے نام ہے۔ جو ہفت روزہ ”لوائے“ فیصل آباد کے سید بنوریؒ نمبر سے لیا گیا ہے۔ دو خطوط ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے امیر شریعت نمبر سے لئے گئے ہیں۔

ایک خط جلالپور پیر والہ کے حاجی غلام قادر بازار مدار مرحوم کے نام ہے۔ جو مرحوم کے پوتے مولانا عبدالشکور شاہؒ مہتمم جامعہ رحمانیہ نے عنایت فرمایا۔



قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام

15۔ نومبر 1951ء سیالکوٹ

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

عزیزی قاضی جی!

السلام علیکم:

اس دن ملتان آپ ملے۔ مگر اتنی مختصر ملاقات ہوئی کہ ہم کوئی بات چیت نہ کر سکے۔ آپ نے کہا میں گھر جاتا ہوں۔ میں چپ ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ملتان آئے اور گھر تک نہ آئے۔ دنیا میں ایک جگہ ایسی تھی۔ جہاں مجھے سکون حاصل ہوتا تھا۔ کیا اب وہاں سے بھی سکون کی جگہ پریشانی نصیب ہوگی۔ قاضی جی جس کام کو حسن و خوبی سے شروع کیا جائے۔ اس کا اختتام بھی خیر و خوبی سے ہونا چاہئے۔

☆ مکتوب نمبر 1 اور نمبر 2 قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام ہیں۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی مجلس احرار کے نامور خطیب اور شاہ جی کی وفات کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دوسرے امیر منتخب ہوئے تھے، تاریخ پیدائش 3۔ مئی 1906ء، وفات 23 نومبر 1966ء، مولد و دفن قصبہ شجاع آباد ضلع ملتان، ان گنت تحریکوں میں حصہ لیا۔ آٹھ نو برس قید و بند میں گزارے۔ آخری گرفتاری 1960ء میں ایوب خاں کے دور میں ہوئی۔ شجاع آباد کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مفصل حالات کے لئے دیکھیں ”قاضی احسان احمد شجاع آبادی سوانح و افکار“ مرتبہ محمد اسماعیل شجاع آبادی عفا اللہ عنہ

میں 20-21 تک ملتان پہنچ جاؤں گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ آپ جمہرات کو ملتان آجائیں اور ہم گھر میں بیٹھ کر کچھ باتیں کر لیں۔ اس سے زیادہ لکھنا مناسب نہیں۔ بس آپ جمہرات کو تشریف لے لائیں اور بہر حال تشریف لے آئیں۔ بچوں کو دعائیں اور باقی سب خورد و کلاں کو السلام علیکم۔ حضرت قاضی¹ صاحب کی خدمت میں اور اماں جی کی خدمت میں السلام علیکم۔²

والسلام

دعا گو

سید عطاء اللہ بخاری



www.ahlehaq.org

1 قاضی محمد امین مرحوم والد ماجد قاضی احسان احمد شجاع آبادی

2 سوانح قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص 502 مرتبہ: قاری نور الحق قریشی ایڈوکیٹ

.....ملتان شہر.....

میرے قاضی جی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بہت دن ہوئے میں نے اپنے پڑوسی میاں احمد یار کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ ان کے ایک عزیز کا کام آپ کے ذریعے انجام ہو جائے۔ لیکن اب تک وہ پیارے پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اور ان کا کام کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ قاضی جی! میں تو جیسا نکما ہوں آپ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت صلاحیتیں عطا کی ہیں اور بہت لوگوں کو آپ سے فائدے پہنچتے رہتے ہیں۔ بارہ برس سے میاں احمد یار کی ہمسائیگی میں پڑا ہوا ہوں اور الحمد للہ کہ اچھی گزر رہی ہے اگر ان کا کام نہ ہوتا تو آپ خود سوچ لیں۔ میری اس حالت میں مجھ پر کیا گزرے گی۔ یہ میں اس لئے لکھ رہا ہوں۔ کہ ان کا حق پر ہونا آپ پر ثابت ہو چکا ہے۔ آپ نے جو مہربانی کی ہے اس کے تو وہ ممنون ہیں۔ لیکن قدرے بہتر ازیں۔ مشکلات کا اندازہ مجھے بھی ہے۔ لیکن میری گزارش بھی قاضی احسان احمد سے ہے کسی ایرے غیرے سے نہیں مجھے اُمید ہے کہ اب کے یہ لوگ آپ کے یہاں سے تہی دامن واپس نہیں آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میری تکلیفیں آج کل بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو خیریت سے رکھے۔ بڑی مشکل سے یہ چند سطر میں اپنے سے لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کریں۔ آمین۔¹

والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ بَخَارِیؐ

اس مکتوب پر سن درج نہیں۔ مگر تین اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ یکم مارچ 1961ء کو لکھا گیا۔ شاہ جی 48ء کے آخر میں ملتان آئے "بارہ برس سے میاں احمد یار کی ہمسائیگی میں پڑا ہوا ہوں۔" اور مکتوب کے آغاز کی تاریخ پیش نظر رکھیں تو جو تاریخ اور سن متعین ہوتا ہے۔ وہ یکم مارچ ہی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شاہ جی پر فالج کا ۱۰ ستمبر ۱۹۶۲ء کو اور تیسرا شدید حملہ 16 مارچ 1961ء کو ہوا تھا۔ مکتوب کا آخری فقرہ "بڑی مشکل سے یہ چند سطر اپنے ہاتھ سے لکھ رہا ہوں۔" بھی یہی بتاتا ہے کہ مکتوب مذکور یکم مارچ 1961ء کو لکھا گیا۔

1 سوانح قاضی احسان امہ شجاع آپ دہی ص 505

مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نام

7 جنوری 1957ء

مکرمی و محترمی حضرت مولانا احمد علی صاحب زید مجددہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

روزنامہ ”کوہستان“ لاہور میں میں نے دو خط پڑھے ہیں۔ ایک میں میرے کسی شعر پر اعتراض ہے اور دوسرے میں آپ کا فتویٰ۔ میرے وہم میں بھی ذمہ کا یہ پہلو نہیں تھا۔ چونکہ آپ فرماتے ہیں کہ شعر سے ذمہ کا پہلو نکلتا ہے۔ آپ کے ارشاد کے بعد میں اس شعر کی کوئی تاویل کرنا نہیں چاہتا اور استغفر اللہ پڑھتا ہوں۔ آپ بھی میرے حق میں دعا کریں۔ اللہ مجھے معاف کرے۔

ہاں! ایک عرض ہے کہ آپ نے اپنے خط میں مجھے مودودی کا چھوٹا بھائی قرار دیا ہے۔

مولانا! آپ مجھے تقریباً تیس چالیس برس سے جانتے ہیں۔ آپ نے کبھی مجھ کو جھوٹ بولتے دیکھا یا سنا۔ جہاں تک اپنے متعلق مجھے خود یاد پڑتا ہے۔ جھوٹ بولنے کا گناہ مجھ سے کبھی نہیں ہوا آپ نے مجھے مودودی صاحب کا چھوٹا بھائی کیسے کہہ دیا۔ چھوٹے بھائی والی بات آپ واپس لے لیجئے۔ شعر میں نے

محتاج دعا

سید عطاء اللہ بخاری

ملتان 5 جمادی الثانی 1276ھ (برطانیق 7 جنوری 1957ء)



1 حیات امیر شریعت کس 527، 528 مرتبہ: مرزا غلام نبی جانپاز

☆ حضرت شاہ جی کے اردو اور فارسی مجموعہ کلام ”سواطع الالہام“ میں ایک شعر تھا۔

زکاف کعب تا کاف کراچی
سراسر کعبہ کعبہ کعبہ کعبہ

اس شعر کا ایک خاص پس منظر تھا۔ 1951ء میں جب پاکستان کی مرکزی و صوبائی حکومتوں کے درمیان

کھینچا تانی اور چپقلس کا سلسلہ جاری تھا تو دوستوں کی ایک محفل میں اس کا ذکر آ گیا۔ جس پر حضرت شاہ جی نے فرمایا:

”تم ایک پاکستان کو رو دتے ہو، باقی مسلمان ممالک کا کیا حال ہے؟ سب کے سب ایک دوسرے

سے بدتر ہیں۔ کون سی جگہ ہے جہاں ملعون انگریز نے اپنا کام نہیں کیا۔ اُس نے مسلمانوں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اور

آج تو مکہ میں بھی یا امریکہ ہے یا برطانیہ۔ بہر حال ملوکیت ہے۔ اسلام وہاں بھی نہیں۔ اور میں تو بلا خوف کہتا ہوں

کہ کعبہ سے کراچی تک ہر جگہ قانون کفری مسلط ہے۔ کہلاتے تو سب مسلمان ہیں مگر کہیں انگریز کے ٹوڈی اور

کہیں نمک حرامان محمد (ﷺ) ہیں کہ جس محسن انسانیت کی جوتیوں کے صدقے میں ان عیاشوں کو حکومتیں ملیں، عین

وقت پر اسی کو فراموش کر بیٹھے۔ اتنا کہہ کر اپنے مخصوص جلال آمیز انداز میں بالبداهت یہ شعر پڑھا۔

زکاف کعب تا کاف کراچی
سراسر کعبہ کعبہ کعبہ کعبہ

☆ سواطع الالہام مارچ 1955ء میں چھپی۔ اس کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد لاہور کے نامور عالم

مولانا احمد علی نے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ایک عبارت پر گرفت کی۔ کہ اس سے اہانت کعبہ کا پہلو نکلتا

ہے۔ مولانا مودودی کے ہمنوا بے قابو ہو گئے۔ حادثہ یہ ہوا کہ ایک صاحب نے حضرت شاہ جی کا محولہ شعر بغیر شاہ

جی کا حوالہ دیئے مولانا احمد علی لاہوری کو لکھ بھیجا اور ان کی رائے پوچھی۔ مولانا کا جواب تھا۔ ”یہ بھی کوئی مودودی کا

چھوٹا بھائی ہے اور گمراہ ہے۔“ مکتوب نگار نے مولانا لاہوری کا یہ جواب اور اپنا سوال دونوں روزنامہ ”کوہستان“

لاہور میں شائع کرا دیئے جس پر حضرت شاہ جی نے مولانا احمد علی لاہوری کو مذکورہ خط تحریر کیا۔

مولانا سید حسین احمد مدنی کے نام

مئی 1945ء

میرے حضرات جی !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

گرامی نامہ بجواب عریضہ صدر مجلس احرار اسلام کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ الحمد للہ صدر صاحب تو اس وقت کلکتے پہنچے ہوئے ہیں۔ ان چند سطروں کے پیش کرنے کا فخر مجھے حاصل ہو رہا ہے، حضرت کی خدمت اقدس میں جو عریضہ ارسال کیا گیا ہے۔ وہ محض اظہار مقصد کے لئے ہے۔ اب حضرت والا اپنی مرضی کے مطابق جہاں مناسب خیال فرمائیں اور جس مقام کو موزوں سمجھیں اور جن حضرات کو دعوت دینا حضرت کی نظر برکت اثر میں ضروری ہو ارشاد فرمائیں۔ انشاء اللہ ارشادِ عالی کی تعمیل کی جائے گی۔ حضرت کی دُعاؤں کا محتاج ہوں۔¹

سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر



☆ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا یہ مکتوب مولانا سید حسین احمد مدنی کے نام ہے۔ مولانا مدنی تحریک ریشمی رومال کے قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے شاگرد خاص تھے۔ جزیرہ مالٹا میں مولانا کے ساتھ کئی برس قید کاٹی۔ ہندوستان کے نہایت بلند پایہ عالم اور بہت بڑے مجاہد آزادی تھے، مدتوں جمعیت علماء ہند کے امیر رہے۔ شاہ جی کا مذکورہ مکتوب مولانا نجم الدین اصلاحی نے مولانا مدنی کے مجموعہ مکاتیب مکاتیب شیخ الاسلام کے حصہ دوم میں صفحہ 7-306 کے حاشیہ میں درج کیا ہے۔ اس مکتوب پر اگرچہ کسی تاریخ کا اندراج نہیں ہے مگر مولانا مدنی کے جوابی مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اواخر جمادی الاول 1364ھ (مئی 1945ء) کو لکھا گیا۔ جب مجلس احرار اسلام اور جمعیت علماء ہند مسلمانان ہند کے سیاسی مستقبل کی بابت آپس میں گفتگو کرنا طے کر رہی تھیں۔

1. مکاتیب شیخ الاسلام ص 306، 307 مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی

عبداللہ ملک کے نام

عزیزم عبداللہ ملک سلمہ

خوش رہو، جیتے رہو، آباد رہو اور شاد رہو زندگی کے شب و روز اسی طرح بسر ہوتے ہیں۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے کہ اس کے لئے اضطراب ہونہ بیتے ہوئے دنوں کا افسوس ہے اور نہ حال سے کوئی شکوہ، مستقبل کی فکر ہی کیا جو لوگ مستقبل کے لئے جی رہے ہیں ان سے پوچھئے۔ اپنا تو چل چلاؤ ہے گور کنارے بیٹھا ہوں دیکھئے کب بلاوا آجائے۔

اب اس کے سوا کوئی مشغلہ نہیں رہا کہ اپنے اللہ سے صبح و شام بھیک مانگتا ہوں، وہی پالنہار ہے اس کے ہاں عفو و درگزر کے سوا کچھ نہیں، ہمارا خدا ہمارا خدا ہے۔ سزا گناہوں کی دے چکا ہے۔ جزا پشیمانیوں کی دے گا۔ تمہارے لئے دن رات دعا کرتا ہوں، اب چمن اور اس کی شاخیں، تم نو جوانوں کی باغبانی کے سپرد ہیں۔ جب تک جیو و وضع داری سے جیو کہ یہی ایمان کی نشانی اور حاصل زندگانی ہے۔¹

واللہما

سید عطاء اللہ شاہ بخاری



مولوی عبدالکریم شاہ پوری کے نام

..... ملتان شہر.....

10 رمضان (1370ھ)

عزیزی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ مولود مسعود کو عمر دراز اور نیک نہاد بخشے۔ آمین
گرمی بہت ہے احتیاط رکھئے گا۔ اور مولوی عبدالحکیم صاحب کو السلام علیکم!
ناراضی تو ہے اور معافی یوں نہیں ہوگی۔¹

واللہ

سید عطاء اللہ شاہ بخاری



☆ یہ مکتوب پہلی دفعہ چھپ رہا ہے۔ یہ مکرم سید امین گیلانی صاحب (شیخوپورہ) کے توسط سے حاصل ہوا۔ میری درخواست پر انہوں نے مندرجہ ذیل سطور بطور پس منظر لکھ کر عطا فرمائیں۔

شاہ صاحب بخاری کا یہ خط مولوی عبدالکریم صاحب شاہ پور کے نام ہے۔ مولوی عبدالکریم صاحب احرار کے سرگرم کارکن تھے۔ اور شاہ صاحب کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں مولود بچہ کی اطلاع پر یہ خط حضرت شاہ صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب سے میرے بھی تعلقات تھے۔ اسی لئے ان سے یہ خط میں نے لے لیا۔“ (سید امین گیلانی 24 مارچ 1981ء)

شاہ جی نے اس مکتوب پر 10 رمضان کی تاریخ ڈالی ہے۔ اور سن ہجری نہیں لکھا۔ پوسٹ کارڈ پر ڈاک خانہ ملتان کی نمبر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کارڈ 17 جنوری 1951ء کو حوالہ ڈاک کیا گیا۔ اس طرح جو سن ہجری نکلتا ہے۔ وہ 1370 ہے۔ گویا یہ مکتوب 10 رمضان 1370ھ کو لکھا گیا۔ عیسوی تاریخ 15 جنوری 1951ء بنتی ہے۔ غالباً شاہ جی نے 15 جنوری کو یہ پوسٹ کارڈ لکھ کر رکھ دیا۔ اور سپرد ڈاک کرنے کی نوبت 17 جنوری کو آئی۔

(مرتبہ: مولانا نعیم آسی شہید سیالکوٹی)

1. مکاتیب امیر شریعت ص 81، 82

نذر محمد ملک اللہ دتہ چنیوٹی کے نام

لاہور

20 / اگست 1947ء

عزیزان نذر محمد، ملک اللہ دتہ !

السلام علیکم !

میں اپنے اہل و عیال اور دوستوں سمیت خیریت سے ہوں۔ مارچ کے مہینے سے لاہور میں ہوں۔ اب خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ میں نواب نصر اللہ خان کے یہاں چلا جاؤں گا۔ ارادہ کر لیا ہے۔

امر تسر بالکل تباہ ہو چکا ہے اور آئندہ مسلمانوں کے وہاں آباد ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس وقت ایک لاکھ کے قریب مسلمان پہنچ چکا ہے اور اب فیروز پور، ہشیار پور وغیرہ کی آمد شروع ہو گئی ہے۔ مشرقی پنجاب کا مسلمان اس

☆ شاہ جی کا یہ خط تاریخی اہمیت کا حامل ہے، بالخصوص اس اعتبار سے کہ تقسیم ملک کے بعد مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر کیا گزری؟ شاہ جی نے مختصر الفاظ میں اس کا جو نقشہ کھینچ دیا ہے کوئی اس سے بڑھ کر کیا لکھے گا۔ یہ خط ملک اللہ دتہ صاحب چنیوٹی کے نام ہے، جو شاہ جی کے بڑے عقیدت مند چینیوٹ میں مقیم تھے تقسیم ملک کے ساتھ ہی اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امر تسر میں شہید کر دیا گیا۔ حالانکہ مرنے والے مشہور اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری کے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ صاحب تھے۔ جس پر ملک اللہ دتہ چنیوٹی نے اپنے ایک عزیز کو اس خبر کی تصدیق کے لئے چینیوٹ سے لاہور بھیجا اور اسی کے اصرار پر شاہ جی نے ملک اللہ دتہ کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

وقت تباہ ہو چکا ہے۔ باقی ہو رہا ہے۔ سکھ قوم کی خباثت کو انگریز کی اور ہندو کی تائید حاصل ہے اور وہ تباہی مچا رہی ہے اور نہ جانے کب تک یہ سلسلہ باقی رہے۔ میرا ایک مکان خاک میں مل چکا ہے۔ دوسرا جس میں میں رہتا تھا ابھی تک تو موجود ہے۔ میری زندگی کی ساری کمائی یعنی میری کتابیں اور سامان زندگی وہیں ہے۔ اللہ کے حوالے ہے، ابھی تک کوئی صورت سامان برآمد کرنے کی نظر نہیں آتی۔ پہلے بھی فقیر ہی تھا۔ لیکن اب سرچھپانے کی جگہ بھی نہیں ہے۔¹ دعائے خیر سے یاد کریں۔ ملکی حالات اتنے خراب اور اتنے خطرناک اور ہیبت ناک ہیں کہ ان سطروں میں بیان نہیں ہو سکتے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کل کراچی میل سے ملتان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ زندگی رہی تو آئندہ ملاقات پر باتیں ہوں گی۔ دوستوں اور عزیزوں کو سلام و دعا: جے

والسلام

سید عطاء اللہ شاہ بخاری



1 یہ بات قابل ذکر ہے اور شاہجہانی کی سیرت کا ایک نہایت محلی پہلو پیش کرتی ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جب کہ ہر کہ وہمہ کلیم داخل کر کے زمینیں اور مکان الاٹ کروانے لگا شاہجہانی نے اپنا جائز کلیم داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ اور تمام زندگی ملتان میں کرائے کے ایک کچے مکان میں بسر کر کے راہی ملک عدم ہوئے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مکتوب بنام

23 / اگست 1948ء

چاشت چار شنبہ 28 / 10 / 128، 23 / 8 / 48ء

حافظ عطاء المنعیم سلمہ ابھی پانچ چھ برس کے تھے تو میں نے ان کو (امر تسر) اپنے محلے کے پرائمری سکول میں داخل کر دیا۔ چند مہینوں میں یہ اپنی جماعت کے مانیٹر بن گئے، اور ایک دن سکول سے گھر تشریف لائے تو مجھے کہنے لگے کہ اباجی، ان کتابوں میں میرا دل نہیں لگتا۔ میں نے کہا، بہت اچھا آپ سکول نہ جایا کریں۔ ان کی والدہ کو میں نے کہا کہ اب اسے گھر ہی میں کھیلنے دو۔ اور خیال رکھو کہ اس کی طبیعت کس طرف مائل ہے۔ یہ کہہ کر میں تو کہیں جلسے ولسے کے لئے چلا گیا مہینہ دو مہینہ کے بعد واپس آیا تو دیکھا کہ محلہ کی لڑکیاں جو ہمارے ہاں پڑھا کرتی تھیں ان کے حلقہ میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور سب کو ٹوک رہے ہیں کہ تو نے یہ غلط پڑھا اور تو یہ غلط پڑھ رہی ہے، میں نے کہا میاں تم اوروں کو تو سبق یاد کرارہے ہو تمہارا اپنا بھی کوئی سبق ہے یا نہیں کہنے لگے اباجی مجھے کوئی پڑھائے بھی۔ تب میں نے اس کی والدہ سے کہا کہ اب اسے قرآن کریم شروع کرادو۔ چنانچہ ناظرہ تو ماں سے پڑھا اور پھر حفظ اپنے ذوق اور شوق سے کیا، پھر میں ایک دفعہ اسے اپنے ساتھ دہلی لے گیا اور تمام بڑے بڑے مدارس دکھائے۔ واپسی پر دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم (سہارنپور) میں بھی لے گیا۔ مگر دیکھا کہ اس کی طبیعت کہیں لگتی نہیں ہے۔ جالندھر خیر المدارس کا سالانہ جلسہ تھا۔ میں وہاں اتر گیا۔ مدرسہ میں پہنچتے ہی ارشاد ہوا کہ اباجی میں یہاں پڑھوں گا۔ میں

☆ اس تحریر کو مکتوب کہہ لیجئے یا پیغام بہر کیف اس کا مضمون عام ہے ابن و جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری جن کی حوصلہ افزائی کا اس میں تذکرہ، حضرت امیر شریعت کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں، نام عطاء المنعیم کنیت ابو معاویہ ابوذر بخاری متعدد کتابوں کے مصنف پندرہ روزہ، الاحرار (لاہور) کے ایڈیٹر اور مجلس احرار اسلام کے زوچ رواں رہے۔

نے کہا الحمد للہ مولانا خیر محمد صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تو خدا سے اس کے لئے دعائیں کی ہیں۔ کہ یہ لڑکا ہم کو ملے۔ چنانچہ اُن کے حوالے کر کے پھر ریل اور جیل کی سیر میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اپنے ذوق اور شوق سے حضرت مولانا کے دل میں جگہ بنالی اور اُن کی دعاؤں کی برکت سے پچھلے سال یہ فارغ التحصیل ہو گیا۔ اس کے بعد یہی دیکھا کہ اس کی طبیعت مطالعہ اور تحریر کی طرف مائل ہے۔ اپنے حلقہ احباب میں بھی علمی ادبی ذوق والوں سے زیادہ اُنس ہے، پھر معلوم ہوا کہ آپ اخبار نکالنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اخبار کا ڈیکٹریشن بھی منظور ہو گیا۔ چھپنے سے پہلے ضمانت مانگ لی گئی۔ تب میں نے کہا ضمانت نہ دو۔ نیت صاف نہیں ہے۔ آخر ایک ادارے ”نادیۃ الادب“ کی انہوں نے بنیاد ڈالی اور اس کی ماہانہ روداد میں اپنے دل کی علمی و ادبی تمناؤں کو ابھرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، مجھ سے کہا کہ آپ اس کے متعلق کچھ لکھ دیجئے۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ میرے علم دوست احباب و عزیز ابوذر صاحب کی حوصلہ افزائی کریں۔ اور اس ادارے کی رکنیت کو اپنے اپنے حلقہ احباب میں وسعت دیں، اور دینِ قیم کی چاشنی سے بھرے ہوئے علمی ادبی مضامین سے ادارے میں مطبوعات کا ایک سلسلہ قائم کر کے دورِ جدید کے نوجوانوں میں اسلامی رُوح پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

غرض نقش است کز ما یاد ماند
کہ ہستی رانی پسند بقائے
اللہ والوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ¹

غریب الدیار

6 سید عطاء اللہ شاہ بخاری



www.ahlehaq.org

جناب سہروردی کے نام شاہ جی کا مکتوب

اخبارات میں ایک افسوسناک خبر شائع ہوئی کہ مارشل لاء سے سزائے موت پانے والے ایک قیدی کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا۔ اس پر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے گورنر جنرل اور حسین شہید سہروردی کے نام ایک درد بھرا مکتوب لکھا جو پیش خدمت ہے۔

برادر عالی مرتبت جناب سہروردی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

”اگرچہ میرا آپ پر کوئی حق نہیں ہے۔ مگر فی سبیل اللہ ایک عرض کرتا ہوں کہ محمد نذیر لاہوری (سزایافتہ قیدی مارشل لاء کورٹ) کی پھانسی کی سزا کو جس طرح بھی ہو سکے سزائے قید میں تبدیل کروادیں۔ میں اور کسی کو اس قسم کا عریضہ لکھنے کی ہمت نہیں رکھتا! آپ نے سنٹرل جیل لاہور میں چونکہ تین چار دفعہ شرف ملاقات بخشا اس لئے

کر مہائے تو مرا کرد گستاخ!

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت آپ حضرات کا یہ عمل ملک و ملت کے لئے آئندہ سال کے لئے فال نیک اور برکتوں اور سعادتوں کا سبب بنے گا۔ افسوس! میں ڈیڑھ مہینے سے پلنگ پر پڑا ہوں ورنہ میں خود حاضر خدمت ہو کر زبانی عرض

معروض کرتا۔ آپ مجھ سے ہزاروں درجہ زیادہ دانا و بیبا ہیں، معاملات کی نزاکتوں کو آپ بخوبی سمجھتے ہیں عمر قید کی سزا بھی آخر سزا ہی ہے اور کچھ کم سزا نہیں ہے۔ اگر اتنا ہو جائے تو مسلمانان پاکستان کے پرانے زخم بھی مندمل ہو جانے کی امید ہے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس معاملہ میں اور تاملات میں کامیابی عطا کرے! آمین۔ میں اپنے ہاتھ سے لکھنے سے معذور ہوں اور ابھی ہاتھ اچھی طرح کام نہیں کرتا اس لئے اپنے لڑکے سے لکھوار ہا ہوں!

والسلام مع الاکرام

فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مورخہ 31 دسمبر 1954ء ملتان شہر

(ہفتہ وار کلیم ملتان 14 جنوری 1955ء)

قارئین کرام۔ آگے چلنے سے قبل ایک وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ تحریک ختم نبوت 1953ء میں جن حضرات کو ”سزائے موت“ ہوئی تھی وہ چار افراد تھے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ظلیل احمد قادری، جناب نذیر احمد صاحب، محترم نیازی صاحب، مودودی صاحب، قادری صاحب تو رہا ہو گئے۔ جناب نذیر احمد صاحب رہا نہ ہو سکے۔ حضرت امیر شریعت اور دوسرے رہنما ان کی طرف سے بے خبر نہ تھے۔ مگر وہ حکومت وقت اور سفاک زمانہ مسلم لیگ کے معتب تھے۔ مرزا بشیر الدین محمود کا نمائندہ ظفر اللہ قادیانی مسلم لیگ کا کرتا دھرتا اور حکومت کا لے پالک اور چیمپا بیٹا تھا۔ جون ہی اس کی سزائے موت پر عمل درآمد کی خبر کا علم ہوا۔ زندگی بھر کسی سے درخواست نہ کرنے والے شخص حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بھی بے قرار ہو گئے اور سہروردی مرحوم کو خط لکھا اس شخص کی زندگی کی بھیک مانگی۔ مسلمانان پاکستان کی دعائیں اور شاہ جی کی شفا رشتہ کار گرتا بت ہوئی۔ محمد نذیر کی سزائے موت عمر قید کے ساتھ تبدیل ہو گئی۔ اس پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے گورنر جنرل کے نام شکریہ کا ٹیلی گرام بھیج کر مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔ محمد نذیر پر مارشل لاء کی سزائے موت منسوخ کر کے اپنے قوم پر احسان کیا ہے۔ میں اس پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس نیک عمل کو سال نو کے لئے فال نیک بنائے۔“ آمین

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کے نام مکتوب

ملک کی تقسیم سے کچھ پہلے حضرت شاہ صاحبؒ امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے تھے۔ اور پھر خانگڑھ ضلع مظفر گڑھ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ شاہ صاحبؒ مجلس احرار کے بانی بلکہ اس جماعت کے روح رواں تھے۔ متحدہ ہندوستان میں آل انڈیا مجلس احرار اسلام نے تحریک آزادی ہند سر بلندی اسلام اور معاشی مساوات کے لئے مثالی کام کیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد جماعتوں کے مقاصد اور طریق کار نئی بنیادوں پر استوار کرنے کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے تحت مجلس احرار اسلام کی عاملہ کا اجلاس غالباً اکتوبر 1947ء کو ملتان میں ہوا۔ شاہ صاحبؒ اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ جس کی وجہ سے مجلس احرار اسلام کے مستقبل کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

مجلس عاملہ کا دوسرا اجلاس دسمبر 1947ء میں بمقام لاہور منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بھی وہ اگرچہ تشریف نہ لاسکے۔

لیکن آپ نے یہ تاریخی مکتوب گرامی لکھ بھیجا۔

جو مجلس احرار اسلام کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور پاکستان میں مجلس احرار اسلام کی بنیادی پالیسی قرار پایا ہے۔ یہ مکتوب گرامی ماسٹر تاج

الدین انصاریؒ جو اس وقت مجلس احرار اسلام کے صدر تھے کے نام لکھا گیا تھا۔

خان گڑھ 24 دسمبر 1947ء

برادر محترم المقام، ماسٹر جی!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

”ملتان کی میننگ میں علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بیماری بڑھتی گئی۔ اور آخر غالب آگئی۔ اس وقت میں نشست و برخاست بھی آسانی سے نہیں کر سکتا تفصیل کیا لکھوں کہ کیا گزری پھر عطاء الحسن اور عطاء المہین سلمہ بیمار ہو گئے۔ اور ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ ہم عطاء الحسن سے تھوڑی دیر کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خیر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا۔ اب اس کی حالت اچھی ہے۔ لیکن عطاء المہین بخار میں مبتلا ہے۔ رات بھی سالمہ سخت بخار میں تھی۔ یہ ہے میرا مختصر سا حال اس وقت میں اپنے بچوں کی خدمت کے قابل بھی نہیں۔ اور گھر میں کوئی دوسرا شخص بھی نہیں جو پریش احوال کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نہیں۔“ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**

اللہ تعالیٰ آپ کے اجلاس کو کامیاب بنائے اور آپ لوگ اپنی محنت کا پھل اٹھائیں۔ میں اپنے دل کی چند باتیں لکھ دیتا ہوں۔ اگر معقول معلوم ہوں تو قبول کر لیں۔ لیگ سے ہماری سیاسی کشمکش ختم ہو چکی اور الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو چکی۔ اس وقت لیگ قوتِ حاکمانہ ہے۔ عام مسلمانوں نے اس کو بنایا اور قبول کر لیا ہے۔ پاکستان نہ صرف مسلم لیگ کا بلکہ کانگریس کا تقسیم پنجاب کے اضافے کے ساتھ تسلیم کردہ معاملہ ہے۔ جس پر حضور برطانیہ کی مہر ثبت ہے۔ اس میں صرف مسلم لیگ کو ہدفِ ملامت بنانا آئینِ شرافت سے بعید ہے۔ اگر اچھا کیا تو کانگریس اور لیگ دونوں نے اور اگر برا کیا تو دونوں نے اب پاکستان بن چکا اور تقسیم پنجاب کو کانگریس نے پیش کر کے مسلمانوں سے

پاکستان کی بہت بڑی قیمت ادا کرائی اور کر رہی ہے اور نہ جانے کب تک سود در سود ادا کرنا پڑے گا۔ میری آخری رائے اب یہی ہے۔ کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہئیں اور اس کے لئے عملی قدم اٹھانا چاہئے۔ مجلس احرار کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ اور خلاف شرع کام میں اجتناب۔ اصلاح احوال کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ”الدین النصیحة“ پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ یہ ارشاد ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔ مجلس کا قیام و بقاء بہر حال ایک شرعی امر ہے تبلیغ اعتقاداتِ صحیحہ اور تنقیدِ رسوماتِ قبیحہ اعلیٰ کلمۃ الحق اعلان و بیان ختم نبوت اظہار فضائل صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مجلس کے فرائض میں سے ہے۔ خصوصاً اس دورِ لادینی میں جنس انسان کی تمام مشکلات کے لئے شریعت محمدیہ ”علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ“ کو ہی حل پیش کرنا ہمارا وہ فریضہ ہے کہ اگر اس میں دارورسن تک بھی رسائی ہو جائے تو الحمد للہ۔ اس لئے مجلس کے قیام و بقاء کی بہر حال کوشش دینی چاہئے۔ اگر دوستوں کو یہ باتیں معقول نظر آئیں تو ان بنیادوں پر آئندہ زندگی کی عمارت استوار کر لیں ورنہ جیسے ان کی مرضی میں کسی کی راہ میں حائل نہیں۔ اب میں تھک گیا ہوں، ورنہ مفصل بھی لکھ سکتا تھا۔

غریب الحیار

سید عطاء اللہ شاہ بخاری¹



مولانا تاج محمود کے نام خط ①

برادر محترم و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دونوں خط مل گئے ہیں۔ جواب میں تاخیر کی وجہ ننھی کی علالت ہے۔ اسے بہت شدت کا بخار آیا اور میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اب کچھ آفاقہ ہو رہا ہے تو یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔ باقی حضرت مولانا کے ارشاد کی تعمیل کے لئے احرام باندھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ ۲۵ سے پہلے پہنچوں گا۔ آج آپ کو اطلاع ہو جائے گی لیکن اطلاع آپ تک اور مولانا تک ہی محدود رہے تاکید ہے۔ گھر سے تو اس دفعہ شاید میرے ساتھ نہ آسکیں کیونکہ ننھی ابھی پلنگ سے نیچے اترنے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔

دُعا سے دریغ نہ فرمائیں آپ لوگوں کی دعاؤں کا محتاج ہوں اور بس اُمید ہے آپ لوگ بخیریت ہوں گے۔ رانی سلمہا اور انجینئر صاحب کو دعائیں اور مولانا کی خدمت میں سلام مسنون پہنچوادیں۔

والسلام

مع الاکرام

دُعا گو

۱۹ مئی ۱۹۵۹ء ملتان شہر

1. مولانا تاج محمود آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے سرگرم کارکن اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما اور ترجمان تھے۔ ہفت روزہ ”لولاک“ کے نام سے رسالہ جاری فرمایا۔ جو تقریباً تیس سال تک ہفت روزہ اور اب ماہنامہ کی صورت میں مرزا ایت کے تعاقب میں مصروف ہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں گرفتار ہوئے اور بدنام زمانہ شاہی قلعہ میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں صف اول کے قائدین میں سے تھے۔ جنوری ۱۹۸۴ء میں انتقال فرمایا۔ اپنی بنائی ہوئی مسجد جامع مسجد محمود ریلوے اسٹیشن فیصل آباد کے مشرقی جانب آرام فرماہیں۔

2. ۲۵ کے آگے مہینہ کا تذکرہ نہیں نیچے دی گئی تاریخ سے ماہ مئی معلوم ہوتا ہے۔

مولوی نذیر حسین پنوں عاقل کے نام

مکرمی و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ رسالہ ۲^{جے} تو انشاء اللہ تعالیٰ میرے خط سے پہلے پہنچ چکا ہوگا۔ باقی آپ کی کھٹک تو صحیح ہے، فکر صحیح نہیں۔ تقسیم سے پہلے لیگ کے ساتھ ہمارے بہت سے اختلافات تھے۔ ہم نے قوم کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا، لیگ نے اپنا قوم نے لیگ سے اتفاق کیا اور لیگ قوت حاکمہ بن گئی۔ مد مقابل پارٹی نہ

1. شاہ جی کے اس خط پر صرف ۲۰ رمضان المبارک کی تاریخ درج ہے سن ہجری درج نہیں۔ مکتوب الیہ مولوی نذیر حسین صاحب مرحوم نے اپنے خط پر ۱۶ رمضان المبارک اور ۲۲ جون کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔ مگر دونوں تاریخوں کے سنیں درج نہیں کئے۔ مولوی نذیر حسین صاحب مرحوم نے ۲۲ جون کی تاریخ درج نہیں کی ہے جب کہ تقویم کے مطابق ۱۶ رمضان المبارک کو ۲۱ جون بنتی ہے۔ تقویم کے لحاظ سے دونوں خطوط کے جو سنیں نکلتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

مولوی نذیر حسین صاحب مرحوم..... ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۵۱ء بروز جمعرات حضرت شاہ جی..... ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۱ء بروز پیر ملا حظہ ہو تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) سنہ ۳۳۳ مرتبہ عبدالقدوس ہاشمی، ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد (طبع دوم ۱۹۸۷ء)

2. مابھی ”مستقبل“ ملتان۔ (۱۹۵۱ء) مدیر جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابو ذر معاویہ بخاری (ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ امیر شریعت نمبر حصہ اول ص ۷۸)

رہی۔ ہم بہر حال رعایا بن گئے۔ ہم لوگ شروع سے ملکی معاملات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مقاصد بھی رکھتے تھے اور اب تک بفضلہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ان دینی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی اور صورت اگر ہو سکتی ہے تو ارشاد فرمائیں؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اور اب کسی صورت میں اس کو بدلنا قومی ہلاکت و تباہی ہے۔ اصلاح احوال سے انکار نہیں وہ بھی ہم کر رہے ہیں مگر مخالف بن کر نہیں۔ موجودہ وقت میں اس فتنہ مرزائیت کے مقابل میں جو کامیابی ہم کو حاصل ہو رہی ہے وہ باہمی تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ بصورت ”دیگر منکر مئے بودن و ہمرنگستان زیستن“ مشکل ہے۔

روزہ میں یہ مختصر سا جواب عرض خدمت ہے اسے آپ خود ذرا پھیلا کر دیکھیں اور ہماری مشکلات کا اندازہ لگائیں۔ لیگ کی مخالفت فی نفسہ کوئی کار خیر نہ تھا نہ ہے۔ کسی مقصد مالی کے لئے مخالفت و موافقت معنی رکھتی ہے۔ عہد فرنگی میں اختلاف با معنی تھا۔ اب اتفاق سے ہی اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے۔ ورنہ سرخ پوش، انجمن وطن اور دوسری جماعتیں کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ فافہم و تدبر۔

والسلام مع الاکرام

دعا گو غریب الدیار

فقیر سید عطاء اللہ شاہ بخاری



بخدمت جناب مشفق غلام قادر صاحب بازدار ①

(جاں پور پیر والا ضلع ملتان)

مشفق و علیکم السلام ورحمۃ اللہ

محبت نامہ پہنچا پڑھ کر خوشی ہوئی۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہیں۔ انہی پر بھروسہ چاہئے میں پہلی دسمبر سے آج تک علیل ہی ہوں اور اللہ جانے کب شفا نصیب ہوگی بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ عطاء الحسن سلمہ ایک ہفتہ سے بخار میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اسے بھی میعادِ تپ معلوم ہوتا ہے۔ چھوٹے کا بخار اتر گیا ہے۔ لیکن وہ اتنا کمزور ہے کہ ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ یہ ہے ہمارا حال مع احباب دعا کریں۔ میری طرف سے مرید حسین سلمہ کو مبارک ہو۔ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ تم لوگوں کو بہت ہوشیاری سے کام کرنا چاہئے۔ ملازمت بہر حال ملازمت ہے۔ رشتہ داری نہیں۔ ادنیٰ سی غفلت پریشانیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ نہایت احتیاط سے کام کرو اور اللہ کا شکر کرو۔ نماز میں غفلت نہ ہو۔ اب میں تھک گیا۔ سب کو علیٰ حسب مراتب سلام و دعا۔

والسلام

دعا گو

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

۷ جنوری ۱۹۳۳ء امرتسر

1. حاجی غلام قادر صاحب بازدار مرحوم حضرت شاہ جہاں کے دیرینہ قریبی خادم اور مجلس احرار اسلام کے کارکن تھے حضرت شاہ جہاں پور تشریف لاتے تو کئی کئی دن تک حاجی صاحب کے گھر قیام پذیر رہتے۔ حاجی صاحب مسجد بازداروں میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور دینی و دعوتی امور میں سرگرم کردار ادا کرتے رہے۔ ان کے بڑے بیٹے جناب مرید حسین صاحب المعروف مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جلال پور میں دینی ادارہ مدرسہ عربیہ رحمانیہ کی بنیاد رکھی۔ اور شوریائی نظم کے تحت اس ادارہ کو چلایا۔ اب حاجی صاحب مرحوم کے پوتے شوریائی نظم کے تحت اس ادارہ کو چلا رہے ہیں۔ اور یہ ادارہ تحصیل بھر میں سب سے بڑا دینی ادارہ ہے۔

امیر شریعت کا ایک سفارشی خط

تحریر: سید ضمیر جعفری
روایت: ظفر اقبال سلیم

بعض لوگوں کی گفتگو اتنی رس بھری ہوتی ہے کہ اگر وہ عین میں اپنا کہا: واللہ دیں تو ایک دلچسپ مطالعہ مرتب ہو جائے ہمارے دوست ظفر اقبال سلیم کو قدرت نے جو ہر بڑی بیاضی سے عطا کیا ہے ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں امیر شریعت حضرت سید عطا، اللہ شاہ بخاری رحمہم کے ایک سفارشی خط کی روداد سنائی جو تقریباً انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

میں ایم۔ اے پاس کر کے اپنے آبائی شہر سانگلے (سانگلاہل) چلا آیا۔ اپنی سے ایک دوست نے جو میری طرح تازہ تازہ ایم۔ اے پاس کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ دیکھا کہ یہاں کراچی کے ایک کالج میں لکچرار کی اسامی خالی ہے۔ پرنسپل صاحب اقرار کے تیار ہیں۔ سنا ہے کہ پرنسپل صاحب سید عطا، اللہ شاہ بخاری سے ارادت رکھتے ہیں، انہوں نے کہ ان سے ایک سفارشی خط لیکر بھیج دو۔

نہیں شاہ صاحب کو ان کے قائدانہ مرتبے اور خطابت کی شہرت سے نو ہانتا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ جیل کے اندر ہیں یا جیل کے باہر۔ حمید نظامی صاحب (بانی رونا) نے میرے مراد میں تھے۔ ان سے اتنا پتہ دریافت کیا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب انان میں قیام پذیر ہیں۔

سانگلے کی ریل گاڑی تڑکے تڑکے ملتان پہنچتی تھی۔ میں اس شہر سے تھکا ہوا آف نہ تھا۔

اسٹیشن سے نکلتے ہی ایک صاحب سے جنہوں نے جون کے مہینہ میں مغربی سوٹ بوٹ ڈانٹ رکھا تھا۔ شاہ صاحب کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے نہ صرف لاعلمی ظاہر کی بلکہ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ:

”اے نوجوان! ہم سرکاری ملازم ہیں ہم ادھر سے گزرتے ہی نہیں جہاں سے شاہ صاحب کا گزر ہو“ (جیسے کہہ رہا ہو کہ ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں) مگر دوسرے ہی آدمی نے جو عوام الناس کے مانند کٹا پھٹا تھا شاہ صاحب کے ٹھکانے کی نشاندہی کر دی۔ اگرچہ موصوف صرف اتنا ہی بتا سکے کہ شاہ صاحب حسین آگاہی کی کسی مسجد میں درس دیتے ہیں۔¹

ملتان خدا کے فضل سے مساجد کا شہر ٹھہرا۔ حسین آگاہی میں دو مسجدیں جھانکنے کے بعد تیسری میں جا کر امید برآئی۔ وہ بھی بقدر نصف۔ مسجد میں بچے قرآن پاک تو پڑھ رہے تھے مگر شاہ صاحب کی بجائے کوئی² اور مولوی صاحب درس دے رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب گھر پر ہیں کیونکہ ان کی طبیعت چند روز سے ناساز ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا ”مولانا! میں بڑی دور سے آیا ہوں۔ حاضری ضروری ہے براہ کرم کوئی شاگرد رہنمائی کے لئے میرے ساتھ کر دیجئے“ مولوی صاحب قدرے ہچکچائے کچھ دیر مجھے سرسے پاؤں تک دیکھتے رہے۔ انکار کرنا چاہتے تھے مگر نہ کر سکے کہ

مروت حسن عالمگیر ہے مردانِ غازی کا
آخر ایک شاگرد میرے ساتھ کر دیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ دور سے آستانہ دکھا کر واپس آجائے گا۔

آستانہ مسجد سے خاصا دور تھا۔ ہم وہاں تک تانگے پر گئے۔ شاگرد نے استاد کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی دور سے شاہ صاحب کے آستانے کی نشاندہی کر کے لوٹ گیا۔

1۔ ان صاحب کو سہو ہوا۔ شاہ بی اُس مسجد میں درس نہیں دیتے تھے۔

2۔ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پٹی جو حضرت شاہ بی کے تین بیٹوں کے استاد تھے اور مسجد سراجاں حسین آگاہی میں بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے تھے۔ (کفیل)

دل کو پہلا دھچکا مکان کو دیکھ کر لگا۔ ہمارے ملک میں ایک بطل جلیل اور اتنے معمولی سے مکان میں رہائش پذیر۔ دروازے پر دستک دی تو ایک مولوی صاحب نکلے وہ مجھے اندر لے گئے۔ شاہ صاحب پہلے ہی کمرے میں تشریف رکھتے تھے۔ جو خاصا کشادہ تھا۔ چٹائی بچھی تھی۔ برصغیر پاک و ہند کا شعلہ نوا خطیب اور جنگ آزادی کا عظیم مجاہد ایک دیوار کے قریب ایک پرانے سے تنکے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چند کاغذات سامنے بکھرے پڑے تھے۔ ایک پلندہ تنکے کے نیچے دبا رکھا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر جس میں تپاک کی گرمی تھی پھر اپنے کاغذات پر جھک گئے۔ چند کاغذات تنکے سے نکالے۔ چند تنکے میں رکھے۔ پھر خاکسار کو ایک نگاہ بندہ نواز سے نوازا اور گویا ہوئے۔ ”عزیزم! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ کہو فقیر کے پاس کیسے آنا ہوا؟“

اس سے بیشتر کہ میں کچھ عرض کرتا۔ فرمایا! ”ماشاء اللہ! آپ ابھی نو جوان ہیں انگریزی آپ کے چہرے پر لکھی ہے ابھی عملی زندگی کی دہلیز پر کھڑے ہیں کیا آپ کو کسی نے فقیر کے ہاں آنے سے روکا تو نہیں؟“

میں بات نہ سمجھ سکا اور بولا ”حضور کوئی مجھے کیوں روکتا۔“

شاہ صاحب کا چہرہ مسکراہٹ سے کھل اٹھا فرمایا۔ ”ہمارے دروازے پر سی آئی ڈی کی نگرانی رہتی ہے کہیں آپ کا نام بھی گروہ وفا مستان کی فہرست میں نہ لکھ لیا جائے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔“

میں دل میں قدرے ہراساں تو ہوا کہ دوست کو نوکری دلواتے دلواتے کہیں اپنی ملازمت ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ بہر حال دل گردے پر ہاتھ رکھ کر ذرا کراری سی آواز میں اپنا مدعا بیان کیا اور حضرت کی خدمت میں باریابی کے متعلق اپنے اشتیاق اور جگر داری کا جذبہ حفیظ جالندھری کے ایک مصرع میں اس طرح ظاہر کیا کہ:

دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں

عرض مطلب سننے کے بعد شاہ صاحب کی پیشانی پر ایک لچھے کے لئے ایک متفکری

شکں نمودار ہوئی پھر دوسرے ہی لچھے ایک دل نواز تبسم میں ڈھل گئی۔

”صاحبزادے! آپ نے جن پرنسپل صاحب کا نام لیا ہے میں تو ان سے واقف نہیں وہ شاید مجھے جانتے ہوں، خیر!“

کمرے کے گوشے میں شاہ صاحب کی نشست کے نزدیک پانی کی ایک سراجی اور تین کا ایک ڈبہ رکھا تھا۔ آپ نے سراجی سے پانی اور ڈبے سے کچھ دیسی شکر نکالی۔ اور ایک کلاسیکی کنورے میں شربت گھولنے لگے۔ باتیں بھی ہو رہی تھیں شربت بھی تیار ہو رہا تھا۔ ادھر میرادل ڈوب جا رہا تھا۔ کہیں یہ مشروب میری ہی تواضع کے لئے نہ بن رہا ہو۔ میں نے دیسی شکر کا شربت کبھی پیا نہ تھا۔ برف بھی نہ تھی۔ حالانکہ جون کا مہینہ تھا۔ لیکن جب شاہ صاحب نے شربت میری طرف بڑھایا تو میں پورا کنورا غنا غٹ ایک سانس میں پی گیا۔ شاہ صاحب غالباً میرے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ بھانپ گئے تھے۔ ”فقیر کے ہاں تو یہی کچھ حاضر ہے۔“

وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہتے تو میرے لئے ان کی ایک نگاہ ہی کافی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ دیسی شکر کے اس ایک کنورے نے زندگی سے میرے ربط کا زاویہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

”میں ان صاحب کو جانتا تو نہیں“ شاہ صاحب کہہ رہے تھے۔ ”بہر حال“ اگر میرے چند لفظوں سے کسی کا کام سنور جاتا ہے تو اس سے میرے دل کو بھی آسودگی ملے گی۔ ہم کرسی پر تو نہیں۔ تاہم بعض لوگ ہماری بات سن بھی لیتے ہیں“ یہ کہہ کر آپ نے یہ مصرع پڑھا۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اب آپ نے تکیے کے نیچے سے کورا کا غنڈ نکالا اور رواں دواں چند سطور لکھ دیں۔ زندگی میں اب تک ہم نے ہزاروں سفارشی خط دیکھے ہیں۔ لیکن اتنی غیر سفارشی سفارشی نظر سے نہیں گزری۔ لکھا تھا کہ:

خط کا مضمون

”ہر چند فقیر کو آپ سے کوئی سابقہ نیاز تو حاصل نہیں لیکن ایک نوجوان کی ضرورت کے احساس سے یہ سطور لکھ رہا ہوں“ (یہاں تک تو سفارش ٹھیک چل رہی تھی لیکن آگے آپ نے صاف صاف یہ لکھ دیا) کہ ”اگر یہ کام آپ کے ہاتھوں ہو گیا تو

گویا یہ کام آپ نہیں کریں گے بلکہ خدا کرے گا۔ اور اگر خدا کو منظور نہ ہو تو ظاہر ہے یہ کام آپ نہیں کر سکتے۔“

شاہ صاحب نے کچھ غلط بات نہیں لکھی تھی مگر آج کے زمانے میں اتنی درست بات کون سنتا ہے؟ سفارش کی زبان پر خود ہمارے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ ہمارا کمزور ایمان ڈگمگا رہا تھا کہ ایسی سفارش پر جس میں آدمی کے پاس کوئی اعتبار ہی نہ رہنے دیا گیا ہو بھلا کوئی آدمی کیوں دھیان دے مگر صاحب! ہمارے دوست کو وہ آسامی مل گئی۔ سچ ہے کہ خدا اتنا ہی نہیں ہے جتنا آدمی کو نظر آتا ہے۔

ایک ذاتی سی فہمائش جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی یہ فرمائی ”بیٹا! محرومیوں نے باوجود اپنی ذات پر اعتماد قائم رکھنا۔ قوموں کی زندگی ایک تسلسل کا نام ہے۔ اس تسلسل کو زندہ رکھنا۔“ شاہ صاحب کے ایک ایک لفظ سے اضطراب و جلال کا دریا چھلک رہا تھا۔ ان کی آواز دور دور تک جا رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی زخمی شیر دھاڑ رہا ہو۔

میں بلکہ سارا ماحول اس وقت شاہ صاحب کے سحر خطابت میں جھوم رہا تھا۔ حقائق ان میں تر از و ہو رہے تھے۔ ادب کا سرچشمہ اہل رہا تھا۔ وہاں سے اٹھنے کو جی تو کیا چاہتا مگر ساتھ ہی ڈر لگ رہا تھا کہ اگر سی آئی ڈی نے پہلے چشم پوشی سے کام لیا بھی تو اب ضرور دھر لے گی۔ پنانچہ ایک مقام پر جیسے ہی ان کا آشوب دل ذرا دھیمہ ہوا ہم اجازت لے کر آستانے سے باہر نکل آئے مگر بہت دور تک قدم اور دل بوجھل بوجھل رہے۔ یہ ملال کا بوجھ تھا کہ دیکھو جو شخص اس ملک کی آزادی کے لئے اپنے خون جگر سے چراغ روشن کرتا رہا اس کے حجرے میں بتی نہ دیا ہے! (بشکریہ ”اردو ڈائجسٹ“ دسمبر ۱۹۸۳ء)

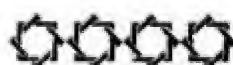
میں تو نوکریاں چھوڑانے والا پیر ہوں

ایک عقیدت مند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ کہیں ملازمت کا امیدوار تھا اس نے اپنی آمد کا مقصد عرض کیا اور ایک آفیسر کے نام سفارشی مکتوب کی خواہش کا اظہار کیا۔

جواباً شاہ صاحب نے فرمایا ”بھائی میں تو نوکریاں چھڑانے والا پیر ہوں اگر ملازمت کے لیے کسی سفارش کی ضرورت ہے تو کسی سجادہ نشین یا کسی مخدوم یا کسی بڑے لیڈر کے پاس جاؤ۔ ہماری آشنا نوازی کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ کہیں ملازم ہوں اور آپ کے اعلیٰ افسر کو معلوم ہو جائے یہ عطاء اللہ شاہ کا ملنے والا ہے تو فوراً آپ پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے گی اور آپ ملازمت سے سبکدوش ہو کر آرام سے گھر میں بیٹھے ہوں گے۔“ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا بھانجا فوج میں بھرتی ہو گیا۔ میں اس کی والدہ کو ملنے کے لئے گیا جو میری پو پھی زاد بہن تھی۔ وہ اپنے بیٹے کے غم میں رو رہی تھی میں نے اسے کہا۔ ”دیکھو بہن! اگر تیرا بیٹا ہفتے کے اندر واپسی آوے تو میرا لیا انعام؟ کچھ انعام طے پا گیا۔ میں نے اسی روز اس کو ایک خط لکھا۔ (وہ اس وقت بنگال کی کسی چھاؤنی میں تھا)

”عزیزم! آپ بڑی مناسب جگہ پر پہنچ گئے ہیں اپنے کام کی رفتار سے مجھے مطلع کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ۔“ نیچے میں نے دستخط کئے۔ ”سید عطاء اللہ شاہ بخاری“ خط سنسہ ہو کر اس یونٹ کے انگریز کرنل کو پہنچا اس نے فوراً میرے بھانجے کو بلایا۔ اور پوچھا ”کون ہے عطاء اللہ شاہ بخاری؟“ اس نے بتایا۔ تو کرنل نے اسے واپس جانے نہیں دیا بلکہ اس کا سامان وغیرہ منگوا کر فوراً ہی چھاؤنی سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔“ اس کے بعد سفارشی مکتوب لینے والے کو فرمایا ”بھائی! ہمارا نام تو اس کام کے لئے ہے اگر کہیں ملازم ہو جاؤ تو پھر میری خدمات حاضر ہیں۔“

اے ہم نفساں ! آتشم از من بگریزید
ہر کس کو شود ہمرہ ما دشمن خویش است ۱



از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت

بالمقابل ریڈیو پاکستان بندر وڈ کراچی

مورخہ 5 اپریل 1952ء

السلام علیکم!

پاکستان میں مرزائیت کی سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں سے یقیناً آپ بے خبر نہیں ہوں گے۔ ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے چند گزارشات عرض خدمت ہیں۔ امید ہے کہ توجہ فرما کر مشکوٰۃ فرمائیں گے۔

☆ اپنے زمانہ اقتدار میں حکومت برطانیہ نے اپنی بعض سیاسی اغراض کو برسر کار لانے کے لئے مرزائی جماعت کو جنم دیا۔ برطانوی استعمار کے سایہ میں پرورش پا کر اس جماعت نے غلامی کے بندھنوں کو مضبوط کرنے میں ایک نمایاں پارٹ ادا کیا۔ جیسا کہ حضرت علامہ قبالؒ نے اپنے بیان میں فرمایا۔

☆ مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں مرزائیت کا کام یہ رہا ہے کہ وہ ہندوستان میں ان کی سیاسی غلامی کو الہام کی بنا پر حق بجانب ثابت کرے۔ (حرف اقبال صفحہ 157)

☆ اسلام اور عیسائیت میں صدیوں سے جنگ جاری ہے۔ اس سلسلے میں انگریزوں کی خلافت عثمانیہ کو اپنی راہ میں ایک بڑی روکاؤ سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس کے باعث تمام ممالک اسلامیہ ایک لڑی میں منسلک تھے۔ چنانچہ خلافت عثمانیہ کو تباہ اور اتحاد اسلامی کو ختم کرنے کے لئے جہاں لارڈ لارنس، جان فلیس وغیرہ انگریزوں کو مسلمانوں کے بھید میں جاسوسی کرنے اور انتشار پھیلانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ وہاں شریف مکہ اور مرزا غلام احمد قادیانی ایسے لوگوں کو بھی اتحاد اسلامی کو تباہ کرنے پر آمادہ کر لیا گیا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی پارٹی نے ایک منظم طریق سے اتحاد اسلامی کی جڑ پر کلہاڑا چلایا۔ تبلیغ کے نام پر قادیانی مبلغین اسلامی ممالک میں حکومت برطانیہ کی جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج نہ صرف خلافت عثمانیہ ہی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ بلکہ تمام

ممالک اسلامیہ بھی برطانوی سازشوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔
 ☆ ہندوستان کی آزادی اور اسلامی ممالک کے تحفظ کے معاملہ میں مرزائیوں نے کبھی بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ برطانیہ کو اس کی سازشوں کی تکمیل میں امداد بہم پہنچاتے رہے۔ ہندوستان کی آزادی کے وقت انگریز نے کمال عیاری سے مرزائیوں کو پاکستان میں برسرِ اقتدار لانے کی کوشش کی جس میں وہ پوری طرح کامیاب رہا اور ہمارے زعماء نے جو مرزائیت کی حقیقت سے نا آشنا تھے۔ سر ظفر اللہ کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنے وکیل کی حیثیت سے پیش کر دیا۔ لیکن چوہدری ظفر اللہ صاحب کے کٹر قادیانی ہونے کے باوجود بھی مرزائیوں نے آپ کو اپنی نمائندگی کا حق نہ دیا۔ بلکہ ”جماعت احمدیہ“ کی طرف سے شیخ بشیر احمد ایڈوکیٹ کو وکیل کی حیثیت سے باؤنڈری کمیشن کے روبرو پیش کیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر گورداسپور کا ضلع جو کہ پیشتر ازیں فیصلہ کے مطابق پاکستان کا حق تھا۔ پاکستان کو نہ ملا۔ پھر نکانہ، اور قادیان کے تبادلہ کی کوشش کی گئی۔ لیکن حکومت پاکستان کے کسی حساس رکن کی بروقت تنبیہ کے باعث یہ سکیم بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ لیکن اتنا ضرور ہو گیا کہ نکانہ میں سکھ سیوا داروں کی جگہ ہندوستان میں مسلمانوں کو کسی جگہ ٹھہرانے کے بجائے تین سو 300 مرزائیوں کو قادیان میں ٹھہرنے کی اجازت مل گئی۔

☆ پاکستان میں ایک طے شدہ پلان کے مطابق بہترین کوٹھیاں، کارخانے اور زمینیں مرزائیوں کو الاٹ ہوئیں۔ اور پنجاب کے رُسوا زمانہ گورنر سر فرانسس موڈی نے دریائے چناب کے کنارے ایک آنہ فی مرلہ کے حساب سے مرزائیوں کو سینکڑوں ایکڑ زمین دے کر ایک خالص قادیانی بستی بسانے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ حکومت پہلے یہ زمین کسی دوسرے ادارے کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب دینے سے انکار کر چکی تھی۔

☆ سر ظفر اللہ کے اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک منظم طریق سے

ملازمتوں پر قبضہ جمایا جا رہا ہے۔ وزارت خارجہ کی راہ سے اسلامی ممالک میں مرزائیوں کے اڈے قائم کئے جا رہے ہیں اور مرزائیت کی حقیقت سے نا آشنا عالم اسلام کے عوام اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسلئے ہمارا یہ دینی و ملی فرض ہے۔ کہ اُمت مسلمہ اور عالم اسلام کو اس فتنہ کے شکار ہونے سے بچانے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے لازماً ایک مضبوط تبلیغی مشن کی ضرورت ہے اور الحمد للہ کہ مجلس احرار اسلام نے اس ذمہ داری کا بار اٹھایا ہے۔

☆ گذشتہ دو سال سے نہ صرف عوام بلکہ اعلیٰ حکام اور عمائدین سلطنت سے بھی فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے ان کو اس فتنہ کی حقیقت سے آگاہ کیا ہے جس کے اثر سے پہلے سال تقریباً تین سو 300 مرزائیوں نے مرزائیت سے توبہ کی اور گذشتہ سال ستر کنبے تائب ہوئے۔۔۔۔۔ اس وقت جماعت کے بیس مبلغین ملک کے مختلف گوشوں میں کام کر رہے ہیں۔ کراچی میں دفتر کھول دیا گیا ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں کام شروع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ..... بہت جلد بیرونی ممالک کو وفد روانہ کر دیئے جائیں گے۔ جن کے لئے انگریزی دان مبلغوں کی تلاش کی جا رہی ہے۔ جماعت کے زیر تجویز آئندہ سال جتنا کام ہے اس کے لئے کم از کم ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے جماعت ہر صاحب نصاب مسلمان سے زکوٰۃ کے چوتھائی حصہ کی درخواست کرتی ہے۔ امید ہے کہ آپ دین کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے نہ صرف خود میری درخواست پر غور کریں گے۔ بلکہ اپنے احباب کو بھی اس طرف توجہ دلائیں گے۔

والسلام

آپ کا مخلص

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

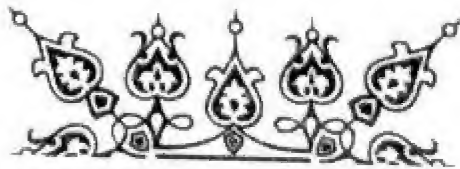
دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بالمقابل ریڈیو پاکستان بندرہ کراچی

ماہنامہ ”الواک“ ملتان جولائی 2003ء



باب نم

شاہ جی کی شاعری



www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ جی! ایک سخن فہم و سخن گو شاعر

حضرت امیر شریعتؒ نہ صرف سخن فہم اور سخن شناس تھے۔ بلکہ اپنے زمانہ کے بڑے شاعر تھے اگر شاعری کو بطور فن اپناتے تو بڑے بڑے اساتذہ کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ آپ نے تفقن طبع کے طور پر کبھی کبھی شعر کہے۔ آپ کی شاعری رحمت دو عالم ﷺ کی تعریف و توصیف، اور دشمنان رسالت مآب ﷺ کے رد میں ہے۔ آپ کا کلام آپ کے بڑے فرزند ارجمند اور جانشین مولانا سید ابوزر بخاریؒ نے آپ کی زندگی میں شائع فرمایا۔ آپ کی شاعری پر علامہ طالوت نے کیا ہی خوب لکھا پڑھئے اور سردھنئے۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے، جب کہ عرب قبائلی زندگی بسر کرتے تھے، ہر قبیلہ کا ایک شاعر اور ایک خطیب ضرور ہوتا تھا جس قبیلہ میں شاعر یا خطیب نہ ہوتا وہ کم مرتبہ خیال کیا جاتا جس قبیلہ کے شاعر و خطیب بلند مرتبے کے مالک ہوتے وہ دوسرے قبائل سے سربرآوردہ خیال کیا جاتا..... اس لئے شاعر قوم کا دل خیال کیا جاتا تھا، خطیب قوم کی زبان متصور ہوتا تھا، اور قبیلے کا سردار قوم کا دماغ، اور نو جوان اس کے دست و بازو شمار کئے جاتے تھے..... دل جہاں نہ ہو وہاں دست و بازو اور دماغ کیا کام دے سکتے ہیں۔ اور زبان نہ ہو تو دل و دماغ کی ترجمانی کیونکر ہو،..... بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دل اور زبان کا کام ایک ہی شخصیت سے لیا گیا، اسلام آیا تو قرآن کے سامنے نہ شاعری کا زور باقی رہا، اور نہ خطابت کا چراغ جل سکا..... پھر

جی شعراء اور خطیب باقی رہے۔ مگر اب وہ عصبيت جاہلیہ کو بھڑکانے والے نہیں تھے، بلکہ قرآن کے مبلغ اور اسلام کے مدافع تھے..... اسلامی فوجوں میں دونوں کا وجود ثابت ہے، اور یہ دونوں فوجی نظام کا ایک اہم جزو خیال کئے جاتے تھے..... پھر جب اسلام ہر بلند و پست پر چھا گیا اور اس کی فوجیں فتح ممالک کے ساتھ ساتھ نظم ممالک کا کام بھی کرنے لگیں تو شعر و خطابت نے اپنی اپنی راہیں بدل دیں، شعراء مدح و بھوک کی راہ پر چل کر اگرچہ اپنی جیبیں بھر لیں، مگر اپنا وقار کم کر لیا خطیبوں نے قوم کے بگڑتے ہوئے اخلاق کو سدھارنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا، اور اپنی عزت اگرچہ پہلے سے زیادہ کر لی مگر ع

”چہ خورد با مداد فرزندم“
کے مسئلہ پر پہنچ کر ششدر رہ گئے، پھر محض قصاص اور پیشوور بن گئے جن کے متعلق ع

”چوں بخلوت میروند آں کاریگر مے کنند“
کا فتویٰ صادر کیا گیا۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی رہے جنہوں نے کما کر کھانے اور حق کہنے کی قسم کھا رکھی تھی، وہ ممبروں پر بھی حق کہتے رہے اور جب ایسا وقت آیا کہ: ع

”بردار تو اں گفت بہ ممبر نتواں گفت“
تب بھی انہوں نے حق کہنے سے دریغ نہ کیا..... جب مشرق و مغرب سے عرب قیادت کا ناٹ لپیٹ دیا گیا تو شاعری نے عشق بازی کی رسوائی کو طرہ امتیاز بنالیا، اور خطابت غیروں کے کام آنے لگ گئی۔ ع

”ایں ہم رفت و آں ہم رفت“
ہر کلیہ میں استثناء ضرور ہوتا ہے، چنانچہ بعض صوفیاء اس دور میں بھی مستثنیٰ رہے، جنہوں نے شاعری کو رسوائی سے علیحدہ رکھا، اور خطابت کو قصہ گوئی سے بچا کر اغیار کی دست برد سے بھی محفوظ رکھا، مگر ان کی حیثیت الشاذ کا معدوم سے زیادہ نہ تھی۔

2 ﴿بر عظیم پاک و ہند میں اسلام گجرات کا ٹھیاواڑ کے راستے سے داخل ہوا، جہاں عرب اپنی تجارت کے سلسلے میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ مگر اس کا نفوذ اس وقت جا کر پورا ہوا جب محمد

بن قائم سندھ کے راستے سے ملتان و لاہور تک فاتحانہ در آیا۔ پھر جب اسلام کے سیاسی سفیر معین الدین اجمیری نے دہلی، پنجاب اور راجپوتانہ کا دورہ کر کے شہاب الدین غوری کو بلایا تو یہ نفوذ اور بھی بڑھ گیا۔ کچھ دن اجمیری اور غوری کے جانشین مل کام کرتے رہے، مگر ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ ان کی راہیں الگ ہو گئیں..... پھر بھی ایک دوسرے سے اتنا بعد نہیں تھا کہ اجنبیت کا خیال گزرتا۔ کبھی اجمیری کے جانشین دہلی تک چلے جاتے اور کبھی غوری کے جانشین خانقاہوں تک قدم رنج فرما لیتے..... خانقاہوں نے تخت و تاج کی حفاظت کی اور تخت و تاج نے خانقاہوں کو جاگیریں عطا فرمائیں..... اور دونوں ع

”من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو“

کے کوچہ میں پہنچ کر اپنے اصل مقصد سے دور ہو گئے..... خانقاہوں میں تخت و تاج کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں، اور تخت شاہی پر سے اہل خانقاہ کی ترغیب و ترہیب کے لئے منصوبے تیار ہونے لگے۔ ”بذلک الایام نداولہابین الناس“ کی صداقت نے کبھی اہل خانقاہ کا ساتھ دیا۔ اور کبھی تاج و تخت کا..... تاج مغل اعظم نے الحاد کے ساتھ ساز باز کر کے اہل خانقاہ کو مارکیٹ بدر کر دیا مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا مغل اعظم کے جانشین نے سرہند میں کھٹنے ٹیک دیئے اور اہل خانقاہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پھر بلند و پست پر چھا گئے..... اسی زمانہ میں مغرب کے دندان آزر کی تیزی کی داستانیں بھی اس بر عظیم تک پہنچنے لگ گئی تھیں۔ حکمت و طب کے پور دروازے سے گزر کر کچھ لوگوں نے اس بر عظیم کی نفع بخشی کا جائزہ لیا، تو اسی چور دروازے سے تجارت کی راہیں پیدا کی گئیں، تا آنکہ..... ایک وقت ایسا آیا، کہ اہل خانقاہ تاج و تخت سے بیزار ہو کر بالکل الگ ہو گئے۔ اور تاج و تخت بحیرہ فرنگ کی موجوں میں ہچکولے کھانے لگ گیا۔ موجیں اگرچہ تند و تیز نہیں تھیں مگر تخت کی بوسیدگی اور ناخداؤں کی ہوانا شناسی کی وجہ سے آخر یہ تخت ایسا غرق ہوا کہ اس کا ایک تختہ بھی کہیں ظاہر نہ ہوا۔ سرنگا پٹم کے پاس اس کا ایک کنارہ ذرا سا ظاہر ہوا بھی، تو اسے نظام دکن کی نظر کھا گئی اور۔

بیک گردش چرخ نیلوفری
نہ تادر بجا ماند نے نادری

۴۳ تخت و تاج سے نمٹنے کے بعد نئے حاکموں نے پہلے تو قانون خداوندی کو پورا کیا۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا إِذْلَةً ۖ

وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ (النمل : 34)

”بادشاہ جب (فاتحانہ) کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کرنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ اور وہاں کے، غالب لوگوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں، اور وہ اسی

طرح کیا کرتے ہیں۔“

پھر جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ اہل خانقاہ جنہوں نے نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مغل اعظم کے جانشینوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا ان میں ابھی اتنی جان باقی ہے کہ وہ قوم کو پھر میدان میں لا کھڑا کر سکیں گے..... چنانچہ عیار حکمرانوں نے نظام خانقاہی میں سے کچھ لوگوں کو ترغیب کے چمکے دے کر اپنا ہمنوا بنالیا، اور دوسری طرف وہ کام شروع کر دیا جو فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا..... مگر فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ”تلخ چھری“ سے ذبح کرتا، اور یہاں قوم کے بچے ”میٹھی چھری“ سے ذبح ہوتے۔ اور میٹھی چھریاں بنانے کا سب سے بڑا کارخانہ اگر چہ علی گڑھ میں تھا مگر اس کی شاخیں ہر شہر اور قصبے میں موجود تھیں۔ جب بغیر بدنامی مول لئے قصاب خانوں اور مسلخوں سے زندہ لاشیں برآمد ہوئیں تو ان پر نوازشات کی بارش شروع ہو گئی، جسے دیکھ کر ہر شخص اپنے بچوں کو خود بخود مسلخوں میں داخل کرانے لگ گیا، اور اس طرح ان حاکموں کا کام آسان ہو گیا..... مگر باوجود اس آسانی کے ان کا دل مطمئن نہ ہوا..... اور خطرہ یہ تھا، کہ اہل خانقاہ کا دوسرا حصہ جو ترغیب و ترہیب سے بے نیاز تھا۔ براہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اور ہو سکتا تھا۔ کہ ان زندہ لاشوں کے قلوب میں وہ ایمانی حرارت پیدا کر کے ان کام کے خلاف انہیں استعمال کر لیں..... اس لئے حاکموں نے تہیہ کر لیا، کہ جس طرح ان لوگوں کی ظاہری کھال قصاب خانوں میں کھینچ لی گئی ہے۔ کسی طرح ان کے قلوب میں سے ایمانی حرارت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے، اور یہ اس صورت میں ممکن تھا جب کہ الحاد کی برودت اس طرح ان کے دلوں میں داخل کر دی جائے کہ ایمان کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

چنانچہ پنجاب کے ضلع گوداسپور میں ایک خاص قسم کے کھیت ایک مخصوص قطعہ زمین

پر تیار کئے گئے، اور وہاں ایک ”جربانی فارم“ بنا کر نئے اصول کے مطابق کاشت کے نئے تجربات کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک ”خود کاشتہ پودا“ ایسا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ جس کے استعمال سے حرارت ایمانی کے لئے قلوب میں کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔ اب ملک میں ہر طرف اس فارم کی شاخیں کھول دی گئیں، اور ہر جگہ یہی پودا کاشت ہونے لگا۔ جب ملک کے اندر اس کی پیداوار کافی ہو گئی، اور وہ نفع آور بھی ثابت ہوئی تو یہ مال باہر کی منڈیوں میں بھیجا جانے لگا۔ عرب، افریقہ اور یورپ کی منڈیوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ ”مال“ بھیجا جاتا تھا۔ یورپ میں تو صرف نمائش کی خاطر کہ دیکھے، ہندوستان کا مال کس قدر خوبصورت اور نفع بخش ہے اور عرب و افریقہ کی منڈیوں میں استعمال کی خاطر، تاکہ وہاں کے لوگوں کے دلوں سے بھی حرارت ایمانی کا خاتمہ کیا جاسکے۔

4۔ یہ حالات تھے، جب غیرت حق کو جوش آیا، اور اس نے سرزمین پاک و ہند میں عرب کے باقیات الصالحات اور عربی آقا ﷺ (فداہ ابی وامی) کے نام لیواؤں کو ایک شاعر اور ایک خطیب عطاء فرمایا۔ تاکہ شاعر اپنے سوز اور خطیب اپنے ساز سے ان کے دلوں کو گرما کر پھر ان میں حرارت ایمانی پیدا کر سکیں۔ خطیب کی جادو بیانی ساتھ نہ ہو تو شاعر کا پیدا کیا ہوا سوز میدان میں کام نہیں دے سکتا، اور اگر شاعر کا سوز نہ ہو تو خطیب کی جادو بیانی اگر چہ اثر تو کرتی ہے مگر اس کا اثر دیر پا نہیں ہوتا۔ سردلوں کو کوٹنے سے آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، البتہ لوہا گرم ہو تو لوہار کے لئے کام آسان ہو جاتا ہے۔ شاعر کا کام قسادت قلبی کو اشعار کی گرمی سے نرم کرنا ہے، اس کے بعد خطیب کا کام شروع ہوتا ہے کہ وہ اس سے کام لے،..... حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ ’ان من الشجر لحکمة وان من البیان لیسحر‘ کچھ اشعار حکمت بھرے ہوتے ہیں، اور کوئی خطابت جادوگری کا کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جب اسلامیان پاک و ہند کی اصلاح کے لئے نظر عنایت ملتفت فرمائی تو انہیں حکمت و سحر دونوں عطاء فرمائے، تاکہ پہلے حکمت زمین تیار کرے اور اس کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ: ع

یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

تو خطیب کی سحرانہ طاقت بروئے کار آ کر قوم سے کام لے۔ آپ کو معلوم ہے

کہ حکمت کے علمبردار ہمارے ہاں نعیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ تھے۔ جنہوں نے اپنی حکیمانہ شاعری سے الحاذرہ سنگین قلوب کو موم کی طرح نرم کر دیا، اور جن کی شعلہ نوائی نے پاک و ہند کی تاریکیوں میں قندیل کا کام دیا۔

تیرے لئے ہے مرا شعلہ نوا قندیل
اور ”إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا“ کا مصداق پیکر خطابت خطیب الامت مولانا سید
مطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں ”مَعَ اللَّهِ الْمُسْلِمِينَ بِطُولِ بَقَائِهِ“ جن کی جادو بیانی اپنوں
برگانوں سب کے ہاں مسلم ہے۔ اور جو۔

”لاکھ حکیم سر بجیب ایک حکیم سر بکف“

کا پورا پورا مصداق ہیں۔

5 علامہ اقبال رحمہ اللہ کے حلقہ اثر میں ایسے بہت سے لوگ ہیں، جنہوں نے ان کے پیغام اور ان کی حکمت کی تشریح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے، کیونکہ یہ کام آم کے آم اور گھلیوں کے دام کا مصداق ہے، ہم خرما و ہم ثواب، اچھا کام بھی کرو اور تصنیف و تالیف کے دام بھی پلے باندھ لو، دام نہ ملے تو شہرت تو کہیں گئی نہیں، مگر بخاری کی خطابت کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کچھ آسان کام نہیں ہے، گو ان کے حلقہ اثر نے جادو بیان خطیب تو پیدا کئے، مگر آج تک انہیں ایک بھی ایسا آدمی نہ مل سکا، جو ان کی ساحری کو صفحات قرطاس پر ثبت کر کے زود تارخ بنا سکتا، جس سے آنے والی نسلیں بھی بہرہ اندوز ہو سکتیں اور یہ اس لئے کہ ایک تو یہ کام آسان نہیں اور دوسرے گھلیوں کے دام تو الگ رہے، یہاں تو آموں کے دام وصول ہونے کی بھی امید موهوم ہے، اور پیٹ میں روٹی یا بدرجہ آخر خرما کے دو چار دانے نہ پہنچیں تو نرے ثواب کو کوئی اوپر اوڑھے یا نیچے بچھائے؟ اور یہی وجہ ہے کہ آج تک بخاری پر کچھ نہیں لکھا گیا، ورنہ ان کے محاسن بزرگ و عظیم پاک و ہند کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے کم نہیں۔

حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی شخصیت سے اہل علم ناواقف نہیں ہیں، آج سے چار سو سال پہلے تک ان کے مرتبہ کا کوئی عالم نہیں، اور نہ شاید آج سے چار سو سال بعد تک کوئی پیدا ہو۔ انہوں نے خود علامہ اقبال

اس کے خلاف معنی دیتا ہے، ابوالوقت اس شخص کو کہا جاتا ہے جو صاف صاف اپنی رائے رکھتا ہو، اور دوسروں کی ہاں میں ہاں کبھی نہ ملائے۔

ابوالوقت کے معنی ہیں ”وقت پہ چھایا ہوا۔“ ابن الوقت، وقت اور ہوا کا رُخ دیکھتا ہے، مگر ابوالوقت، وقت اور ہوا کو اپنے تابع بنالیتا ہے۔ ابن الوقت پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا رہتا ہے، مگر ابوالوقت، جدھر چاہے پانی کا رُخ موڑ دیتا ہے، گویا اصطلاح عام نہیں، مگر اہل علم کے ہاں غیر معروف بھی نہیں..... ہر زمانے میں ہر علم و فن میں صرف ایک ابوالوقت ہوتا ہے، اور باقی سب اس کے تابع و نقال ہوتے ہیں۔ گویا ہر زمانے میں ابوالوقت تو ایک ہوتا ہے، مگر ابن الوقت سینکڑوں ہزاروں ہو سکتے ہیں۔

زمانہ حال میں شاعری کے ابوالوقت علامہ اقبال مرحوم تھے، اور خطابت کے ابوالوقت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ ہیں..... جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ آج ہر شاعر اپنے الفاظ میں وہ ترکیبیں اور وہ بندشیں لاتا ہے، جو علامہ اقبال لایا کرتے تھے، بلکہ مضامین بھی تقریباً وہی لائے جاتے ہیں، اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ لوگ ان کے اور علامہ کے کلام میں تمیز نہ کر سکیں، اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ علامہ کے کلام کی طرح اُن کا کلام بھی بلند پایہ اور مقبول عام ہو جائے..... اسی طرح، آج ہر واعظ اور خطیب کوشش کرتا ہے کہ وہ بخاری کی طرح قرآن پڑھے، بخاری کی طرح وجد آور الفاظ اور سحر آفرین ترکیبیں استعمال کرے، بخاری کی طرح ترنم کے ساتھ (اگر میسر ہو، ورنہ بغیر ترنم ہی سہی) اور اگر غلط فہمی غالب ہو تو بد آوازی کے ساتھ بھی) اساتذہ کے چیدہ چیدہ اشعار سنائے، بخاری کی طرح تاریخی واقعات سے استناد کرے، بخاری کی طرح شواہد کو واقعات پر چسپاں کرے، بخاری کی طرح قرآنی آیات و الفاظ کے نئے نئے نکات بیان کرے، بخاری کی طرح مجمع کو کبھی کبھی مزاح لطیف کے چھینٹوں سے جگائے اور کبھی ترنم کی لوریوں سے سلوائے، غرض آج ہر خطیب اور ہر واعظ پر بخاری کا اثر ہے اور ابوالوقت، اور تو اور اُن لوگوں پر بھی چھایا ہوا ہے جنہیں علمی فضیلت و کمال کی بناء پر وہ اپنے اساتذہ کے برابر درجہ دیتا ہے، ہم نے ایک دو نہیں، ایسے کئی ایک بزرگ دیکھے ہیں، جن کا ترنم واجبی ہے، مگر بخاری بننے کے شوق میں سارے کا سارا وعظ مترغانہ انداز میں

فرما رہے ہیں حالانکہ بخاری کا کمال صرف بخاری کے ترنم میں نہیں، بلکہ ان کے انداز خطابت میں ہے۔ بغیر قرآن و حدیث پڑھے اور بغیر ایک شعر سنائے بھی بخاری سے کامیاب تقریر سنی جا سکتی ہے۔ مگر ابنائے وقت (کو خواہ عملی طور پر وہ آبائے علم ہی کیوں نہ ہوں) یہ بات سمجھنا تو بے سود ہے کہ وہ بخاری کی تقلید نہ کریں، کیونکہ ابنائے وقت کا تو کام ہی تقلید ہے۔

6 بخاری نہ ہوتے تو زمانہ حال کے اسی فیصدی بہترین خطیبوں کو فن تقریر سے منفی کیا جا سکتا تھا۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی زبانوں پر الفاظ بخاری کے ہیں، اشعار بخاری کے انتخاب کردہ ہیں اور آیات و احادیث تک بخاری کی دی ہوئی ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہیں لفظاً لفظاً بخاری کی تقریریں ازبر ہیں، اور اپنے اپنے مقام پر وہ ایسی زنائے کی تقریر کر سکتے ہیں کہ اگر آپ بخاری کو نہ جانتے ہوں یا ان کی تقریر نہ سنی ہو تو براہ راست ان کی خطابت پر ایمان لے آئیں، ان میں کچھ وہ ہیں جنہیں آپ نقل مطابق اصل کہنے سے بھی باک نہیں کریں گے۔ اور کچھ ایسے ہیں جنہیں بخاری کا پاکٹ ایڈیشن کہا جاسکتا ہے، ان کے علاوہ بہت سے ایسے بھی ہیں، جن کی نقل راہم عقل باید تک بھی رسائی نہیں۔ شعر صحیح نہیں پڑھ سکتے، مگر بخاری بننے کے شوق میں غلط شعر ہی جھوم جھوم کر سنائے جا رہے ہیں، یہ لوگ اپنی جگہ پر اور سب کچھ ہو سکتے تھے۔ لیکن اگر بخاری نہ ہوتے، تو یہ واعظ یا خطیب ہر گز نہ ہو سکتے، اور یہ نہ سمجھتے کہ یہ بخاری کے حافظ (یعنی بخاری کی تقریروں کے حافظ) سب بخاری کے ہمنو یا ہم سفر ہیں، ان میں کی اکثریت بخاری کے مخالف ہے۔ بخاری کے الفاظ، بخاری کے انداز، اور بخاری کے منتخب اشعار، بخاری کے خلاف استعمال کرنا یہ لوگ اپنے لئے قابل فخر سمجھتے ہیں۔ اپنے حلقہ اثر میں اپنے انداز فکر کے مطابق وہ گویا بخاری کا جواب بننے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن حق بات یہ ہے، کہ بخاری نہ ہوتے تو ان کا وجود بھی موہوم ہوتا، آج جس طرح ہر بڑے شاعر کو داعیہ لاحق ہے کہ وہ کسی طرح علامہ اقبال سے بڑھا ہوا مانا جائے، اور اس کے کام کے لئے ترکیبیں مضامین اور انداز بیان وہ اقبال ہی کا استعمال کرتا ہے، اسی طرح ہر خطیب بخاری کو پڑھ کر (یعنی اس کی تقریریں سن کر اس کا انداز بیان چرا کر) بخاری سے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہے، نفسیات کا کوئی ماہر اگر ایسے شاعروں اور خطیبوں کے دل ٹٹولے تو یقیناً وہ کچھ ایسی دہلی

بی خواہشات کو ان کے دلوں سے نکال لائے گا۔ جن میں شاعر انقلاب شاعر اسلام، خطیب اسلام اور خطیب الامت بننے کا شوق پنہاں ہو..... اقبال اور بخاری کی بڑائی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

7۔ خن کوئی مشکل ہو یا نہ ہو، خن فہمی انتہائی مشکل کام ہے، آج برعظیم پاک و ہند کے کھنڈرات میں گھوم جائیے، آپ کو ہر پرانی اینٹ کے نیچے سے ایک شاعر اور ہر گلے سڑے روڑے کے پاس سے ایک مضمون نگار ضرور مل جائے گا، جو اپنے دعاوی کے لحاظ سے غالب کا جواب اور علامہ اقبال کو اصلاح دینے والوں میں سے ایک ہوگا۔ مگر ان میں ایک فیصدی تو کیا ایک فی ہزار بھی مشکل سے کوئی خن فہم ہوگا، بقول سالک جو لوگ مسلسل دو سطریں اردو کی صحیح نہیں لکھ سکتے، آج وہ سلطان القلم کہلاتے ہیں تو۔

تاہم دیگران چہ رسد
مگر اس قدر قحط الرجال کے زمانے میں بھی آپ جب بخاری سے ملیں گے تو پہلی ملاقات آپ کو یقین دلادے گی کہ:-

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں
ان کی خن فہمی اور خن شناسی اس حد تک مسلم ہے، کہ مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، اور حضرت پطرس وغیرہ بھی اس کا صرف اعتراف ہی نہیں کرتے، بلکہ یہ لوگ آپ کی خن فہمی اور بذلہ سخی کے قدردانوں میں سے شمار ہوتے ہیں، اور جب بھی موقع میسر ہوتا، یا تو یہ لوگ بخاری کی محفل تک پہنچنے کی کوشش کرتے یا بخاری کو اپنے پاس لے جاتے، اور پھر وہ محفل ہمتی، جس کی نظیر شاید سلف و خلف میں کہیں نہ مل سکے مگر..... ع

یہ باتیں ہیں تب کی جب آتش جواں تھا
بخاری کی محفل اگر چہ اب بھی جمتی ہے، اور وہ تو سد ابہار پھول ہے، کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے کھلا ہی رہتا ہے، مگر اس کی محفل کی خوشہ چینی کرنے والے اب یا تو میرے جیسے کم سواد طالب علم رہ گئے ہیں۔ یا عوام کا لانعام کا وہ گروہ ہے، جو اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ہر وقت شاہ صاحب کے گرد جمع رہتا ہے..... گردو گرد ماگد او گورستان، کی سرزمین میں لاہور،

امرتسر اور دہلی کی شادایاں کہاں سے پیدا ہو جائیں۔

آں قدح بشکت و آں ساقی نماںد
اور آج بخاری کی شکل میں۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خاموش ہے

8 ہم جملہ عقیدت مندوں کی طرح، مدت العمر، شاہ صاحب کو ایک بے مثال
طیب اور ایک بے نظیر خن فہم بزرگ سمجھتے رہے، مگر ایک دن بیٹھے بٹھائے دفعۃً ہمیں معلوم
ہوا کہ شاہ صاحب شاعر بھی ہیں، اور ندیم تخلص فرماتے ہیں۔ سچ جانئے کہ آسمان پھٹ پڑتا
اور ہم اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو زمین پر گرتا ہوا دیکھ لیتے تو ہم کو اتنا تعجب نہ ہوتا، جتنا یہ سن کر
تعجب ہوا، کہ شاہ صاحب شاعری بھی فرماتے ہیں، یہ تعجب اس بناء پر نہیں تھا کہ شعر و خن کوئی
عالم بالا کی چیز تھی اور وہاں تک شاہ صاحب کی رسائی نہیں تھی، بلکہ یہ استعجاب ع

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

کی اقسام میں سے تھا۔ یہ تو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ خن گوئی سے خن فہمی زیادہ مشکل
ہے اور شاہ صاحب خن فہموں کے بھی سردار ہیں تو خن سخی ان کے مرتبہ سے فروتر بات ہے، مگر اس
فروتر بات میں بھی اس قدر پختگی، بلندی اور چستی ہوگی، اس کا ہمیں گمان تک بھی نہیں تھا۔ یہ ٹھیک
ہے کہ انہوں نے شعر گوئی کی طرف عدا اور ارادۃً توجہ نہیں فرمائی، اور جس طرح ہمیں دفعۃً معلوم
ہوا کہ وہ شاعر ہیں، خود انہیں بھی اچانک واردات کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ خن فہمی کے ساتھ خن
گوئی کے جراثیم بھی ان کے اندر پائے جاتے ہیں، مگر شکر کیجئے کہ بحیثیت فن انہوں نے اس کو
اختیار نہیں فرمایا، ورنہ بڑے بڑوں کے نام ان کی سخنواری کے سامنے ”چھوٹو رام“ ہو کے رہ جاتے
ان کی زندگی بازیگاہ سیاست میں جس نہج پر گزری اس کے متعلق کبھی میں نے کہا تھا۔

صمد ریل میں گذرتی ہے

شب کسی جیل میں گذرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے

اب تو اس کھیل میں گذرتی ہے

اور اسے تفسن نہ خیال فرمائیے بلکہ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی خداداد نعمت خطابت کے تشکر میں کراچی سے کلکتہ اور گلگت سے بمبئی تک سارے برعظیم پاک و ہند میں گاؤں گاؤں، شہر شہر، اور کوئے کوئے کا سفر کر ڈالا، اور ہر جگہ لوگوں کو آزادی و وطن خواہی اور مغربیت سے ایمان و اسلام کو بچا لینے کا درس دیا۔ یہ کام اس قدر وسیع تھا کہ انہیں اس کے سوا کسی دوسری طرف توجہ فرمائی کا موقع نہ مل سکا۔

۹ پھر تعجب بالائے تعجب اس وقت ہوا، جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے فاضل صاحبزادے حضرت ابوذر بخاریؒ نے موتیوں کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو بڑے سلیقہ سے ایک سلک میں پرو کر بازار کساد و فساد میں پیش کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، اور پھر اس مشک نافہ کے لئے عطار کے فرائض مجھ ہیچ مدان و ہیچ میرز کو ادا کرنے ہوں گے۔ اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟ پہلے تو یہ خیال آیا تعارف میں صرف سعدی کے یہ الفاظ لکھ دوں۔ ”مشک آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید“، مگر پھر خیال ہوا کہ عطاروں کے بازار میں تو یہ بات کہتے ہوئے کوئی حرج نہیں، اور جس بازار میں حضرت ابوذر اپنا یہ گنجینہ زر پیش کرنے والے ہیں، وہاں

شنا سا نہیں کوئی بھی اس ہنر کا

پھر اس کے ساتھ خطرہ یہ بھی ہے، کہ کچھ کہنے والے کا بھرم بھی کھلتا ہے، شاہ صاحب

فرمائیں گے۔

شعر مراد رس کہ برد؟ اور اہل نظر کہیں گے: بخن فہمی عالم بالا معلوم شد! بہت سوچا،

اصطلاحات کا سہارا لینے کو جی چاہا اور معاً غالب کا شعر دماغ میں گھومنے لگا:

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر 1

دل کو ایک کونہ تسلی ہوئی اور شاہ صاحب کے کلام کو دیکھنے بیٹھ گیا، کہ اب بادۂ و ساغر کی اوٹ میں بہت کچھ لکھ لوں گا، ورق الٹا، نظر ڈالی تو سب سے پہلے شاہ صاحب کے اس شعر پر جا پڑی۔

گر ہو دواءِ عشق کی تلخی، نصیب عقل

بنی ہے پھر تو بادۂ و ساغر کہے بغیر ¹

پڑھتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اصطلاحات کا سہارا ”ہباء منثوراً“ ہو گیا، اور ضمیر نے کہا: اب کہو۔ اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ غالب کے بعد غالب کی زمینوں میں پہلے تو بہت کم لکھا گیا اور تھوڑا بہت جو لکھا گیا وہ عموماً کامیاب نہیں رہا ”جواب آں غزل“ کا دور غالب کے ساتھ ہی ختم ہو گیا،

ایں جواب آں غزل غالب کہ صائب گفتہ است

لیکن اگر شاہ صاحب اس شعر کے جواب کی بجائے، جواب آں غزل، لکھ ڈالتے تو

کیا کامیاب نہ ہوتے؟

10 ﴿ دوسرے صفحے پر نگاہ پڑی تو فارسی کی ایک نعت سامنے آگئی، جس کا مطلع ہے۔

ہزار صبح بہار از نگاہِ مے چکدش

جنوں ز چپش زلفِ سیاہِ مے چکدش ¹

مطلع پڑھتے ہی ایک بہت پرانا واقعہ ذہن پر چھا گیا، اور دل نے گواہی دی کہ یقیناً

یہ نعت اس واقعہ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے شاہ صاحب کی ایک تقریر سنی، یوں تو ہر تقریر خطابت

کا شاہکار ہوتی ہے، مگر اس تقریر کا رنگ ہی کچھ اور تھا، تقریر تقریباً ساری رات جاری رہی، مگر

ہزاروں کے مجمع میں سے ایک تنفس بھی ایسا نہ تھا، جسے کوئی داعیہ تقریر میں سے اٹھا کے لے گیا

ہو، شاہ صاحب کا چہرہ جلال و جمال کا مرقع بنا ہوا، بجلی کی روشنی میں آفتاب کی طرح چمک رہا

تھا، مجھے اس موقع پر پرانے کسی استاد کی رباعی یاد آگئی۔

از خن شہد ناب ے چکدش
وز تبسم گلاب ے چکدش
ے تو اں گفت کز حرارت ے
از جبین آفتاب ے چکدش
میں نے ایک لفظ کی تبدیلی سے اسے شاہ صاحب پر چسپاں کر دیا:
از خن شہد ناب ے چکدش
وز تبسم گلاب ے چکدش
ے تو اں گفت کز حرارت وعظ
از جبین آفتاب ے چکدش

اور پاس بیٹھے ہوئے ایک دوست کو سنادی، وہ تڑپ اٹھا، بار بار رباعی کے مصرعے دہراتا، اور شاہ صاحب کو دیکھتا بعد میں یہ یاد نہیں کہ میں نے رباعی خود یا اس دوست نے شاہ صاحب کو سنائی، اگرچہ آپ نے ہماری اصلاح تو قبول نہ فرمائی۔ مگر رباعی کو بہت پسند فرمایا، لکھ لی، اپنی عادت کے مطابق جھوم جھوم کر کئی بار سنائی ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی، کہ لوجی! ایک چیز تو ہم بھی ایسی نکال لائے جواب تک شاہ صاحب کے ذخیرہ انتخاب میں نہیں تھی، ورنہ عموماً یہ ہوا، کہ ان کی محفل میں کوئی شعر پیش کرو تو اس کے ساتھ کے دو تین شعر اور سنا ڈالتے ہیں، اور دل نے ابھتا جانیہ کہا کہ اس رباعی کے ساتھ ساتھ اب تمہارا نام بھی شاہ صاحب کے دل میں محفوظ ہو گیا، اتنے سے تقرب پر بھی اس قدر نشہ چھا گیا کہ بس کچھ نہ پوچھے۔ ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

مگر یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس رباعی کا کچھ جواب بھی ہو سکتا ہے، اور وہ بھی اتنا عمدہ اور بلند پایہ کسی بڑے سے بڑے خن فہم کے سامنے یہ نعت پڑھ جائیے اور پوچھے کہ یہ کس کا کلام ہو سکتا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ کسی پرانے استاد کا کلام ہے، سبحان

اللہ! دیکھئے تو ہی!

چمن چمن گل و نسریں زکسِ رخ ریزد
سب سب گل خنداں زراہِ مے چکدش
خندہ نمکیں اور چشمِ سیاہ کی فتنہ انگیزیاں ملاحظہ ہوں، الحفیظ والا مان!
چہ شور ہاست بجانم زخندہ نمکیں
چہ فتنہ ہاکہ زچشمِ سیاہ مے چکدش¹

صفات حق کی جلوہ نمائی کا بیان آپ نے بہت پڑھا ہوگا، مگر ذات و صفات کے شاہد اور گواہ آپ نے بہت کم دیکھے ہوں گے۔

چہ گفتگو چہ تبسم شہادتے بحدوث
زنورِ چہرہ قدم را گواہ مے چکدش²

اس نعت کے ساتھ ساتھ یہ نعت بھی ملاحظہ فرمائیے، اور ہو سکے تو سخن فہموں کے ہاں اسے جامی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کر کے سناد دیجئے، انشاء اللہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ یہ نعت جامی کی نہیں ہو سکتی!

لولاک ذرّۃ ز جہانِ محمد ﷺ است
سبحان من یراہ چہ شانِ محمد ﷺ است
سیارۃ کلامِ الہی خدا گواہ
آں ہم عبارتے ز زبانِ محمد ﷺ است
نازد بنامِ پاکِ محمد ﷺ کلامِ پاک
نازمِ بآں کلام کہ جانِ محمد ﷺ است

1 سوانح الالہام ص 78

2 ایضاً ص 78

توحید را کہ نقطہ پر کار دین ماست
دانی؟ کہ نکتہ زیان محمد ﷺ است ¹

دہی جامی کا سوز و گداز وہی بیان کی پختگی و شستگی، وہی انداز و طرز بیان، کون سی چیز ایسی ہے جو جامی کے ہاں ہو، اور یہاں نہ ہو؟..... وحدت الوجوہ کا بیان شاہ صاحب کی زبانی سنئے۔

وحدت بوجد و حالت کثرت در آمدہ
حرکت بجلوہ، جلوہ بحرکت در آمدہ
موسیٰ و طور و دادی ایمن، حراء، حرم
ہر جا کہ دیدہ ایست، بحیرت در آمدہ ²

یہ وہ جاہلانہ وحدت الوجود نہیں، جہاں عیسائیوں کی طرح ”تین“ کی بجائے ”دو“ میں ایک اور ایک میں دو، یا ”ایک میں سب اور سب میں ایک“ کہا جاتا ہے۔
بلکہ یہ وہ عالمانہ وحدت الوجود ہے، نہ جس کے سمجھنے میں وقت پیش آئے نہ جسے ماننے میں کوئی امر مانع ہو، وحدت کو وجد آیا تو اس نے اپنی صفات کے مظاہر کو پھیلا دیا، ذات نے صفات کی جلوہ نمائی کی، اور جلوہ ذات متحرک ہوا، دیدہ بینا جہاں جہاں تھی وہ حیران رہ گئی، اردو میں وحدت الوجود کا مسئلہ آپ نے صرف ایک شعر میں بیان فرمایا ہے، زبان و بیان دیکھئے کہ کس قدر صاف اور تعبیر کتنی دلکش ہے!

ذروں سے تابہ مہر، ستاروں سے تا چمن
عکس جمال یار کی تابندگی ہے دوست ³

شاہ صاحب کی چار پسندیدہ چیزیں ملاحظہ ہوں:

1 ایضاً ص 72

2 سوانح الہام ص 108

3 ایضاً ص 57

بخت اگر رسا شود، دست دہد سببِ خویش
از نگہ سمن برے لالہ رنہ نکوئے خویش
باغ و بہار ما ندیم یعنی کہ جنت النعیم
روئے خوش است و خوئے خوش
بوئے خوش و گلوئے خوش 1

دونوں رخ کس قدر صحیح اور درست ہیں، غنیمت نے جغرافیائی اور عمرانی رخ کا جائزہ لیا ہے اور شاہ صاحب نے پنجاب کے اس زمانے کا سیاسی رخ دکھایا ہے، جب انگریز یہاں قابض و حاکم تھا، دونوں نظمیں عنقریب تاریخ کا باب بننے والی ہیں، اور مستقبل کا مورخ بتائے گا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کس قدر صحیح منظر کشی کرتی ہیں۔

11 ﴿ چند نظمیں اردو میں اکبر کے رنگ کی بھی موجود ہیں، جن میں مزاح اور تفسن ہے، اور انہیں پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ اگر شاہ صاحب خازن سیاست سے دامن نہ الجھا لیتے تو موجودہ وقت میں اکبر کے صحیح جانشین ہوتے، اور جب اتنا اور اس میں اضافہ ہو جائے کہ ان کی اکثر نظمیں فی البدیہہ کہی ہوئی ہیں تو اور بھی ان کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ غالب کی طرح شاہ صاحب بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔

کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

نہ یہ اشعار اس بنا پر انہوں نے لکھے ہیں کہ واقعی وہ شعر لکھ رہے ہیں اور نہ فن کو انہوں نے کبھی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ان کی حیثیت محض تبرکات اور تاریخ کے گم ہو جانے والے اوراق کے لئے صرف ”یادداشت“ کی ہے اور بس!

12 ﴿ خداداد خطابت میں جو کام شاہ صاحب عمر بھر کرتے رہے، اس کا خلاصہ دو باتوں میں پیش کیا جاسکتا ہے:

1 ﴿ حضور خواجہ دوسرا ”بَابَانَا هُوَ وَأُمَّهَاتِنَا“ کی مدح و ثناء۔

2۔ اور حضور کے دشمنوں سے دائمی نہ ختم ہونے والا جھگڑا۔ شاہ صاحب کی شاعری کا سرمایہ بھی یہی دو باتیں ہیں۔ اور یہ آفتاب کو چراغ دکھانے کا سلسلہ میں آپ کے چند نعتیہ نثروں کو پیش کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں، تاکہ آپ براہ راست نورِ آفتاب سے مستنیر ہو سکیں، چراغ تلے تو آپ کو معلوم ہے ہمیشہ اندھیرا ہی ہوتا ہے اور دیر تک اندھیرے میں بھٹکنا بھی کچھ بھلے لوگوں کا کام نہیں۔

نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیں:

چہ جلوہ ایست کہ آسودہ دربرِ خاک است

کہ ذرہ ذرہ طرب ریز و بس طربناک است ¹

دوسرے مطلع کی بلندی دیکھئے۔

بیا کہ باتو سخن ہار خرف لولاک است

بیا کہ باتو حکایت ز قدرِ افلاک است ²

نعت گو شاعروں کے ہاں حدیثِ لولاک لما خلقت الافلاک کا بیان عام ہے اور ہر شخص حضور ﷺ کی مدح و ثناء میں اس کا ذکر کرتا ہے، مگر کسی نے آج تک اس کی یوں تجزی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے ما خلقت الارض نہیں فرمایا۔ بلکہ ما خلقت الافلاک فرمایا ہے اور اس میں کیا نکتہ ہے؟ اگر یہ تجزی پہلے معہود ہوتی تو یہ مطلع تھا، مگر چونکہ یہ کام پہلے پہل آپ نے کیا ہے اس لئے دوسرے مطلع سے پہلے ایک شعر میں اس طرح متوجہ فرماتے ہیں کہ:

نکفت خالق مطلق کہ ما خلقت الارض

مقام فکر و تامل، حدیثِ لولاک است

اس شعر کے بعد ذرا پھر شاہ صاحب کا مطلع ثانی پڑھ کر دیکھئے، تاکہ آپ 'قدر'

افلاک' کی قدر پہچان سکیں۔ بیشک افلاک کی قدر بہت بڑی ہے۔ مگر اب زمین کی قدر کی

افزائش بھی قابل غور ہے۔

مقام و منزل قرآن و انبیاء گردید
 بہ مشیت خاک بنام چہ رتبہ خاک است
 سبحان اللہ

زمین کو اس ترقی پر فلک سے داد ملتی ہے
 فلک کیا عرش باری سے مبارکبار ملتی ہے

طالوت

22 / 4 / 74 19 / 12 / 54ء یوم یکشنبہ ملتان

●●●●●.....●●●●●

www.ahlehaq.org

نہایت گنجائی نے اپنی مثنوی میں پنجاب کی تصویر کشی کی ہے اور شاہ صاحب نے اس تصویر کا دہرا رخ اسی زمین میں پیش کیا اور دونوں ساتھ ساتھ ملاحظہ ہوں:

غنیمت ————— شاد صاحب

ندیدیم کشورت عارت کرتاب
 بہ خوبی بائے حسن آباد پنجاب
 پنجاب انتخاب بخت کشور
 خورود بخاش آب کوثر
 فضائے نشہ ہستی بھوایش
 زمینے کا سامنا خاک پائیش
 بنائے کعبہ دلہا زخاش
 عروج نشہ معنی زخاش
 جہارش آب درنگ چہرہ گل
 گیمہش دلربائے زلف سنبل
 بہر جا سبزہ ازخاش . میدہ
 رخ خویاں بہ پشتش خط کشیدہ
 زلالت بادہ سارہ مستی عشق
 نسیمس روح زخاش ہستی عشق
 گلکش برخاک بہر جا سایہ انداخت
 زمین از آتش یا قوت بگداخت
 بہ خاش سایہ پرہائے بلبل
 جواب یک چمن خندیدن گل
 شفق سربانہ چشم از دیدن گل
 چمن سامان نگہ از چیدن گل
 ز شوق آں کہ تا آمد بہ پنجاب
 دل کشیدہ صدر بہ سیشہ آب
 شک بہکشم کہ درخام سرما
 دریں گلشن بود گرم تماشا

ندیدیم کشورت مردود و مرتاب
 بشو میہائے کفر آباد پنجاب
 چہ ملکہ تنگ و عار ہفت کشور
 ز شرق و غرب بادش خاک بر سر
 خمیر طینتش مردم شیشہا
 ز قتل مسلکش باشد خمیشہا
 چہ پیرانش مریدان فرغی
 لقب کا نور و ذات پاک زغی
 ز نواب و رئیسانش چہ پرستی
 سگ و سگ زادگان کرسی بہ کرسی
 چنان فرزند ناموار زاید
 کہ از خر قینتش برتر نیاید
 چکہ از مالہ اش خون مسلمان
 ازو نالان مجاز و مصرعہ ایران
 جوانانش غلامان فرنگی
 پناہ شان بہ امان فرنگی
 چہ پنجاب آں فرنگی را معسر
 معسر را غلام احمد پیمبر
 ضلالت را پیمبر ہست پنجاب
 فرنگی را معسر ہست پنجاب
 فضائش کفر ریز و کفر بیخ است
 بآمین الکی درستیہ است
 زمین فتنہ زائے فتنہ خیزے
 کہ شیطان پیش پائش سجدہ ریزے¹

مولانا محمد یوسف کاندھلوی

سوانح و افکار

ترتیب و تبویب: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

- ☆ ایک ایسے داعی الی اللہ کی سوانح جس کا ثانی تلاش کرنا مشکل ہے۔
- ☆ ایک ایسے مبلغ کے سوانح و خطبات جس کی مردانہ ہمت سے دنیا کے گوشے گوشے میں دینی دعوت کا پیغام پہنچا۔
- ☆ ایک ایسے عالم ربانی کے حالات زندگی جو سرتاپا عمل تھا۔
- ☆ ایسا روحانی پیشوا جو ہر دم میدان میں سرگرم عمل رہا۔
- ☆ ایسا انسان جو چودھویں صدی میں قرن اول کے اسلام کا نمونہ تھا۔
- ☆ ایسا امتی جس نے دنیا کو سنت محمدی ﷺ کی زندہ جھلکیاں دکھلائیں۔
- ☆ ایک ایسا معلم جس نے لاکھوں انسانوں کو علم دین سکھلایا کی سوانح حیات و خطبات کا مجموعہ جو پہلی دفعہ یکجا منظر عام پر

☆ چار رنگہ ☆ خوبصورت ٹائٹل ☆ عمدہ کمپوزنگ

☆ مضبوط جلد ☆ صفحات 356

بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

سوانح و افکار

ترتیب و تبویب: مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

☆ ایک ایسے شخص کے سوانح و خطبات جس نے چودہ سال تک حرم نبویؐ میں درس دیا۔

☆ جس کی ایک لاکھ سے کفر لرزہ بر اندام ہو جاتا تھا۔

☆ جس نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی یادیں تازہ کر دیں۔

☆ جس نے اشخاص و آزادی وطن کے لئے ساہا سال جیل میں گزارے جو حوصلہ و عزم کا کوہِ گراں تھا۔

☆ جو پتھر کھا کر دعائیں دیتا رہا۔

☆ جس کے سلام پر گنبد خضراء سے ”و علیکم السلام یا ابنی“ کا جواب آیا۔

☆ جسے شیخ العرب و العجم کا لقب دیا گیا۔

☆ جو سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ننگ اسلاف لکھتا رہا۔

☆ اس عظیم شخصیت کی سوانح و خدمات پر ایک شاندار مجموعہ

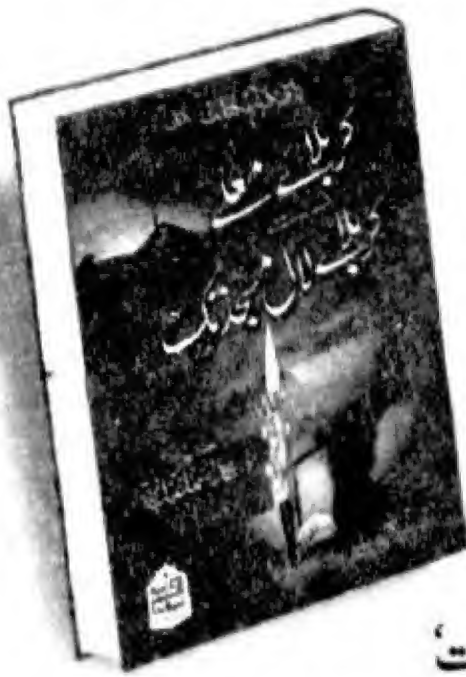
☆ چار رنگہ ☆ خوبصورت ہائیٹل

☆ عمدہ کمپوزنگ ☆ مضبوط جلد

بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے

www.ahlehaq.org

واقعہ کربلا کے چودہ سو سال بعد پیا کی جانے والی ایک اور کربلا کی داستان رنج و الم



کربلائے معلّٰی سے کربلائے لال مسجد تک

مفت مولانا محمد امجد علی خان صاحب دہلوی

بش اور ٹونی بلیئر کے جانشینوں کے ہاتھوں پیا

ہونے والا عظیم سانحہ جس میں سینکڑوں حافظات، قاریات،

عالمات اور طلبہ کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ جس سے ملک کی کوئی چشم پر نم ہوئے بغیر نہ رہ

سکی۔ کتاب کو درج ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

✽ باب اول : غازی برادران کا خاندانی پس منظر اور خدمات

✽ باب دوم : تحریک طلبہ و طالبات

✽ باب سوم : سانحہ لال مسجد کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹ

✽ باب چہارم : سانحہ لال مسجد اور وفاق المدارس العربیہ

✽ باب پنجم : سانحہ قومی پریس کی نظر میں

✽ باب ششم : کالم نویسوں کی نظر میں

✽ باب ہفتم : منظوم خراج تحسین

سانحہ لال مسجد پر شائع ہونیوالی پہلی تفصیلی کتاب جس میں کئی سربستہ رازوں سے پردہ اٹھایا

گیا ہے۔ کئی پردہ نشینوں کو بے نقاب کیا گیا۔ صفحات : 416 ہدیہ : -/220

ملکِ تَبَّہ ختمِ نبوت

حضرتی کباج روڈ، مکتان 0306-7475216

38 غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور 042-7214484